آفتابِ محمدی

بجواب

شمعِ محمدی

حصہ دوم

پاسبان حق

جمع وترتیب

سید مشتاق علی

ناشر

پیرجی کتب خانہ محلہ گوبندگڑھ، گلی نمبر۸ مکان نمبر۳۶/سی کالج روڈ

گوجرانوالہ، پنجاب، پاکستان

نام کتاب: .... آفتاب محمدی بجواب شمع محمدی (حصہ دوم)

مرتب پیر جی سید مشتاق علی شاہ

صفحات : 544

قیمت

تعداد ایک سو 100

ملنے کے پتے

پیر جی کتب خانہ محلہ گوبند گڑھ، گلی نمبر ۸، مکان نمبر ۳۶/۲ سی کالج روڈ گوجرانوالہ، پنجاب، پاکستان
فون نمبر: 0333-8182910
مرکز اہل سنت والجماعت چک ۸۷ جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

محترم قارئین کرام! ہم نے اکتوبر دو ہزار ایک (۲۰۰۱ء) میں آفتاب محمدی کا حصہ اول شائع کیا تھا، جس میں شمع محمدی کے پہلے چھپن (۵۶) اعتراضوں کا جواب تھا۔ یہ حصہ بہت مقبول ہوا اور اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ دوسرے حصے کے لیے لوگوں کا مطالبہ برابر جاری رہا۔ احقر کی بھی کوشش تھی کہ دوسرا حصہ جلد لکھ دیا جائے۔ مگر ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ احقر تھوڑا تھوڑا کر کے لکھتا رہا کبھی لکھنا بند کر دیتا اور دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتا پھر کچھ عرصہ کے بعد لکھنے لگ جاتا۔ آخر ۲۱ ستمبر ۲۰۱۳ء میں لکھ کر فارغ ہوا۔ پھر کمپوزنگ کرنے کو دیا، کمپوزنگ کرنے والا پہلے دبئی چلا گیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد واپس آیا اور دوبارہ سعودی عرب چلا گیا اور کتاب کا مسودہ اپنے ساتھ لے گیا۔ ہم بہت پریشان تھے کہ اتنی محنت بھی کی مگر فائدہ نہ ہوا، نہ ان سے کوئی رابطہ ہو سکا جس سے معلوم ہوتا کہ انہوں نے لکھا کہ نہیں۔ اب جون ۲۰۱۷ء میں معلوم ہوا کہ وہ صاحب واپس آ گئے ہیں۔ جب ان سے رمضان میں رابطہ ہوا تو انہوں نے تسلی دی کہ آپ کا مسودہ میرے پاس محفوظ ہے اور میں نے کچھ لکھا بھی ہے۔ پھر انہوں نے آ کر ہمیں پوری کتاب کمپوز کر کے دی۔ اس طرح یہ دوسرا حصہ اب ہم شائع کر رہے ہیں۔

جیسا کہ پہلے حصہ کے مطالعہ سے آپ کے علم میں ہوگا کہ ''آفتاب محمدی'' شمع محمدی کا جواب ہے۔ شمع محمدی میں فقہ حنفی کے ایک سو چھپن (۱۵۶) مسائل کو حدیث کے خلاف ثابت

کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ہم نے پہلے حصہ میں چھپن (۵۶) مسائل کا جواب دیا تھا۔ اس حصہ دوم میں ستاون (۵۷) سے لے کر ایک سو چھپن (۱۵۶) تک۔ پورے ایک سو (۱۰۰) مسائل کا جواب دیا ہے۔ شمع محمدی سے علاوہ ہم نے اس موضوع کی دیگر کتابوں کو بھی سامنے رکھا ہے۔ ہم نے اعتراض کی عبارت کو مکمل نقل کیا ہے پھر جواب دیا ہے۔ ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ ہر مسئلہ دلیل کے ساتھ لکھا جائے اور قرآن وسنت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور سلف صالحین کی تعلیمات کی روشنی میں مسائل کو حل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت پر صحیح طریقہ سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

نوٹ:

اگر کتاب میں کوئی غلطی نظر آئے تو ہمیں اطلاع کریں ان شاء اللہ درست کر دی جائے گی۔ ہم قرآن وسنت کے خلاف کسی کی بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ شمع محمدی کے متعلق کچھ معلومات پہلے حصہ میں عرض کر دی گئیں تھیں جو کافی ہیں وہاں پر دیکھ سکتے ہیں۔

والسلام

مشتاق علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعتراض نمبر ۵۷:

ولی نکاح

(نکاح میں ولی کی حیثیت قرآن وسنت کی روشنی میں)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لاَ نِکَاحَ اِلاَّ بِوَلِیٍّ

(رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد وابن ماجہ والدارمی مشکوۃ ص ۲۷۰ جلد دوم باب الولی)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بغیر ولی کے نکاح نہیں۔

آپ نے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سن لیا؟

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اب حنفی مذہب کا فیصلہ سنیئے! ہدایہ ص ۲۹۳ باب فی الاولیاء جلد دوم میں ہے۔

وَیَنْعَقِدُ نِکَاحُ الْحُرَّۃِ الْعَاقِلَۃِ الْبَالِغَۃِ بِرَضَائِھَا وَاِنْ لَّمْ یَعْقِدْ عَلَیْھَا وَلِیٌّ بِکْرًا کَانَتْ اَوْ ثَیِّبًا.

یعنی آزاد عقل مند بالغہ عورت کی رضا مندی سے بغیر ولی کے بھی نکاح ہو جاتا ہے۔

حنفی بھائیو! کہو اب تم کونے کا فیصلہ مانو گے یا مدینے کا؟

(شمع محمدی ص ۸۳، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۷۸، احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف ص ۲۷۰، رازنہات ص ۱۶۱ مسئلہ نمبر ۹۵، ۱۱۹)

جواب:

جوناگڑھی نے یہ مسئلہ ظفر المبین سے سرقہ کیا ہے۔اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ احناف کا نظریہ قرآن وسنت سے ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

دلائل احناف:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا طریقہ اجتہاد یہ ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں وارد ہونے والی تمام روایات کو پیش نظر رکھ کر ایسا مسلک اختیار کرتے ہیں، جس سے حتی الامکان ساری روایات جمع ہو جائیں اور کوئی روایت عمل کرنے سے نہ رہ جائے۔زیر بحث مسئلہ میں بھی یہی صورت ہے مملوکہ،صغیرہ، مجنونہ کو غلامی بچپن اور پاگل پن کے عوارض کی بنا پر اپنا نکاح خود کرنے کا حق بالاتفاق حاصل نہیں،ان کا نکاح ان کے ولی ہی کریں گے۔لیکن آزاد، عاقلہ اور بالغہ عورت کے بارے میں قرآن وسنت کے قطعی دلائل اس بات کے شاہد ہیں کہ وہ اپنا نکاح خود کرسکتی ہیں۔اور ولی کے بغیر اس کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

قرآن سے دلائل

پہلی آیت:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ (البقرہ:۲۳۴)

''اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور وہ اپنے پیچھے چھوڑ جائیں بیویاں تو ان بیواؤں کو چاہیے کہ انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن پھر جب وہ پورا کرلیں اپنی عدت کی مدت کو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ان کے ان کاموں کی بنا پر جو وہ خود کریں اپنی جانوں کے حق میں دستور کے مطابق اور اللہ پوری طرح باخبر ہے تمہارے ان سب کاموں سے جو تم

اوٹ کرتے ہو'

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کا صاف اور واضح حکم ہم کو ملتا ہے کہ وہ عورت اگر بعد از عدت معروف واحسن طریقہ پر اپنا نکاح کسی مرد سے کر لیتی ہے تو وہ کر سکتی ہے اور کسی پر کوئی گناہ یا بار نہیں ہے۔

دوسری آیت:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا (البقرہ:۲۳۰)

''اگر خاوند (بیوی کو تیسری) طلاق دے دے تو اس کے لیے وہ عورت حلال نہ رہی جب تک دوسرے کسی شخص سے نکاح نہ کر لے۔''

اس آیت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مطلقہ عورت کو اپنی مرضی سے نکاح کرنے کا حق ہے۔

تیسری آیت:

قرآن مجید میں سرپرستوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (البقرہ:۲۳۲)

''اور اس کے بعد ان کو مت روکو اگر وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں۔''

اس آیت میں اولیاء کو تنبیہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے لفظ ''عضل'' استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں ''ظلم و تنگی'' یعنی اولیاء کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایک مطلقہ عورت جو کہ معروف طریقہ سے اپنی شادی کرنا چاہتی ہے اسے روکیں یا اس کے لیے کوئی تنگی پیدا کریں یا اس پر کسی قسم کا ظلم روا رکھیں۔ لہٰذا ایسی عورت کو اپنے کفو میں شادی سے روکنے کی سخت اور واضح ممانعت ہے۔

چوتھی آیت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ:۲۳۲)

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پورا کر لیں تو تم انہیں جب کہ وہ نیک طریقہ پر باہم رضامند ہو جائیں اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کر لینے سے مت روکو۔''

اس آیت مبارکہ میں ﴿ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ ﴾ کہ ''وہ اپنے خاوندوں سے (اپنی مرضی سے) نکاح کر لیں۔''

یہ جملہ غور طلب ہے کہ اس جملہ میں ایک فعل یعنی نکاح کا ذکر ہو رہا ہے جس کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے۔ لہذا فعل کی نسبت ہمیشہ فاعل کی طرف ہوتی ہے اور اس جملہ کی رو سے فاعل عورتیں ہیں لہذا معلوم ہوا کہ یہ فعل نکاح عورت کر سکتی ہے شارع نے خود اس فعل کی نسبت بطور فاعل عورت یا عورتوں کی طرف کی ہے۔ باقی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کو عورت کو اس فعل سے روکنے کا کوئی اختیار نہیں بشرطیکہ یہ فعل عورت معروف یعنی صحیح اور احسن طریقہ سے کر رہی ہو۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

اس میں شبہ نہیں کہ قرآن مجید میں بعض مقامات پر عورتوں کا نکاح کرنے کی نسبت ان کے سرپرستوں کی طرف بھی کی گئی ہے۔ (مثلاً سورۃ نور کی آیت نمبر ۳۲ و سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۲۱) اور ایک جگہ مردوں کو یہ بھی خطاب ہے کہ عورتوں کے ساتھ ان کے گھر والوں کی اجازت سے نکاح کر (سورۃ نساء آیت نمبر ۲۵) لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ان آیات کے خلاف نہیں۔ کیوں کہ ان کے نزدیک جیسے عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ اس طرح اس کا سرپرست بھی اس کی رضامندی سے اس کا نکاح کر سکتا ہے۔ بلکہ سرپرست کا نکاح میں موجود ہونا امام صاحب کے نزدیک مستحب ہے۔ اسی طرح مردوں کے لیے پسندیدہ اور

باوقار طریقہ یہی ہے کہ وہ عورتوں کو نکاح کا پیغام خاندان کے واسطے سے ہی بھیجیں۔ تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر عورت خاندان اور سرپرست کے واسطے کے بغیر اپنا نکاح خود کر لے تو اس کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

احادیث سے دلائل

پہلی حدیث:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ شامر فِي نَفْسِهَا وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا.

(موطا امام مالک، کتاب النکاح، ص ۴۱۶، مترجم مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیر شادی شدہ (ایـــم) عورت کا اپنے اوپر ولی کی نسبت زیادہ حق ہے اور کنواری سے اس کے نکاح کے بارے میں اس کی اجازت لی جائے اور اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔

اس حدیث میں لفظ ایـــم نہایت اہمیت کا حامل ہے جس کے معنی ہیں بغیر ''شوہر والی عورت یا لڑکی'' اب چاہے اس کی شادی سرے سے ہوئی ہی نہ ہو یا وہ بیوہ یا مطلقہ ہوئی ہو۔

دوسری حدیث:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا كَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ أَنْ تَسْكُتَ. (بخاری شریف، کتاب النکاح، ج ۲ ص ۷۷۴)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایـــم (غیر شوہر والی) عورت کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے صاف صاف زبان سے اجازت نہ لے لی جائے۔ اسی طرح باکرہ کا بھی نکاح نہ کیا جائے جب تک وہ اذن نہ دے۔ لوگوں نے کہا وہ اذن کس طرح دے گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا اذن یہ ہی ہے کہ

وہ سن کر چپ ہو جائے۔''

تیسری حدیث:

عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ يَسْتَأْذِنُهَا أَبُوْهَا فِيْ نَفْسِهَا وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا وَرُبَّمَا قَالَ وَصَمْتُهَا إِقْرَارُهَا. (مسلم، کتاب النکاح، ج ا ص ۴۵۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثیب (بیوہ یا مطلقہ) عورت اپنی ذات کی زیادہ حق دار ہے اپنے ولی سے اور کنواری سے اس کا باپ اس کی ذات کے لیے اجازت لے اور اجازت اس کا چپ رہنا ہے اور بعض وقت راوی نے کہا کہ اس کا چپ رہنا گویا اقرار ہے۔

چوتھی حدیث:

عن ابن عباس ان جارية بكرا اتت رسول الله فذكرت ان اباها زوجها وهي كارهة مخيرها النبي صلى الله عليه وسلم.

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کرا دیا اور وہ اسے ناپسند ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دے دیا۔''

(الفتح الربانی ج ا ص ١٦ ا ص ١٦٢، مصنف عبدالرزاق ج ٦ ص ١٤٦، ١٤٧)

مصنف عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے والد سے کہا تمہارا کیا ہوا نکاح کالعدم ہے اور لڑکی سے کہا جاؤ اور جس سے چاہتی ہو نکاح کرلو۔

پانچویں حدیث:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَاءَتْ فَتَاةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ أَبِي زَوَّجَنِي ابْنَ أَخِيهِ لِيَرْفَعَ بِي خَسِيسَتَهُ قَالَ فَجَعَلَ الْأَمْرَ

اِلَيْهَا فَقَالَتْ قَدْ أَجَزْتُ مَا صَنَعَ أَبِي وَلَكِنْ أَرَدْتُ أَنْ تَعْلَمَ النِّسَاءُ أَنْ لَيْسَ إِلَى الْآبَاءِ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ.

(سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، حدیث نمبر ۱۹۴، مترجم مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

حضرت بریدہ سے مروی ہے انہوں نے کہا ایک نوجوان عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور عرض کی کہ میرے والد نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کر دیا ہے تاکہ میری وجہ سے اس کی رذالت دور کر دیں۔ آپ ﷺ نے اسے اختیار دے دیا۔ اس پر اس نے کہا میرے والد نے جو کچھ کر دیا ہے وہ مجھے منظور ہے لیکن میری غرض آپ سے پوچھنے کی یہ ہے کہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ نکاح کے بارے میں باپوں کو کوئی اختیار نہیں۔

چھٹی حدیث:

عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الْأَنْصَارِيَّةِ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ فَأَتَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَرَدَّ نِكَاحَهُ.

(بخاری ج ا ص ۷۷۷، ۷۷۸)

حضرت خنساء انصاریہ کہتی ہیں میرا نکاح میرے والد نے ایسی جگہ کیا جہاں میں پسند نہ کرتی تھی اور میں ثیبہ تھی میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ ﷺ نے نکاح فسخ کرادیا۔

ساتویں حدیث:

عن علی انه اجاز نکاح امراة بغیر ولی انکحتها امها برضاها.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴/۴ ص ۱۳۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک ایسی عورت سے نکاح کو جائز قرار دیا جس کا نکاح بغیر ولی کے اس کی ماں نے اس کی مرضی سے کیا تھا۔

آٹھویں حدیث:

عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا مَرْحُومٌ قَالَ سَمِعْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِيَّ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ أَنَسٍ وَعِنْدَهُ ابْنَةٌ لَهُ قَالَ أَنَسٌ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْرِضُ عَلَيْهِ نَفْسَهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَكَ بِي حَاجَةٌ فَقَالَتْ بِنْتُ أَنَسٍ مَا أَقَلَّ حَيَاءَهَا وَا سَوْأَتَاهْ وَا سَوْأَتَاهْ قَالَ هِيَ خَيْرٌ مِنْكِ رَغِبَتْ فِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَرَضَتْ عَلَيْهِ نَفْسَهَا.

(بخاری مع تیسیر الباری ج ۵ ص ۹۷ حدیث نمبر ۷۰ انعمانی کتب خانہ)

علی بن عبداللہ مرحوم سے ثابت بنانی کہتے ہیں میں انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھا ان کے پاس ان کی ایک بیٹی بھی بیٹھی تھی۔ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک عورت آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اس نے اپنا نفس آپ ﷺ کو پیش کیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ کو میری خواہش ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیٹی کہنے لگی کیا بے شرم عورت تھی افسوس افسوس۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا وہ عورت تجھ سے بہتر تھی اس نے تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنا نفس آپ کو پیش کیا۔

یہ حدیث مبارکہ بخاری شریف کی کتاب النکاح میں وارد ہوئی ہے حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ مجھ کو معلوم نہیں ہوا کہ یہ کون سی عورت تھی بہرحال ان عورتوں میں سے تھی جنہوں نے اپنے تئیں آنحضرت ﷺ کو بخش دیا۔

قسطلانی نے کہا کہ اس حدیث سے یہ نکلا کہ نیک بخت اور دین دار مرد کے سامنے اگر عورت اپنے تئیں پیش کرے تو اس میں کوئی عار کی بات نہیں البتہ دنیاوی غرض سے ایسا کرنا برا ہے۔

مندرجہ بالا دو جلیل القدر علماء کی آراء سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں اولاً یہ کہ ایسے واقعات ایک سے زیادہ مرتبہ رونما ہوئے کہ کسی عورت نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس میں بغرض نکاح پیش کیا ہو اور ثانیاً یہ کہ اگر عورتوں کو اپنا نکاح خود کرنے یا نکاح

کے لیے اپنی رائے کے اظہار کی اجازت نہ ہوتی جیسا کہ جونا گڑھی کی رائے ہے تو کسی عورت کی مجال ہوسکتی تھی کہ دربارِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اپنی اس رائے کا اظہار کرے اور اگر کوئی ان کی جسارت کر بھی لے تو حضور ﷺ اس کو اپنے قول یا فعل سے نہ روکیں لہٰذا یہ حدیث سنت تقریری کے ضمن میں اس مسئلہ کے حوالہ سے آتی ہے کہ ایک فعل حضور ﷺ کے سامنے ہوا اور حضور ﷺ نے اس فعل کے کرنے والے کو نہ روکا نہ منع فرمایا اور نہ ہی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

نویں حدیث:

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ لَمَّا بَعَثَ النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُهَا قَالَتْ لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَوْلِيَائِي شَاهِدٌ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَوْلِيَائِكِ شَاهِدٌ وَلَا غَائِبٌ يَكْرَهُ ذٰلِكَ فَقَالَتْ لِابْنِهَا يَا عُمَرُ قُمْ فَزَوِّجْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَوَّجَهُ.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جب نبی کریم ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے کہا میرا کوئی ولی موجود نہیں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارا کوئی موجود و غیر موجود ولی ایسا نہیں جو یہ نکاح ناپسند کرے گا۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے سے کہا عمر اٹھو اور میرا اللہ کے رسول سے نکاح کرادو اور عمر نے اپنی ماں کا نکاح کرا دیا۔ (سنن نسائی کتاب النکاح ج ۲ مترجم (خلاصہ حدیث)

دسویں حدیث:

عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهُ سُئِلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ وَأَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ الْمَرْأَةِ الْحَامِلِ يُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ آخِرُ الْأَجَلَيْنِ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ إِذَا وَلَدَتْ فَقَدْ حَلَّتْ فَدَخَلَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَلٰى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهَا عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ

وَلَدَتْ سُبَيْعَةُ الْأَسْلَمِيَّةُ بَعْدَ وَفَاتِ زَوْجِهَا بِنِصْفِ شَهْرٍ فَخَطَبَهَا رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا شَابٌّ وَالْآخَرُ كَهْلٌ فَحَطَّتْ إِلَى الشَّابِّ فَقَالَ الْكَهْلُ لَمْ تَحِلِّيْ بَعْدُ وَكَانَ أَهْلُهَا غُيَّبًا وَرَجَا إِذَا جَاءَ أَهْلُهَا أَنْ يُؤْثِرُوهُ بِهَا فَجَاءَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ لَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ قَدْ حَلَلْتِ فَانْكِحِي مَنْ شِئْتِ.

ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عباس اور ابو ہریرہ سے سوال ہوا کہ حاملہ عورت کا خاوند اگر مر جائے تو وہ کس حساب سے عدت کرے۔ ابن عباس نے کہا کہ دونوں عدتوں میں سے جو عدت دور ہو اس کو اختیار کرے۔ اور ابو ہریرہ نے کہا وضع حمل تک انتظار کرے پھر ابو سلمہ حضرت ام سلمہ کے پاس گئے اور ان سے جا کر پوچھا انہوں نے کہا سبیعہ اسلمیہ اپنے خاوند کے مرنے کے بعد پندرہ دن میں جنی پھر دو شخصوں نے اس کو پیام بھیجا ایک جوان تھا اور دوسرا اڈھیر وہ جوان کی طرف مائل ہوئی اڈھیر نے کہا تیری عدت ہی ابھی نہیں گزری اس خیال سے کہ اس کے عزیز وہاں نہ تھے جب وہ آئیں گے تو شاید اس عورت کو میری طرف مائل کر دیں۔ پھر سبیعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور یہ حال بیان کیا آپ نے فرمایا تیری عدت گزر گئی تو جس سے چاہے نکاح کر لے۔

حاصل:

یہ وہ دلائل ہیں جن کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے اور اس کو اختیار حاصل ہے اور کسی کو اس پر جبر کا حق حاصل نہیں۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ عورت کے اس حق کو دو شرطوں سے مشروط کرتے ہیں۔

اولاً: یہ کہ عورت جو نکاح کرے وہ کفو میں کرے۔

ثانیاً: یہ کہ وہ کم از کم نکاح میں مہر مثل مقرر کرے۔

عورت کا ایسا کیا ہوا نکاح جائز اور نافذ سمجھا جائے گا اور عورت کسی گناہ کی مرتکب نہ ہو گی اور نہ ہی یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے حد سے تجاوز کیا ہے۔

ناظرین کرام ہم نے یہاں پر صرف چار آیات قرآنی اور دس احادیث نقل کی ہیں ویسے اس مسئلہ میں دلائل کافی ہیں ایک انصاف پسند آدمی کو اتنی بات کافی ہے۔

رہی وہ روایت جو جوناگڑھی نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

نمبر ۱:

یہ روایت نہ بخاری میں ہے اور نہ مسلم میں اور ہم نے اوپر جو دس احادیث پیش کی ہیں ان میں بخاری مسلم کی روایات بھی موجود ہیں۔

نمبر ۲:

ویسے یہ روایت ہمارے خلاف بھی نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق نابالغہ اور غیر عاقلہ سے ہے یعنی کمسن لڑکی اور دیوانی لڑکی کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا۔

نمبر ۳:

نواب نورالحسن خاں بن نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔

وَحَدِیثُ لَا نِکَاحِ اِلَّا بِوَلِیٍّ مرسل است.

اور لا نکاح الا بولی والی حدیث مرسل ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۰۶)

اور موجود غیر مقلدین کی اکثریت مرسل حدیث کو نہیں مانتی۔

اعتراض نمبر ۵۸:

قوم مومن کی دل آزاری

(یعنی نکاح میں کفو کا مسئلہ)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُوْنَ تَتکَا فَأُدِمَاؤُهُمْ

وَاَمْوَالُهُمْ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی مشکوٰۃ ص ۳۰۱ جلد دوم، کتاب القصاص)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سب مسلمان جان و مال کے اعتبار سے برابر ہم کفو ہیں اور حدیث میں ہے کہ کسی عرب کو کسی غیر عرب پر کوئی فضیلت نہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ قرآن کریم نے سب مسلمانوں کو ادنیٰ اور اعلیٰ کو ایک ہی کر دیا ہے اور فرمادیا ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے یہی وہ مساوات ہے جسے صرف اسلام ہی نے قائم کی اور جس پر مسلمانوں کو فخر ہے اور بجا فخر ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن آہ حنفی مذہب نے اس کے جوڑ جوڑ الگ کر دیئے اس نے نکاح کے لیے کفو کی شرط لگادی۔ اور پھر مسلمانوں میں وہ تفرقہ اندازی کی کہ اگر آج سب مسلمان حنفی ہو جائیں تو وہ تیر میر ہو کہ پناہ بخدا۔ ہم اس وقت اس کفو کے اور مسائل کو چھوڑ کر صرف ایک بڑے مسئلے کو ہی لیتے ہیں جس سے ہزارہا مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی ہے اور جس نے مسلمانوں کی ایک قابل قدر جماعت کو محض اس وجہ سے مسلمانوں کی اعلیٰ برادری سے خارج کر دیا ہے کہ ان کا پیشہ کپڑا بننے کا ہے وہ صاف لکھتا ہے کَالْحَجَّامِ وَالْحَائِكِ وَالدَّبَّاغِ یعنی جیسے پچھنا لگانے والے اور جلاہے اور کھال رنگنے والے۔

(ہدایہ ص ۳۰۱ ج ۲ فصل فی الکفارۃ)

نکاح کے بارے میں تو کھلے لفظوں میں رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ صرف دینداری اور اخلاق دیکھ لو۔ دینداری اور اچھی عادتوں والا مانگا ڈالے تو کبھی انکار نہ کرو۔ یہاں حنفی مذہب کا یہ حکم ہے کہ جلاہا سید کا بلکہ اور اعلیٰ پیشہ کے لوگوں کا بھی ہمسر اور کفو نہیں بلکہ اسی ہدایہ کے ص ۳۰۰ میں ہے کہ اگر عورت اپنا نکاح غیر کفو میں کر لے تو اس کے والی اسے اس کے خاوند سے الگ کرا سکتے ہیں۔ اب آپ کو عموماً ہمارے مومن بھائیوں کو خصوصاً اختیار

ہے کہ حدیث پر عامل بن کر مسلمانوں کی اعلیٰ برادری میں رہیں؟ یا فقہ پر عمل کر کے مسلمانوں کی اعلیٰ برادری سے خارج ہو جائیں۔

(شمع محمدی ص ۸۳ ظفر المبین حصہ دوم ص ۱۳۴)

جواب:

اس مسئلہ کا تعلق نکاح میں کفو کے مسئلہ سے ہے جب کفو کا مسئلہ احادیث سے ثابت ہے تو پھر اعتراض فضول ہے۔ ہم پہلے کفو کا مسئلہ سمجھاتے ہیں پھر اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔

نکاح میں کفو کی اہمیت:

نکاح کا مقصد انسانی خواہش کی تکمیل کے ساتھ خداوندی ارادوں کا ظہور بھی ہے، یہ مطلوب اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب دونوں کی طبیعتوں میں توافق اور مزاجوں میں مناسبت ہو ورنہ دونوں کی زندگی (خاص طور پر عورت کی زندگی، کیوں کہ اس کے احساسات زیادہ نازک ہوتے ہیں، قوتِ برداشت و مقابلہ اس میں کم ہوتی ہے اور علیحدگی کا اسے اختیار نہیں ہوتا) نہایت تلخ بلکہ جہنم کا نمونہ بن جاتی ہے چنانچہ دینِ فطرت کے اندر جس طرح تمام فطری تقاضوں کی رعایت دی گئی ہے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا، اسی رعایت کا شرعی عنوان کفو کا اعتبار ہے۔

اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے کوئی بھی ہوش مند انکار نہیں کر سکتا کہ ماحول اور طرز معاشرت کے اختلاف سے مزاجوں اور عادتوں میں عموماً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، ایک خاص ماحول میں پلی ہوئی اور مخصوص طرز پر زندگی گزارنے والی لڑکی، جب اس سے قطعاً مختلف ماحول میں بیاہ دی جائے گی تو اس کے نازک احساسات اور قلب و جگر پر جو کچھ بھی گزر جائے کم ہے۔ اس کا اندازہ کرنا کسی بھی سمجھ دار کے لیے مشکل نہیں، مثلاً علمی خانوادہ،

شستہ مزاج اور مہذب خاندان کی لڑکی کا نکاح اگر ایسے شخص سے کرایا جائے جس کا خاندانی پیشہ (دباغت) یعنی کھالوں کو رنگنے والے، آنتوں کی چربی نکالنا اور اسے صاف کرنا یا اس طرح کا کوئی اور کام ہو، جس سے پورا مکان اور اس شخص کے کپڑے حتی کہ بدن بھی بدبودار اور متعفن رہتا ہو، تو سوچیے اس لڑکی کے دل و دماغ پر اس ماحول کا کیسا اثر ہوگا کیا اس کی زندگی خوش گوار رہ سکے گی؟ اس کی صحت برباد نہ ہوگی اور نکاح کے مقاصد کا حاصل ہونا بخوشی ممکن ہوگا؟ جس شریعت میں لہسن کھا کر جماعت کے لیے مسجد میں جانا بھی اس لیے پسندیدہ نہ ہو کہ اس کے جانے سے تھوڑی دیر دوسرے لوگوں کو تکلیف پہنچے گی تو کیا وہی شریعت مستقل طور پر کسی عورت کی اذیت برداشت کرسکتی ہے؟ بس دراصل یہی حکمت ہے، ''کفو'' کی رعایت اور اس کا لحاظ کرنے اور غیر کفو میں شادی کی حوصلہ افزائی نہ کرنے میں، بلکہ ایسی نامناسب جگہ شادی ہو جانے کے بعد چند مخصوص شرطوں کے ساتھ، فسخ نکاح تک کا اختیار دے دینے کی اسی مصلحت سے شریعت نے مسلم اور بت پرست کے درمیان بھی نکاح کو ممنوع قرار دیا کیوں کہ بت پرست اور موحد کے انداز فکر اور اس کے نتیجہ میں مزاجوں کے درمیان زمین و آسمان کا سا اختلاف ہوتا ہے یا ہونا چاہیے۔

حدیث نمبر ۱:

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ عورتوں کی شادیاں کرو مگر ان لوگوں کے ساتھ جو کفو ہوں اور ان کے اولیاء کے سوا دوسرا کوئی ان کا نکاح نہ کرے اور دس درہم سے کم مہر بھی نہ ہونی چاہیے۔

(دار قطنی ج ۳ کتاب النکاح باب المہر والسنن الکبریٰ بیہقی ج ۷ باب اعتبار الکفاۃ)

حدیث نمبر ۲:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے علی تین کام ہیں جن کو ٹالنا نہ چاہیے۔ ایک نماز، جب کہ اس کا وقت آ جائے،

دوسرے جنازہ، جب کہ تیار ہو جائے، تیسرے بن بیاہی عورت کا نکاح جب کہ اس کے لیے کفوئل جائے۔

(ترمذی ابواب الجنائز باب ماجاء تعجیل الجنازۃ وسنن الکبریٰ ج ۷ کتاب النکاح باب اللفاء)

حدیث نمبر ۳:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی نسل پیدا کرنے کے لیے اچھی عورتیں تلاش کرو اور اپنے نطفے ایسی جگہ ڈالو جوان کے کفو ہوں۔ اشج نے کہا، اپنی نسل پیدا کرنے کے لیے اچھی عورتیں تلاش کرو اور ان کے نکاح ایسے مردوں سے کرو جوان کے کفو ہوں۔

(دارقطنی ج ۳ کتاب النکاح باب مہر والمستدرک للحاکم ج ۲ کتاب النکاح وابن ماجہ باب الاکفاء ص ۱۴۱ حدیث ۱۹۶۸)

حدیث نمبر ۴:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

میں ضرور حسب والی عورتوں کو نکاح سے روکوں گا الا یہ کہ وہ اپنے ہمسروں سے نکاح کرلیں۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۶ کتاب النکاح باب الکفاء و کنز العمال ج ۱۶ الاکف ۴۵۷۸۵)

حدیث نمبر ۵:

عَنْ عمر بن الخطاب رضی الله عنه انه قال لَاَمْنَعَنَّ فُرُوْجَ ذَوَاتِ الْاَحْسَابِ اِلَّا مِنَ الْاَكْفَاءِ (کتاب الآثار مترجم ص ۳۲۵ مکتبہ الحبیب کراچی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں خاندانی عورتوں کی شرم گاہوں کو محفوظ رکھوں گا سوائے ان سے جوان کی ہم پلہ ہوں۔

حدیث نمبر ۶:

میں عالی نسب خواتین کو کفو کے سوا کسی اور سے نکاح کرنے سے روک دوں گا میں نے پوچھا کفو سے کیا مراد ہے؟ فرمایا حسب (نسب) میں برابری۔
(دار قطنی ج ۳ کتاب النکاح والمغنی ابن قدامہ ج ۲ ص ۴۸۳)

حدیث نمبر ۷:

ابراہیم بن ابی بکر کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نکاح کے معاملہ میں کفو ہونے پر سختی سے عمل کراتے تھے۔ رواہ عبدالرزاق (کنز العمال جلد ۱۶، حدیث نمبر ۴۵۷۸۶)

عقلی دلیل:

محترم ناظرین نفس مسئلہ کفاءت عقل اور نقل دونوں سے ثابت ہے۔ تفصیلات سے قطع نظر، بجائے خود نکاح میں اس کے معتبر ہونے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے اس مسئلے کا ماخذ متعدد احادیث ہیں (جو اوپر درج ہو چکی ہیں) یہ تو ہے اس مسئلے کی نقلی دلیل۔ رہی عقلی دلیل تو عقل کا صریح تقاضا یہ ہے کہ کسی لڑکی کو کسی شخص کے نکاح میں دیتے وقت یہ دیکھا جائے کہ وہ شخص اس کے جوڑ کا ہے یا نہیں، اگر جوڑ کا نہ ہو تو یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ ان دونوں کا نباہ ہو سکے گا۔ نکاح سے مقصود تو عقلاً بھی اور نقلاً بھی یہی ہے کہ زوجین کے درمیان مودت و رحمت ہو اور وہ ایک دوسرے کے پاس سکون حاصل کر سکیں۔ آپ خود سوچ لیں کہ بے جوڑ نکاحوں سے اس مقصود کے حاصل ہونے کی کہاں تک توقع کی جا سکتی ہے۔ اور کون سا معقول انسان ایسا ہے جو اپنے لڑکے یا لڑکی کا بیاہ کرنے میں جوڑ کا لحاظ نہ کرتا ہو؟ کیا آپ اسلامی مساوات کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ ہر مرد کا ہر عورت سے اور ہر عورت کا ہر مرد سے صرف اس

بنا پر نکاح کر دیا جائے کہ دونوں مسلمان ہیں، بلا اس لحاظ کے کہ ان میں کوئی مناسبت پائی جاتی ہے یا نہیں؟

فقہاء نے اس جوڑ کا مفہوم مشخص کرنے کی کوشش کی ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے طریقے پر یہ بتایا ہے کہ لڑکی اور لڑکے کے درمیان کن کن امور میں مماثلت ہونی چاہیے۔ ہم ان تفصیلات میں بعض فقہاء سے اختلاف اور بعض سے اتفاق تو کر سکتے ہیں، مگر فی الجملہ عقل عام یہ تقاضا کرتی ہے کہ زندگی بھر کی شرکت و رفاقت کے لیے جن دو ہستیوں کا ایک دوسرے سے جوڑ ملایا جائے ان کے درمیان اخلاق، دین، خاندان، معاشرتی طور طریق، معاشرتی عزت وحیثیت، مالی حالات، ساری ہی چیزوں کی مماثلت دیکھی جانی چاہیے۔ ان امور میں اگر پوری یکسانی نہ ہو تو کم از کم اتنا تفاوت بھی نہ ہو کہ زوجین اس کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور رفاقت نہ کر سکیں۔ یہ انسانی معاشرت کا ایک عملی مسئلہ ہے جس میں حکمتِ عملی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

ہر شخص کو اپنے لڑکے لڑکیوں کی شادیاں ان لوگوں میں کرنی چاہیے، جو مالی حیثیت سے اسی جیسے ہوں اور جو اس کے لیے تیار ہوں کہ اپنی چادر سے نہ وہ خود زیادہ پاؤں پھیلائیں اور نہ دوسروں کو زیادہ پاؤں پھیلانے پر مجبور کریں اپنے سے بہتر مالی حالات رکھنے والوں میں شادی بیاہ کرنے کی کوشش کرنا اپنے آپ کو خواہ مخواہ مشکلات میں مبتلا کرنا ہے۔

احادیث و آثار میں جو کفوء کا حکم موجود ہے اس کا مطلب ہے برابری یہ کفاءت و مساوات کن کن چیزوں میں ہونی چاہیے؟ مختلف احادیث کی وجہ سے علماء میں اختلاف ہے بعض نو چیزوں میں بعض چھ چیزوں میں اور بعض پانچ میں بعض دو میں بعض ایک میں کفو کے قائل ہیں۔

ائمہ اربعہ میں سے (تین امام) امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نکاح

میں کفاءت (برابری) مندرجہ ذیل پانچ چیزوں میں ضروری سمجھتے ہیں۔

(۱) اسلام (۲) دیانت وتقویٰ (۳) نسب (۴) مال (۵) پیشہ (۶) مرض اور عیوب سے خالی ہونا۔ (بعض فقہاء نے مرض کی جگہ آزادگی کا ذکر کیا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ صرف دو چیزوں میں برابری کا لحاظ کرتے ہیں۔ (۱) دین یعنی ان کا دین وایمان درست ہو۔ (۲) صلاح وتقویٰ یعنی بداخلاق وبدکردار نہ ہوں۔

ائمہ ثلاثہ ان دونوں چیزوں کو تسلیم کرتے ہوئے تین چیزوں کا اور بھی لحاظ کرتے ہیں۔ ائمہ کرام نے جن چیزوں میں برابری کا کہا ہے۔ یہ تمام کی تمام ادلہ اربعہ سے ثابت ہیں۔ اپنی طرف سے بنائی ہوئی نہیں ہیں۔

بعض دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبرا:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت سے نکاح چار وجوہات کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ (۱) اس کا مال (۲) اس کا حسب ونسب (۳) اس کا حسن (۴) اور اس کے دین کی بنا پر تو دین دار تلاش کیا کر تیرے ہاتھ غبار آلود ہوں۔

(ابن ماجہ کتاب النکاح)

اس حدیث میں چار چیزوں کا ذکر ہے۔ ان میں اصل دین ہے اگر دین کے علاوہ دوسری تین ہوں تو بے کار ہے۔ دین پہلے ہے اگر دین کے ساتھ یہ دوسری اضافی چیزیں بھی ہوں تو نورٌ علیٰ نور ہے۔

اس حدیث سے بھی فقہاء کی ایک شرط ثابت ہوتی ہے دین والی۔

حدیث نمبر۲:

جابر بن عبداللہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت سے نکاح کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جابر کیا تم نے شادی کر لی

ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کنواری سے یا بیوہ سے، میں نے عرض کیا بیوہ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کنواری سے کیوں نہ کی تاکہ تم اس سے کھیل سکتے میں نے عرض کیا میری بہنیں تھی مجھے یہ خطرہ ہوا کہ وہ کہیں میرے اور میری بہنوں کے معاملہ میں مداخلت نہ کرے تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر تو اچھی بات ہے۔

(ابن ماجہ کتاب النکاح باب تزویج الابکار)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے کنواری کو بیوہ پر ترجیح دی ہے۔ جب کہ جائز دونوں ہی تھیں۔ اس سے بھی فقہاء کی ایک شرط ثابت ہوئی ہے عیوب والی۔

حدیث نمبر۳:

انس ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے پاک اور پاکیزہ ہو کر ملاقات کی تمنا رکھتا ہو تو وہ آزاد عورتوں سے شادی کیا کرے۔

(ابن ماجہ ابواب النکاح باب تزویج الحرآئس والوجود)

جب کہ دوسری عورتوں سے بھی شادی کرنا جائز ہے مگر آپ نے آزاد کو پسند کیا۔ اس حدیث سے آزادگی والی شرط ثابت ہوئی۔ اور غلام اور آزاد کا فرق بھی جب کہ مسلمان تو دونوں ہی ہیں۔

حدیث نمبر۴:

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا ایک سامان ہے اور دنیا کے سامان میں نیک عورت سے زیادہ کوئی چیز اچھی نہیں۔

(ابن ماجہ ابواب النکاح باب افضل النساء)

اس حدیث میں عورت کا صالحہ یعنی نیک ہونے کا ذکر موجود ہے۔ اس سے بھی فقہاء کی شرط تقویٰ ثابت ہوئی اور متقی اور غیر متقی نیک اور بد کا فرق ثابت ہوا جب کہ مسلمان دونوں ہی ہیں۔

حدیث نمبر۵:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں پس نکاح کیا کرو۔ کیوں کہ تمہاری کثرت کی بنا پر دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔ جو طاقت رکھتا ہو (یعنی مالی طاقت، نکاح کے بعد کے اخراجات وغیرہ اگر کر سکتا ہو) وہ نکاح کرے اور جس میں طاقت نہ ہو (یعنی جس کے پاس مال نہ ہو) تو وہ روزے رکھا کرے کیوں کہ روزہ شہوت کو توڑتا ہے۔

(ابن ماجہ ابواب النکاح باب ماجاء فی فضل النکاح)

اس حدیث میں مال کا ذکر موجود ہے۔ جس سے مال والی شرط ثابت ہوتی ہے۔

حدیث نمبر۶:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں کوئی نکاح کا پیغام دے جس کے دین اور اخلاق سے تم خوش ہو تو اس سے نکاح کر لو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ برپا ہوگا اور بہت لمبا چوڑا فساد ہوگا۔

(ترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی من ترضون دینہ فزوجوہ)

اس حدیث میں دین اور اچھے اخلاق کا ذکر ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

اس حدیث سے امام مالک رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ ''کفاءت'' صرف دین میں معتبر ہے حرفت ونسب میں نہیں جب کہ جمہور کے نزدیک حرفت اور نسب میں بھی معتبر ہے ان کے نزدیک اسی حدیث میں ''وخلقہ'' کے الفاظ حرفت اور نسب کی کفاءت پر دال ہیں۔ اس لیے کہ نسب اور حرفت کا انسان کے اخلاق پر بہت اثر پڑتا ہے۔

پھر کفاءت اسلام کے اصول مساوات کے منافی نہیں، کیوں کہ اس کا مقصد کسی کو کسی پر فضیلت دینا نہیں ہے۔ فضیلت کا معیار تو محض تقویٰ ہے بلکہ کفاءت کا مقصد رشتہ نکاح

میں پائیداری اور خوش گواری پیدا کرنا ہے جو عادۃً اس کے بغیر نہیں ہوتی۔

(درس ترمذی جلد نمبر۳ ص ۳۴۹)

حدیث نمبر ۷:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین عورتیں اونٹوں پر سوار ہونے والی قریش کی عورتیں ہیں جو اپنی اولاد پر ان کے بچپن میں شفیق اور خاوند کا جو مال ان کی تحویل میں ہو اس کی محافظ ہوتی ہیں۔ (مشکوٰۃ کتاب النکاح پہلی فصل)

اس حدیث سے قریش کی عورتوں کی فضیلت ثابت ہوئی اور نسب کا مسئلہ بھی ثابت ہوا۔ اور قریشی اور غیر قریشی کا فرق بھی ثابت ہوا۔

حدیث نمبر ۸:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ مجھے ایک حسب و منصب والی عورت ملی ہے مگر صرف یہ کہ وہ اولاد پیدا نہیں کر سکتی آپ ﷺ نے اسے نکاح کرنے سے منع فرما دیا اس نے پھر دوبارعرض کیا آپ ﷺ نے پھر منع فرما دیا ان صاحب نے تیسری بار پھر سوال دہرایا تو آپ ﷺ نے منع فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو زیادہ بچے پیدا کرنے والیاں اور محبت کرنے والیاں ہوں اور بے شک قیامت کے روز میں دوسرے نبیوں کے امتیوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت تعداد پر فخر کروں گا۔

(سنن نسائی کتاب النکاح باب کراھیة تزویج العقیم)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر ایک آدمی اس قابل ہے کہ اس سے اولاد پیدا ہو سکتی ہے تو محض نسب اور منصب کی خاطر ایسی عورت سے نکاح کرے جس سے اولاد نہیں ہو سکتی۔ آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔

یعنی میاں بیوی میں اس مسئلہ میں برابری نہیں ہے۔ حالانکہ اس سے نکاح تو شرعاً جائز

تھا۔مگر وہ اس کے ہم پلہ اور جوڑ کی نہیں تھی۔اسی کو کفو کہتے ہیں۔ بلکہ بچے پیدا کرنے والی اور دوسری کا فرق ثابت ہوا جب کہ مسلمان دونوں ہی ہیں۔

حدیث نمبر۹:

حضرت ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ! ثابت بن قیس کا معاملہ یہ ہے کہ مجھے اس کے اخلاق یا دین کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ میں اسلام کے بعد کفر اختیار نہیں کرنا چاہتی آپ ﷺ نے فرمایا اس نے تمہیں ایک باغ دیا تھا۔ وہ واپس کر سکتی ہو عرض کی جی ہاں۔ آپ ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا اپنا باغ واپس لو اور اس کو طلاق دے دو۔

(بخاری کتاب الطلاق باب الخلع و کیف الطلاق فیه)

اس حدیث میں تو دین اور اخلاق ہونے کے باوجود عورت علیحدگی کا مطالبہ کر رہی ہے اور کتنی پریشان ہے اور آپ ﷺ نے اس کی بات تسلیم بھی کر لی۔ وجہ یہ ہے کہ ثابت بن قیس اس کی برابری کے نہیں تھے۔ اور وہ ان کی برابری کی نہیں تھیں۔

حدیث نمبر۱۰:

حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ جابیہ کے مقام پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت حاضر ہوئی اور اس نے اپنے غلام سے نکاح کر رکھا تھا آپ نے اسے ڈانٹا اور اسے رجم کی سزا دینا چاہی۔ (مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے باز رہے) جب کہ تعزیراً فرمایا، اب تم کسی آزاد مسلم سے نکاح کے لائق نہیں۔

(مصنف عبدالرزاق کتاب الطلاق باب العبد ینکح سیدته)

حدیث نمبر۱۱:

ابن جریج نے حضرت عطاء بن ابی رباح کا فتویٰ نقل کیا ہے۔ کہ ایک غلام اپنی مالکہ سے نکاح نہیں کر سکتا۔ **(مصنف عبدالرزاق کتاب الطلاق باب العبد ینکح سیدته)**

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عطاء بن ابی رباح سے ثابت ہوا کہ غلام آقا کا جوڑ اور ہم پلہ نہیں ہے صرف اس وجہ سے آپ نے منع فرمایا۔

حدیث نمبر۱۲:

حضرت سعید بن میتب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ روایت کیا ہے کہ ایک آدمی کو نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ عورت جنون، برص یا قرن (قرن عورت کا اگلا اور پچھلا حصہ درمیان سے ایک ہو جانا) کا عارضہ ہے تو اب اگر اس نے دخول کیا ہے تو عورت مہر کی حق دار ہے جو اس کے اولیاء کے ذمہ مرض نہ بتانے کی سزا کے طور پر بطورِ تاوان ہوگا جب کہ مرد کو اختیار ہے اسے رکھے یا فارغ کردے۔

(سنن الکبریٰ بیھقی کتاب الطلاق جماع ابواب العیب فی المنکوحة باب ما یرد به النکاح من العیوب)

اس حدیث سے مریض والی شرط ثابت ہوتی ہے۔

نسب کا بھی کفو میں اعتبار ہے

حدیث نمبر۱:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ عرب بعض عرب کے کفو ہیں ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کا اور آدمی دوسرے آدمی کا اور عجمی بعض عجمی کے کفو ہیں ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کا اور آدمی دوسرے آدمی کا سوائے جولا ہے اور نائی کے۔

بیہقی نے اس کو کئی سندوں سے نقل کیا ہے۔

(سنن الکبری للبیھقی باب اعتبار الصنعة فی الکفاءة ج۷ ص۲۱۷ حدیث نمبر۱۳۷۶۹، مستدرك حاکم تمھید ابن عبدالبر، علل دار قطنی، المبسوط سرخی ج۲۵/۵، المغنی ابن قدامه جلد۲۹/۷)

اس حدیث میں ہے کہ عرب بعض بعض کا کفو ہے۔ البتہ حجام اور جولا ہے نہیں ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ حسب اور نسب کا اعتبار ہے۔

حدیث نمبر۲:

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم آگے بڑھیں تمہارے اماموں سے یا ہم نکاح کریں تمہاری عورتوں سے۔

(سنن الکبری بیھقی باب اعتبار النسب فی الکفاءۃ ج۷ ص۲۱۷ حدیث ۱۳۷٦۷)

اس حدیث میں عربی نسب نہ ہونے کی وجہ سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے تمہاری عورتوں سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث نمبر۳:

ابو اسحاق ہمدانی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں سلیمان و جریر ایک سفر میں ساتھ تھے نماز کا وقت آ گیا تو جریر نے سلیمان سے کہا کہ آپ امامت فرمائیں۔ سلیمان نے کہا نہیں آپ فرمائیں۔ اس لیے کہ آپ عرب ہیں۔ نہ ہم نماز میں آپ سے آگے بڑھ سکتے ہیں یعنی امامت کر سکتے ہیں اور نہ آپ کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے ذریعہ آپ کو ہم پر فضیلت عطا فرمائی ہے کہ عربوں ہی میں ان کو پیدا فرمایا۔

(المغنی ابن قدامہ ج٦ ص٤٨)

حدیث نمبر۴:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریش باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ قبیلہ کا ایک بطن دوسرے بطن کا اور عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا۔

(مستدرك حاکم، مسند ابو یعلی، دار قطنی، ابن عدی، مسند بزار، فتح القدیر ج۲ ص٤٢٠، بدائع الصنائع ج۲/١٥، ١٦، المبسوط سرخسی ٥/٢٣)

حدیث نمبر۵:

غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین میں سے سب سے پہلے عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدان میں آیا اور پکار کر اپنا مبارز اور مقابل طلب کیا۔

لشکر اسلام میں سے تین شخص مقابلہ کے لیے نکلے ایک عوف دوسرے معوذ یہ دونوں حارث کے بیٹے تھے اور ان کی ماں کا نام عفرء تھا۔ تیرے عبداللہ بن رواحہ، عتبہ نے پوچھا تم کون ہو۔ ان لوگوں نے کہا (رہط بن الانصار) یعنی ہم گروہِ انصار سے ہیں۔ عتبہ نے کہا (مالنا بکم من حاجۃ) یعنی ہم کو تم سے طلب نہیں ہم تو اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں اور ایک شخص نے للکار کر یہ آواز دی۔

یا محمد اخرج الینا اکفاء نا من قومنا

اے محمد ہماری قوم میں سے ہمارے جوڑ کا ہم سے لڑنے کے لیے بھیجئے۔

(اس کے جواب میں)

رسول اللہ ﷺ نے انصار کو حکم دیا کہ صف قتال کی طرف واپس آ جائیں اور حضرت علی اور حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث کا نام بنام مقابلہ کے لیے نکلنے کا ارشاد فرمایا حسب الارشاد یہ تینوں مقابلہ کے لیے نکلے۔ چہروں پر چونکہ نقاب تھے اس لیے عتبہ نے دریافت کیا تم کون ہو۔

عبیدہ نے کہا میں عبیدہ ہوں حمزہ نے کہا میں حمزہ ہوں۔ علی نے کہا میں علی ہوں۔

عتبہ نے کہا **نعم اکفاءٌ کرامٌ**

ہاں تم ہمارے جوڑ اور برابر کے ہو اور محترم ہو۔

(زرقانی ج ۱ ص ۴۱۶ سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۷)

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا

قوموا یا بنی ہاشم بحقکم الذی بعث اللہ بہ نبیکم اذ جاؤا بباطلھم

لیطفؤا نور اللہ

اے بنی ہاشم اٹھو اس حق کے ساتھ جس کو اللہ نے تمہارے نبی کو دے کر بھیجا ہے یہ باطل کو لے کر اللہ کا نور بجھانے آئے ہیں۔

(طبقات ابن سعد ص ۱۰ ج ۲ بحوالہ سیرت مصطفیٰ ج ۲ ص ۴۳۴، ۴۳۵)

اس واقعہ سے استدلال اس طرح ہے کہ جب جنگ کے میدان میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے تو نکاح جیسے رشتہ میں بھی ہونا چاہیے۔

حدیث نمبر ۶:۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اللہ تعالیٰ نے بنو اسماعیل سے کنانہ کو، کنانہ سے قریش کو، قریش سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم سے مجھ کو منتخب کر لیا ہے۔

(المغنی ابن قدامہ ج۲ ص۴۸۲، بیھقی باب النسب فی کفاءۃ ج۷ ص۱۳٤، مسلم کتاب الفضائل باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتسلیم الحجر علیہ قبل النبوۃ)

اس حدیث سے قریش، بنو ہاشم اور سادات کی فضیلت دوسری قوموں پر ثابت ہوتی ہے جن آیات یا احادیث میں مساوات کا ذکر ہے یہ ان کی تخصیص کرتی ہے۔

رہی وہ روایت جو جونا گڑھی نے نقل کی ہے۔ اس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان کے قتل کا ایک حکم ہے کہ قتل عمد میں قصاص اور قتل خطا، یا شبہ عمد میں دیت خواہ امیر ہو یا غریب بوڑھا ہو یا جوان مرد ہو یا عورت، عالم ہو یا جاہل، چودھری نمبردار ہو یا معمولی حیثیت کا مسلمان امیر قاتل سے غریب مسلمان کا قصاص لیا جائے گا۔

اس حدیث کا کفو کے مسئلہ سے کسی طرح بھی تعلق نہیں ہے۔ حنفی اس حدیث کو بھی

مانتے ہیں اور مسئلہ کفو جن احادیث سے ثابت ہے ان کو بھی مانتے ہیں۔ مگر احناف کا نقطہ نظر اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر کسی نے غیر کفو میں نکاح کر لیا تو نکاح ہو جاتا ہے۔

اور اگر عورت اپنا نکاح غیر کفو میں کرلے تو اس کے والی اسے اس کے خاوند سے الگ کرا سکتے ہیں۔ جیسا کہ جونا گڑھی نے ہدایہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اعتراض نمبر ۵۹:

باجہ گاجہ اور راگ راگنی

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ. (رواہ البیهقی فی شعب الایمان مشکوۃ جلد دوم ص ۴۱۱ باب البیان والشعر) یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ گانا دل میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو۔

یہ حدیث صاف دلیل ہے اس بات پر کہ گانا، گانا سننا سب ممنوع ہے۔ ممنوع کام جس مجلس میں جن لوگوں میں ہوتا ہو وہاں بیٹھنا بھی ممنوع ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب کی اعلیٰ کتاب ہدایہ ص ۴۳۹ جلد ۴ کتاب الکراہیہ میں ہے مَنْ دُعِیَ اِلٰی وَلِیْمَةٍ اَوْ طَعَامٍ فَوَجَدَ ثَمَّهُ لَعْبًا اَوْ غِنَاءً فَلَا بَأْسَ بِاَنْ یَّقْعُدَ وَیَأْکُلَ قَالَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ اُبْتُلِیْتُ بِهٰذَا مَرَّةً فَصَبَرْتُ.

یعنی جو شخص ولیمے کی یا کھانے کی دعوت دیا گیا۔ پھر وہاں اس نے کھیل یا گانا پایا تو بھی اس کے وہاں بیٹھنے اور کھانے میں کوئی ڈر خوف نہیں۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں بھی اس میں مبتلا کیا گیا تو میں نے صبر کیا۔

حنفی بھائیو! حدیث کا مسئلہ اور آپ کی فقہ کا مسئلہ آپ کے سامنے ہے جو چاہو قبول کرو؟ اور جسے چاہو رد کردو۔ (شمع محمدی ص ۸۴)

جواب:

جونا گڑھی نے ہدایہ کی پوری عبارت نقل نہیں کی ہم ہدایہ کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں۔ جس سے اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔

ہدایہ کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

جس شخص کو ولیمہ یا کسی کھانے کی دعوت دی گئی ہو پھر وہ وہاں کھیل کود یا گانا پائے تو (مجبوراً) وہاں بیٹھنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ایسی مجلس میں پھنس گیا تو میں نے صبر کیا۔ ایسی مجلس میں صبر کر کے بیٹھنا اور کھانا کھانے کی علت یہ ہے کہ دعوت کو قبول کرنا سنت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دعوت کو قبول نہیں کیا تو اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔ چنانچہ اس دعوت کے ساتھ بدعت ملنے کی وجہ سے اسے نہ چھوڑے جیسا کہ اگر نماز جنازہ پر نوحہ کرنے والیاں جمع ہو جائیں پھر بھی پڑھنی واجب ہے۔ پھر اگر مدعو لوگوں کو اس فعل سے روکنے پر قادر ہو تو روک دے اور اگر قدرت نہ رکھتا ہو تو صبر کرے۔

صبر کرنے کی اجازت اس شخص کو ہے جو مقتدا اور رہنما نہ ہو۔ اگر کوئی مقتدا روکنے پر قادر نہ ہو تو ایسی مجلس سے نکل جائے اور وہاں نہ بیٹھے کیوں کہ مقتدا کے وہاں بیٹھنے میں دین کی حقارت اور مسلمانوں پر معصیت کا دروازہ کھولنا ہے۔

اور یہ قصہ جو امام صاحب کا منقول ہے آپ کے مقتدا بننے سے پہلے کا ہے اور اگر یہ گانا وغیرہ دسترخوان پر ہی شروع ہو جائے تو پھر وہاں بیٹھنا نہیں چاہیے چاہے مقتدا نہ ہو بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے **فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين.**

یہ تمام مذکورہ صورتیں تب ہیں جب یہ گانا وغیرہ مجلس میں حاضر ہونے کے بعد شروع

ہوا ہو اور اگر مدعو کو حاضر ہونے سے قبل ہی معلوم ہو جائے تو ایسی مجلس میں حاضر نہ ہو کیوں کہ اس کو حق دعوت لازم نہیں ہوا بخلاف اس صورت کے کہ جب حاضر ہونے کے بعد اچانک یہ کام شروع ہو جائے کیوں کہ اس کو حق دعوت لازم ہو چکا ہے۔ اور یہ مسئلہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ گانے بجانے کے تمام آلات حرام ہیں یہاں تک کہ بانسری کے ساتھ بھی اور اسی پر امام صاحب کا قول ابتـلـیـت دلالت کر رہا ہے کیوں کہ ابتلاء حرام ہی میں ہوتی ہے۔ (هدایه کتاب الکراهیة)

محترم ناظرین آپ نے ہدایہ کی پوری عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیا۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیں کہ صاحب ہدایہ تو گانے بجانے کے تمام آلات حتی کہ بانسری کو بھی حرام فرماتے ہیں اور امام صاحب بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جناب جوناگڑھی کو نامعلوم فقہ دشمنی اور احناف کے حسد اور بغض سے کیا ہو گیا کہ اتنی واضح عبارت بھی حضرت کو دکھائی نہ دی۔ یہ تو بالکل ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص لاتقربوا الصلاۃ پڑھتا چلا جائے۔ اور اس سے آگے ایک حرف بھی نہ پڑھے ساتھ ساتھ یہ دعویٰ بھی کرے کہ میں نماز نہ پڑھ کر قرآن پر عمل کر رہا ہوں۔ ہمارے علماء نے تو گانے کے حرام ہونے پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

(۱) اسلام اور موسیقی۔ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ

(۲) گانا بجانا قرآن وسنت کی روشنی میں۔ مولانا زاہد الحسینی اٹک

(۳) حق السماع۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

(۴) اسلام اور قوالی۔ مفتی مفیض الرحمن وغیرہ

ان کے علاوہ اور کتب بھی اس مسئلہ پر موجود ہیں۔

اعتراض نمبر ۶۰:

حیلوں سے رد حدیث

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْمُرُ بِاسْتِبْرَآءِ الْاِمَاءِ مَحِيْضَتَانِ كَانَتْ مِمَّنْ تَحِيْضُ وَثَلَاثَةِ اَشْهُرٍ اَنْ كَانَتْ مِمَّنْ لَّا تَحِيْضُ وَيَنْهٰى عَنْ سَقِيْ مَاءِ الْغَيْرِ.

(رواہ رزین مشکوۃ ص۲۹۰ جلد دوم باب الاستبراء)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کرتے تھے کہ لونڈی کو ایک حیض تک روکے رکھنا چاہیے۔ تاکہ اس کے پیٹ میں بچہ ہونے نہ ہونے کا علم ہو جائے۔ اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے تک اسے ہاتھ نہ لگائے۔ یہ حرام ہے کہ اپنا پانی دوسرے کی کھیتی کو پلائے یعنی دوسرے سے حمل ہو اور پھر بھی یہ صحبت کرے۔ مسلمان بھائیو کیا یہ حدیث صاف نہیں کہ لونڈی خریدی جائے اس کو جب تک ایک حیض نہ آ جائے اس سے اس کے خریدار کو ملنا حرام ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حنفی مذہب کا فیصلہ سنئے۔ ہدایہ ص۴۵۰ جلد۴ کتاب الکراہیۃ میں ہے لَا بَأْسَ بِالْاِحْتِيَالِ لِاِسْقَاطِ الْاِسْتِبْرَاءِ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ یعنی امام ابو یوسف کے نزدیک کوئی نہ کوئی حیلہ کر کے اس ایک حیض تک ٹھہرنے کی مدت کو ہٹا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ سنا آپ نے حدیث کے صاف حکم کو حیلے حوالے سے ٹال دینا کوئی حرج نہیں رکھتا؟

اس کے بعد اسی کتاب میں حیلے لکھے ہیں کہ کس طرح اللہ کے رسول ﷺ کے اس تاکیدی فرمان کو ٹال دیا جائے اور کس طرح اس حرام کو حلال کر لیا جائے۔ فَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ہاں ہمارا روئے سخن تو آپ سے ہے اب اس صورت میں آپ کیا مانیں گے؟ حنفی مذہب یا محمدی فرمان؟ (شمع محمدی ص۸۵)

جواب:

جونا گڑھی نے جو حدیث نقل کی ہے وہ غیر مقلدین کے نزدیک قابل عمل نہیں۔

کیوں کہ امام مالک تبع تابعین سے ہیں لہٰذا اس حدیث میں تابعی یا صحابی کا ذکر نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس کی سند متصل نہیں ہے۔

اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ استبراء میں حیض تو ایک ہی کافی ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ جس لونڈی کو حیض نہیں آتا اس کا استبراء ایک ماہ ہے یا تین ماہ ضروری ہیں۔ بعض علماء تین ماہ مانتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے مگر جمہور علماء ایک مہینہ کافی مانتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مہینہ ایک حیض کے قائم مقام ہے۔

احناف استبراء کے قائل ہیں

مولانا نواب قطب الدین محدث دہلوی حنفی لکھتے ہیں۔

شریعت میں ''استبراء'' کا مطلب ہے ''لونڈی کے رحم کی حمل سے پاکی (صفائی) طلب کرنا'' اس کی فقہی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی شخص کی ملکیت میں کوئی لونڈی آئے خواہ اس نے اس کو خریدا ہو یا کسی وصیت میں ملی ہو۔ یا کسی نے ہبہ کی ہو اور یا میراث میں ملی ہو تو اس شخص کو اس لونڈی سے اس وقت تک جماع کرنا یا مساس کرنا اور یا بوسہ لینا وغیرہ حرام ہے جب تک کہ استبراء نہ کرے یعنی اس کے قبضہ میں آنے کے بعد ایک حیض نہ آجائے اگر اس کو حیض آتا ہو یا نہ آنے کی صورت میں اس پر ایک مہینہ کی مدت نہ گزر جائے اور یا حاملہ ہونے کی صورت میں ولادت نہ ہو جائے اور یہ استبراء ہر حال میں کرنا ضروری ہے خواہ وہ باکرہ ہی کیوں نہ ہو یا اس کو کسی عورت سے کیوں نہ خریدا ہو یا وہ کسی محرم یا اپنے نابالغ بچہ کے مال سے بذریعہ وراثت وغیرہ کیوں نہ حاصل ہوئی اگرچہ ان صورتوں میں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ استبراء واجب نہ ہونا چاہیے۔ کیوں کہ ''استبراء'' میں حکمت یہ ہے کہ اس طریقہ سے اس کے رحم کا کسی غیر کے نطفہ سے پاک ہونا معلوم ہو جائے تا کہ اس کے نطفہ کا کسی غیر کے نطفہ کے ساتھ اختلاط نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں کسی غیر کے نطفہ کا کوئی احتمال ہی نہیں ہے لیکن چونکہ یہ صریح نص ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اوطاس کے غیروہ کے موقع پر

حاصل ہونے والی لونڈیوں کی بارہ میں فرمایا کہ خبردار! حاملہ لونڈی سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کے ولادت نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آجائے، اور ظاہر ہے کہ ان لونڈیوں میں باکرہ بھی ہوں گی اور ایسی لونڈیاں بھی ہوں گی جو باکرہ کی طرح نطفہ کے اختلاط کا احتمال نہیں رکھتی ہوں گی، اس لیے قیاس کونظر انداز کر کے ان صورتوں میں بھی استبراء کو واجب قرار دیا گیا۔
(مظاہر حق شرح مشکوٰۃ)

مولانا نذیر احمد حنفی لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص کسی باندی کا مالک بنے تو اس پر ''استبراء'' واجب ہے۔ استبراء کا مطلب یہ ہے کہ یہ یقین کرلیا جائے کہ غیر کا نطفہ مستقر نہیں ہے۔ اگر باندی حاملہ ہو تو اس کا استبراء وضع حمل ہے۔ وضع حمل سے پہلے وطی جائز نہیں۔ اگر حاملہ نہ ہو تو دو صورتیں ہیں حائضہ ہوگی یا غیر حائضہ۔ حائضہ کا استبراء ایک حیض ہے اور غیر حائضہ کا ایک ماہ۔
(اشرف التوضیح تقریر اردو مشکوٰۃ المصابیح جلد۲ص ۴۹۸،۴۹۹)

ہدایہ کی عبارت کی وضاحت:

(۱) اس عبارت کے آگے لکھا تھا خلافًا لِمُحَمَّدٍ اور امام محمد اس میں مخالف ہیں۔ یعنی حیلہ کرنے میں۔ یہ عبارت جوناگڑھی نے نقل نہیں کی۔ یہ خیانت ہے۔

(۲) امام ابو یوسف سے صاحب ہدایہ نے جو حیلہ کا جواز نقل کیا ہے اس کی وضاحت نہیں کی اور نہ حیلہ کی اقسام پر کوئی بحث کی۔ صاحب ہدایہ نے امام صاحب کے حوالہ سے دو حیلے ذکر کیے ہیں۔

حیلہ نمبر۱:

مصنف نے یہاں دو حیلے بیان کیے ہیں۔ یہ پہلا حیلہ ہے کہ اگر مشتری کے نکاح میں

لوئی حرہ نہ ہوتو اس کو چاہیے کہ وہ پہلے اس باندی سے نکاح کر لے، پھراس کوخرید ے۔ خرید تے ہی نکاح ختم ہوگیا اور استبراء واجب نہ ہوگا کیوں کہ اپنی منکوحہ کوخرید نے سے استبراء واجب نہیں ہوا کرتا اور نکاح میں حرہ ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ اگر نکاح میں حرہ ہوتو پھر باندی سے نکاح جائز نہیں۔ اسی طرح اگر اس کے نکاح میں چار باندیاں ہوں تب بھی یہ حیلہ کارگر نہ ہوگا کیوں کہ اس باندی سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

حیلہ نمبر۲:

یہ دوسرا حیلہ ہے کہ جس شخص پر اعتماد ہو کہ یہ اس کو طلاق دے دے گا اور اس سے وطی نہیں کرے گا تو بائع شراء سے پہلے اس سے اس کا نکاح کردے یا مشتری قبضہ سے پہلے اس سے اس کا نکاح کردے تو ان دونوں صورتوں میں استحداث ملک وید کے وقت مشتری کے لیے اس کی شرمگاہ حلال نہیں ہے تو مشتری پر استبراء واجب نہ ہوگا پھر اس کا شوہر اس کو طلاق دے دے۔ چونکہ طلاق قبل الدخول ہے اس لیے عدت بھی واجب نہ ہوگی اور مولیٰ پر استبراء واجب ہوگا اس لیے کہ استحداث ملک وید کے وقت شرمگاہ کے حلال نہ ہونے کی وجہ سے استبراء واجب نہیں ہوا تھا اور اب اس لیے واجب نہ ہوگا کہ اس وقت ملک اور وید کا استحداث نہیں ہے اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کسی نے ایک باندی خریدی جو کسی کی منکوحہ تھی اور اس کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی جس کی وہ عدت گزار رہی تھی کہ مولیٰ نے اس کو فروخت کردیا تو مشتری اس سے وطی نہیں کرے گا جب کہ اس کی عدت نہ گزر جائے۔ پھر عدت کے گزرنے کے بعد کیا مشتری پر استبراء واجب ہے؟ فرمایا کہ نہیں، کیوں کہ باندی جب خریدی تھی، اس وقت باندی کی شرمگاہ اس کے لیے حلال نہیں تھی اور جب حلال ہوئی ہے، اس وقت استحداث ملک وید نہیں ہوا۔

ناظرین آپ کو اس بات کا تو علم ہوگیا کہ احناف استبراء کے قائل ہیں۔ اس لیے جوناگڑھی نے نہ امام ابوحنیفہ کا نام لیا اور نہ امام محمد کا صرف امام ابویوسف کا ذکر کیا ہے۔ اب

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب احناف استبراء کے قائل ہیں تو امام ابو یوسف نے یہ حیلے کیوں ذکر کیے۔ لازمی بات ہے کہ یہ مجبور آدمی کے لیے ہی ہو سکتے ہیں اور حیلہ کیا ہی اس لیے جاتا ہے کہ وہ مجبور ہے عام حالات میں کون حیلہ کرتا ہے۔ ایک آدمی کو زنا کا خوف ہو کہ وہ زنا میں مبتلا ہو جائے گا۔ وہ حلال طریقہ سے اپنی شہوت پوری کرنا چاہتا ہے۔ اور باندی خریدتا ہے مگر استبراء کی وجہ سے ایک ماہ یا تین ماہ اس کے قریب نہیں جا سکتا تو اس کی خواہش تو پوری نہیں ہوئی۔ اب زنا کا خوف بھی لگا ہوا ہے۔ ایسی کیفیت میں اگر کوئی کسی کو جائز حیلہ بتا دے کہ اس کی خواہش بھی پوری ہو جائے اور زنا سے بھی بچ جائے تو کیا وہ مجرم ہے جب کہ اسلام میں جائز حیلہ کی گنجائش موجود ہے۔

اسلام میں جائز حیلے کی گنجائش

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلدین کے فتاویٰ عالمگیری پر ایک اعتراض کے جواب میں اس مسئلہ پر کافی اچھی بحث فرمائی ہے وہ اعتراض اور حضرت کا جواب ہم یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۳۶:

فتاویٰ عالمگیری کی کتاب الحیل میں اللہ کے فرائض سے جان چھڑانے کے بے شمار حیلے بتائے گئے ہیں۔ ان سب کا قرآن وحدیث سے ثبوت دیں۔

جواب:

کتاب الحیل عالمگیری ص ۳۸۹ ج ۶ سے لے کر ص ۴۳۶ ج ۶ تک ہے اس کی پہلی فصل میں ہے:

ہمارے علماء کے مذہب میں ہر حیلہ جس سے آدمی دوسرے کا حق مٹائے یا اس میں شبہ ڈالے یا امر باطل کو مشتبہ بصدق وصواب کرنے کا وسیلہ کرے تو وہ مکروہ تحریمی ہے اور ہر

یا جس سے آدمی اپنے آپ کو حرام سے چھوڑا وے یا اس وسیلہ سے حلال تک پہنچ جاوے تو وہ امر نیک ہے۔ (عالمگیری ص ۳۹۰ ج ۶)

بتایئے اس میں کون سی بات قرآن وحدیث کے خلاف ہے؟

(۲) مفتی صاحب کو شاید حیلہ کی تعریف ہی یاد نہیں ہے۔

الحیلة اسم من الاحتیال وھی التی تحول المرء عما یکرھه الی ما یحبه. (کتاب التعریفات ص۴۲)

یہ خفیہ تدبیر کبھی جائز ہوتی ہے کبھی ناجائز۔ جائز حیلہ کا ثبوت قرآن پاک میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو فرمایا کہ اپنی بیوی کو سو لکڑیاں مارنے کی بجائے سو تنکوں کا جھاڑو مارو۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دو صاع ردی کھجوروں کے بدلے ایک صاع اچھی کھجوریں لے لیں، آپ نے فرمایا یہ ناجائز ہے اور اس کے جواز کا حیلہ بتایا کہ جو کھجوریں تمہارے پاس ہیں ان کو درہموں کے عوض بیچ دو، اور اتنے درہموں کی اچھی کھجوریں لے لو۔ ہمارے ہاں بھی ایسے ہی حیلے ہیں۔

حرام حیلے وہ ہیں جو اصحاب سبت مچھلیاں پکڑنے کے لیے حیلے کرتے تھے وغیرہ۔

جائز اور ناجائز حیلے میں فرق نہ کرنا ایسا ہی جیسے کوئی کتیا کے دودھ اور بکری کے دودھ میں فرق نہ کرے۔

غیر مقلدین اس مسئلہ کو بہت اچھالتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اس پر تفصیلی بحث ہونی چاہیے۔

مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور مضمون جو اس مسئلہ پر ہے وہ اب نقل کیا جاتا ہے۔

کتاب الحیل:

غیر مقلدین کے اصاغر سے اکابر تک عوام کو فریب دینے کے لیے یہ بھی شور مچاتے

ہیں کہ فقہ میں بہت حیلے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ پروپیگنڈہ وہ لوگ کرتے ہیں جو خداتعالیٰ کی صفات میں حیات علم اور قدرت کی صفات مانتے ہیں وہ خداتعالیٰ کو الاستهزاء السخرية والمكر والخداع والكيد جیسی صفات سے بھی متصف مانتے ہیں، یعنی اللہ معاذ ٹھٹھے باز، مسخرہ، مکار، فریب کار، دھوکے باز ہے۔ حیلہ عربی لفظ ہے اس کی تعریف یہ ہے:

''الحيلة اسم من الاحتيال وهي التي تحول المرء عما يكرهه الى ما يحبه'' (كتاب التعريفات ص ٤٢)

یہ خفیہ تدبیر اگر ابطال حق یا اثبات باطل کے لیے ہو تو حرام ہے۔ اگر مقصود احقاق حق اور ابطال باطل ہو تو واجب ہے۔ اگر مکروہ سے بچنے کے لیے حیلہ کرے تو مستحب ہے۔ اگر ترک ممدوح کے لیے حیلہ کرے تو مکروہ ہے۔ الغرض حیلہ کا لفظ جائز ناجائز دونوں پر استعمال ہوتا ہے مگر حرام و حلال کا فرق واضح ہے جیسے سجدہ کا لفظ خدا اور بت دونوں کے سجدہ پر استعمال ہوتا ہے مگر ایمان اور کفر کا فرق واضح ہے۔

ایک اور وضاحت:

احناف کے ہاں جواز اور نفاذ میں تلازم نہیں اس لیے بعض اوقات ایک چیز کا جواز نہ بھی ہو تو نفاذ ہو جاتا ہے جیسے حالت حیض میں طلاق کا جواز نہیں مگر طلاق دے دی تو نفاذ ہو جائے گا، ایک ہی دفعہ تین طلاق کا جواز نہیں، گناہ ہے مگر دینے سے واقع ہو جائیں گی۔ حلالہ کی شرط سے نکاح کرنا گناہ ہے مگر عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی، اس لیے یہ فرق کرنا بھی ضروری ہے کہ فقہ حنفی بعض جگہ صرف نفاذ حکم کی قائل ہے مگر اس کے جواز کا بہتان بھی فقہ پر لگا دیا جاتا ہے۔

قرآن پاک میں دونوں قسم کے حیلوں کا ذکر ہے ''خذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث''

حضرت ایوب علیہ السلام نے حالت ابتلا میں اپنی پاک دامن بیوی کو غصہ سے سو چھڑیاں

ما نے لی قسم کھائی تھی۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ نے حکم دیا کہ اے ایوب قسم میں ہو نے نہ ہونا، سو شاخیں ایک جگہ باندھ کر اس طرح مارو کہ سب اس کے بدن سے لگ جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک تدبیر تھی اور ایک ضعیف الخلقہ شخص کو زنا کے سو کوڑے مارنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے بھی ایسا حکم فرمایا تھا۔ (لغات الحدیث ٔز)

کیا اب قرآن کو بھی حیلے بتانے والا کہو گے؟ اور حرام حیلے کا ذکر بھی قرآن میں ہے کہ اصحاب سبت مچھلیاں پکڑنے کے لیے گڑھے کھودتے تھے۔ جب مچھلیاں ان میں آجاتیں تو پکڑ لیتے، یہ حیلہ حرام ہے۔ حدیث پاک میں بھی دونوں قسم کے حیلوں کا ذکر ہے۔ حضرت بلال ﷺ نے دو صاع ردی کھجوروں کے بدلے ایک صاع اچھی کھجور لی، یہ سود بنتا ہے۔ حضرت ﷺ نے اس سود سے بچنے کا حیلہ تعلیم فرمایا کہ اپنی کھجوریں پیسوں سے بیچو پھر اس رقم کی اچھی کھجوریں لے لو اور حرام حیلے کا بھی ذکر ہے کہ بنی اسرائیل پر اونٹ کی چربی کو حرام کیا تھا، انہوں نے چربی پگھلا کر بیچنی شروع کر دی اور قیمت کھا لیتے، یہ حرام ہے اس لیے غیر مقلدین کا فرض ہے وہ ہر حیلہ فقہ کے الفاظ میں لکھ کر اس کے خلاف ایک ایک صریح آیت یا ایک ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کریں ورنہ ان کو بلاوجہ قرآن و حدیث کے خلاف کہنا، قرآن و حدیث پر جھوٹ ہے اور فقہ ثقہ پر بھی۔ خدا تعالیٰ تمہیں اس جھوٹ سے توبہ کی توفیق دیں۔

معاریض کا بیان:

غیر مقلد امام ابراہیم نخعی کی بعض معاریض پر بھی حیلہ کا لفظ استعمال کر کے عوام کو دھوکا دیتے ہیں، حالانکہ عالمگیری میں صراحت ہے کہ "یجب ان یعلم ان استعمال المعاریض للتحرز عن الکذب" (۴۳۶ ج۶)

یعنی یہ جاننا واجب ہے کہ معاریض (توریہ) کا استعمال جھوٹ سے بچنے کے لیے ہوتا ہے۔

علامہ سید شریف فرماتے ہیں کہ توریہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ایسی بات کرے کہ مخاطب اس کا مطلب اور سمجھے اور متکلم کی مراد اور ہو جیسے لڑائی میں دشمن کے فوجی کو کہے افسوس تمہارا امام مرگیا۔ وہ سمجھے کہ ہمارا کمانڈر مرگیا لیکن اس کی مراد یہ تھی کہ اگلا سپاہی مر گیا۔(کتاب التعریفات ص۳۲)

تعریض کا یہ لفظ قرآن پاک سے لیا گیا ہے۔"**لا جناح علیکم فیما عرضتم به من خطبة النساء**" (الایة)

اور ابن عدی نے مرفوعا حدیث روایت کی ہے کہ **ان فی المعاریض مندوحة عن الکذب (اتحاف سادة المتقین ص۵۲۸ ج۲)**

''بے شک معاریض (دو معنی بات) میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ ایک بڑھیا سن کر رونے لگی، حضرت نے فرمایا بڑھیا جوان ہو کر جنت میں جائے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین دفعہ ایسی دو معنی بات فرمائی کہ آپ کا مطلب اور تھا اور مخاطبین اس کا مطلب اور سمجھے، اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے **ھادیھدینی** ہجرت کی رات فرمایا جس سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جنت کا راستہ مراد لے رہے تھے اور مخاطبین جنگل کا راستہ۔**(اتحاف سادة المتقین ص۵۲۸ ج۲)**

تو اسی طرح کسی شدید ضرورت کے موقعہ پر اگر امام ابراہیم نخعی نے ایسی دو معنی بات فرما دی تو کسی آیت یا کسی حدیث کے خلاف نہیں کیا۔ خدا تعصب کا برا کرے، یہ حق سننے، سمجھنے اور ماننے کی توفیق سلب کر لیتا ہے۔

(ماخوذ مجموعہ رسائل جلد نمبر۴ مرتب سید مشتاق علی)

شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حضرت ابو سعید الخدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم استعمل رجلا (قيل هو سواد رضى الله عنه بن غزية وقيل مالك رضى الله عنه بن صعصعة) فجاءه بتمر جنيب فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اكُلُّ تمر خيبر هكذا؟ قال لا والله يا رسول الله انا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاثة فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جَنِيبًا.

(بخاری ج۱ ص۲۹۳، ج۱ ص۳۰۸، ومسلم ج۲ ص۲٦)

اور حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال جاء بلال رضى الله عنه الى النبى صلى الله تعالى عليه وسلم بتمر برنيّ فقال له النبى صلى الله تعالى عليه وسلم من اين هذا قال بلال رضى الله عنه كان عندنا تمر رديّ فبعتُ منه صاعين بصاع ليطعم النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فقال عند ذلك اَوَّه اَوَّه عين الربا عين الربا لا تفعل ذلك ولكن ان اردت ان تشترى فبع التمر ببيع آخر ثم اشتر به.

(بخاری ج۱ ص۳۱۱، ومسلم ج۲ ص۲٦)

اس حدیث میں حرام سے بچنے کے لیے جو حیلہ اور تدبیر بتلائی گئی ہے وہ ایک ضابطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے حیلوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

① ...... جو قربت اور طاعت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل الاعمال میں سے ہے۔

② ...... جائز اور مباح ہے۔

③ ...... جو حرام ہے اور وہ ایسا حیلہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے کسی حق کو ساقط کیا جائے۔ (محصله اغاثته اللهفان ج۱ ص۳۸٤)

پھران تمام اقسام کوقرآن کریم اور حدیث شریف سے مثالیں دے کر واضح کیا ہے
عام فقہاء کرام حیلہ کی دوقسمیں بیان کرتے ہیں۔ مباح حیلہ اور مذموم حیلہ اور مباح کی یہ تعریف کرتے ہیں۔ ما یتوصل بہ الی مقصود بطریق خفی مباح.

(فتح الباری ج۱۲ ص۲۶۹)

اورامام سرخسی نے اس کے جواز پر قرآن کریم سے استدلال کرتے ہوئے یہ حوالے نقل کیے ہیں۔(۱) کذالك كدنا ليوسف (۲)وخذ بیدك ضغثًا فاضرب به ولا تحنث (محصله مبسوط ج۳۰ ص۲۰۹)

اور اوپر بخاری اور مسلم کی جو حدیثیں نقل کی گئی ہیں وہ بھی اس حیلہ کے جواز کا واضح ثبوت ہے اور مذموم حیلہ وہ ہے جس سے حق کو ٹالا جائے اور باطل کو حاصل کیا جائے۔

چنانچہ حضرت ملاعلی قاری ذیل الجواہر ج۲ ص۴۷۴ میں لکھتے ہیں۔

قلت الحق فيه التفصيل قال تعالٰى كذلك كدنا ليوسف الاية وقال عز وجل لايوب وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث وكان حلف ان يجلد زوجته رحمة (بنت فراثيم) مائة جلدة فعلمه الله تعالٰى المخرج وقد صح انه عليه السلام قال خذوا عثكالا فيه مائة شمراخ فاضربوه به حين اتى بناقص الخلق وقد زنى.

(رواه فى شرح السنة وفى رواية ابن ماجة ص۱۸۸ نحوه مشكوٰة ج۲ ص۳۱۲)

وصح انه عليه السلام قال لعامل خيبر وكل تمر خيبر هٰكذا قال لابعت منه صاعين بصاع فقال النبى صلى الله عليه وسلم عين الربا هلا بعت صاعيك بدرهم ثم ابتعت به تمرًا فدل ان الحيلة للتوصل الى الحق او للتخلص عن المضرة جائزة وانما الحرام ما يتوصل به الى الباطل او

ابطال الحق بعد الثبوت ١ھ

حافظ ابن حجر امام ابوحفص الکبیر کی کتاب الحیل کے حوالے سے امام محمد بن الحسن الشیبانی سے نقل کرتے ہیں۔

ان محمدا رحمه الله تعالىٰ قال ما احتال به المسلم حتى يتخلص به من الحرام او يتوصل به الى الحلال فلا بأس به وما احتال به حتى يبطل حقًا او يحق باطلا او ليدخل به شبهة فى حق فهو مكروه والمكروه عنده الى الحرام اقرب. (فتح البارى ج١٢ ص٢٦٩)

اورعلامہ عینی امام محمد کے حوالہ سے لکھتے ہیں

قال ليس من اخلاق المؤمنين الفرار من احكام الله تعالىٰ بالحيل الموصلة الىٰ ابطال الحق. (عمدة القارى ج٢٤ ص١٠٩)

اورامام ابو یوسف کتاب الخراج ص٨٠ (طبع بولاق) میں لکھتے ہیں۔

قال ابو يوسف رحمه الله تعالىٰ لا يحل لرجل يؤمن بالله تعالىٰ واليوم الأخر منع الصدقة ولا اخراجها من ملكه الىٰ ملك جماعة غيره ليفرقها بذالك فتبطل الصدقة بان يصير لكل واحد منهم من الابل والبقر والغنم مالا يجب فيه الصدقة ولا يحتال فى ابطال الصدقة بوجه ولا سبب.

اس عبارت کا حوالہ فتح الباری ج١٢ ص٢٧٠ اور فیض الباری ج٤ ص٤٨٠ میں بھی دیا گیا ہے۔

ان صریح حوالوں سے ثابت ہوا کہ علماء احناف مذموم اور باطل حیلوں کے سختی کے ساتھ منکر ہیں اور جن حیلوں کو جائز قرار دیتے ہیں وہ قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہیں۔

اعتراض نمبر ۶۱:

کعبۃ اللہ کی بے حرمتی

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَلاَ لاَ یَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَ یَطُوْفَنَّ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ.

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۲۲۷ جلد اول باب دخول مکہ)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے منادی کرائی کہ کوئی مشرک حج کو نہ آئے۔ اور نہ کوئی ننگا شخص طواف بیت اللہ نہ کرے۔ برادران یہ حدیث بخاری مسلم جیسی اعلیٰ درجے کی صحیح کتابوں کی آپ کے سامنے ہے جس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ کسی مشرک کو مسجد حرام میں آنا جائز نہیں۔ یہ حدیث ہی نہیں خود قرآن نے کھلے لفظوں میں فرمایا ہے انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام مشرک نجس ہیں یہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے پائیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن آہ! حنفی مذہب اسے نہیں مانتا۔ یہ ہے حنفی مذہب کی بہترین کتاب ہدایہ جس کے ص ۴۵۸ جلد چہارم کتاب الکراہیہ میں لکھا ہے لا باس بان یدخل اھل الذمۃ المسجد الحرام یعنی ذمی کافر کے مسجد حرام میں آنے میں کوئی ڈر خوف نہیں۔ کہو حنفی بھائیو! اب کس پر ایمان لاؤ گے؟ قرآن حدیث پر یا حنفی مذہب پر؟

(شمع محمدی ص ۸۶، ظفر المبین حصہ دوم ص ۱۰۲، احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف ص ۴۱۱)

جواب:

یہاں پر مسئلہ خاص ذمی کافر کا ہے عام کنذریا مشرکوں کا نہیں۔ قرآن پاک میں دو

آیات ہیں۔

①......اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (البقرہ:۱۱۴)

ان کو نہیں چاہیے تھا کہ ان مساجد میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے ان کے لیے دنیا میں رسوائی (جزیہ دینے کی) اور آخرت میں عذاب ہے بڑا۔

علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے اسی آیت سے ثابت کیا ہے کہ اہل ذمہ کا مساجد میں داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ وہ مغلوب ومقہور ہوں۔

②......آنحضرت ﷺ نے ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے اعلان کروایا جو خدا کی طرف سے تھا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ (التوبہ:۲۸)

اے ایمان والو! مشرک (اعتقاداً) نرے مشرک ہیں (اور چونکہ اعتقادی ناپاکوں کی کوئی عبادت قبول نہیں اس لیے وہ حج کے لیے) مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں اس سال بعد (سال کا لفظ اس لیے فرمایا کہ حج کے لیے آنا سال کے بعد ہی ہوتا ہے) اور اگر تمہیں اے مسلمانو! مفلسی کا اندیشہ ہو (کیوں کہ حج کے موقع پر کافر تاجر بھی سامان لاتے اور اسی تجارت سے روزی کا سامان بنتا) تو اس کی پرواہ نہ کرو کہ اگر وہ حج کے لیے نہ آئیں گے تو تجارت ختم ہو جائے گی جو اقتصادیات کی جان ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں غنی فرما دیں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنائی تو حج کے اتنے بڑے مجمع میں یہی اعلان فرمایا "الا لا یحج بعد عامنا ھذا مشرك" (روح المعانی ج ۱۰ ص ۷۷) کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے۔

معلوم ہوا کہ اس آیت کا مقصد حج عمرہ سے مشرکین کو روکنا ہے۔آیت کا یہی مطلب صراحۃً ہدایہ میں مذکور ہے۔امام مرغینانی فرماتے ہیں **ولآیة محمولة علی الحضور استیلاء واستعلاء او طائفین عراة کما کانت عادتهم فی الجاهلیة"**

(هدایه ج٤ ص٤٧٢)

یعنی اس آیت سورۃ التوبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ غلبہ و بلندی کے ساتھ اتراتے ہوئے حرم میں داخل نہ ہوں یا حج کے لیے ننگے طواف کرتے ہوئے داخل نہ ہوں۔ جیسا کہ جاہلیت میں ان کی عادت تھی۔ دیکھیے احناف نے اس آیت کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کا وہی مطلب بیان کیا جو آیت کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے اور جس کا اعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نزول آیت کے وقت مجمع حج میں فرمایا تھا۔

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل

حدیث نمبر ۱:

اس آیت سورہ توبہ کے نازل ہونے کے بعد وفد ثقیف حاضر ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد میں ٹھہرایا۔ (ابوداؤد، کتاب الخراج، باب: خبر الطائف ج ۲ ص ۷۲)

حدیث نمبر ۲:

طبرانی میں ہے کہ **"فضرب لهم قبة فی المسجد"**

ان کے لیے مسجد میں قبہ لگایا گیا۔ (نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۷۰)

حدیث نمبر ۳:

اور مراسیل ابی داؤد میں حضرت امام حسن بصری سے روایت ہے کہ جب اس وفد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ٹھہرایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا آپ ان کو مسجد میں اتار رہے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں تو آپ نے فرمایا زمین نجس نہیں ہوتی ہے بے شک ابن آدم نجس ہوتا

ہے۔(نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۷۰)

اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ مشرک کی نجاست دخول مسجد سے مانع نہیں ہے۔

آیت کی تفسیر نبی اقدس ﷺ سے:

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے قریب نہ جائے ہاں مگر کوئی غلام یا لونڈی جو کسی حاجت کے لیے جائیں۔(احکام القرآن ج ۳ ص ۸۹)

صحابی سے تفسیر:

حضرت جابر بن عبداللہ صحابی فرماتے ہیں بے شک مشرک نجس ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر کوئی غلام یا اہل ذمہ میں سے۔

(تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۷۶)

تابعی سے تفسیر:

حضرت قتادہ تابعی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے پاس نہ جائے مگر کوئی مشرک جو کسی مسلمان کا غلام ہو یا جزیہ دینے والا ذمی ہو۔(تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۷۶)

دورِ فاروقی میں نصرانی کا حرم میں داخلہ:

حضرت عمر [illegible] کے زمانہ خلافت میں ایک عیسائی بغرض تجارت آیا تو اس سے عشر لیا گیا۔ دوبارہ آیا تو پھر اس سے عشر کا مطالبہ کیا گیا اس نے عشر دینے سے انکار کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا جو اس وقت مکہ مکرمہ حرم پاک میں تھے اور خطبہ میں فرما رہے تھے۔ "ان اللہ جعل البیت مثابة للناس" اس نے کہا اے امیر المومنین! زیاد بن حدیر مجھ سے

بار بار عشر مانگتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عشر سال میں تیرے مال پر صرف ایک دفعہ ہے۔ (کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۱۶۲)

اب اگر امام صاحب نے فرما دیا کہ "**لاباس بان یدخل اهل الذمة المسجد الحرام**" (**هدایه ج٤ ص٤٧٢**)

تو یہ قرآن کی آیت "**یدخلوها الا خائفین**" کے موافق ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے موافق ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، تابعی کے نزدیک یہ داخلہ آیت توبہ کے خلاف نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مجمع عام میں نصرانی حرم پاک میں داخل ہوا کسی ایک شخص نے بھی اٹھ کر آیت "**انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام**" پڑھ کر نہ سنائی۔ معلوم ہو گیا کہ ان سب صحابہ و تابعین کے نزدیک بھی کسی ذمی کا وقتی طور پر مسجد حرام میں داخلہ کسی آیت یا حدیث کے خلاف نہ تھا۔

غیر مقلدین سے تائید

مولانا صلاح الدین یوسف غیر مقلد سورہ توبہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

حاشیہ نمبر (۲) یہ وہی حکم ہے جو سن ۹ ہجری میں اعلان برأت کے ساتھ کیا گیا تھا۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ یہ ممانعت بعض کے نزدیک صرف مسجد حرام کے لیے ہے ورنہ حسب ضرورت مشرکین دیگر مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھے رکھا تھا۔ حتی کہ اللہ نے ان کے دل میں اسلام کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ڈال دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ علاوہ ازیں اکثر علماء کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مراد پورا حرم ہے۔ یعنی حدود حرم کے اندر مشرک کا داخلہ بھی ممنوع ہے۔ بعض آثار کی بنیاد پر اس حکم سے ذمی اور خدام کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

(تفسیر احسن البیان ص ۵۱۵، مطبوعہ سعودی عرب)

اعتراض نمبر۶۲:

ناجائز کو جائز کردیا

(بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے کا مسئلہ)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث پیش کی ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال نہٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی فوق ظہر بیت اللہ.

یعنی رسول اللہ ﷺ نے سات جگہ نماز پڑھنی حرام قرار دی ان میں ایک جگہ بیت اللہ شریف کی چھت ہے۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ مشکوٰۃ ص۷۱ باب المساجد جلد اول)

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ بیت اللہ شریف کی چھت پر نماز پڑھنے سے نماز ہوجائے گی۔ چنانچہ ہدایہ ص۱۶۵ جلد اول باب الصلوٰۃ فی الکعبہ میں لکھا ہے "**من صلیٰ علیٰ ظہر الکعبۃ جازت الصلوٰتہ**" جو شخص بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھے اس کی نماز جائز ہے۔ کہو حنفی بھائیو! اب حدیث مانو گے یا فقہ؟

(شمع محمدی ص۸۷، ظفر المبین ص۲۴۳، اختلاف امت کا المیہ حصہ اول ص۵۸، سبیل الرسول ص۲۳۰، سبیل الرسول طبع جدید ص۲۷۴، نجات مسئلہ نمبر۴۷)

جواب:

جوناگڑھی نے پہلے تو حدیث نامکمل نقل کی ہے ہم یہاں پر مکمل حدیث نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی اَنْ یُّصَلّٰی فِی سَبْعَۃِ

مَوَاطِنِ فِی الْمِزْبَلَهِ وَالْمُجزِرَةِ وَالْمَقْبرةِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَفِی الْحَمَّامِ وَمعاطِنَ الْاِبِلِ وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللهِ.

(ترمذی ص۷۷ باب ما جاء فی کراهية ما يصلی اليه وفيه وابن ماجه ص٥٤ باب المواضع التی تکره فيها الصلوٰة)

ترجمہ حدیث:

روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا نماز پڑھنے سے سات مقاموں میں پیخانے میں اور جہاں اونٹ ذبح ہوتے ہوں اور قبرستان میں اور راستے کے بیچ میں اور غسل خانے میں اور اونٹ باندھنے کی جگہ میں اور چھت پر بیت اللہ کی۔

(ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں غیر مقلد ج ۱ ص ۱۶۴)

اور پھر ہدایہ کی عبارت بھی مکمل نقل نہیں کی۔

ہدایہ کی مکمل عبارت اس طرح ہے۔

ومن صلی علی ظهر الکعبة جازت صلوٰته خلافًا للشافعی لان الکعبة هی العرصة والهواء الی عنان السماء عندنا دون البناء لانه ينقل الا تری انه لو صلی علی جبل ابی قبيس جاز ولا بناء بين يديه الا انه يکره لما فيه من ترک التعظم وقد ورد النهی عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم.

(هدايه ج۱ ص۱۸۵)

ترجمہ:

اور جس شخص نے کعبہ کی پشت پر نماز پڑھی اس کی نماز جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ اس لیے کہ ہمارے یہاں میدان اور آسمان کی فضاء تک کا نام کعبہ ہے۔ نہ کہ عمارت کا نام کیوں کہ وہ منتقل ہو سکتی ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ اگر کوئی شخص جبل ابو قبیس پر نماز پڑھے تو نماز جائز ہے۔ حالاں کہ اس کے سامنے عمارت نہیں ہے۔

البتہ یہ مکروہ ہے کیوں کہ اس میں ترک تعظیم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ترک تعظیم کے متعلق ممانعت وارد ہوئی ہے۔

(احسن الهدایه ترجمه اردو هدایه ج۲ ص۴۴۷)

جونا گڑھی نے پہلے تو حدیث نہایت ہی نامکمل نقل کی اور بہت سے جملے چھوڑ دیئے پھر اس پر امام ترمذی نے جو اس حدیث پر جرح کی وہ بھی نقل نہ کی اور جو باب ترمذی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کے اوپر کراہت کے لفظ سے باندھا تھا اس کو بھی نقل نہ کیا اور پھر ہدایہ کی عبارت بھی نامکمل نقل کی۔ آگے کی عبارت چھوڑ دی۔ صاحب ہدایہ نے اس حدیث کا انکار نہیں کیا بلکہ اس سے بیت اللہ شریف کی چھت پر نماز پڑھنے کو مکروہ ثابت کیا لیکن جونا گڑھی نے المعترض کالاعمیٰ کا پورا کردار ادا کیا۔

جونا گڑھی نے ایک قاعدہ از خود گھڑا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس کام سے منع فرمادیں اس میں جواز بالکراہت کیسے ہوسکتا ہے۔ تو جونا گڑھی کا فرض ہے کہ اپنے اس قاعدہ کو پہلے حدیث صحیح صریح غیر معارض ثابت کریں۔ جب کہ بہت سی احادیث میں اس طرح کے واقعات موجود ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام سے منع فرمایا ہے اور علمائے امت نے اس سے صرف کراہت ہی مراد لی ہے۔

مثلاً حدیث میں آتا ہے حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں **نهينا عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا. (بخاری ج۱ ص۱۷۰)** اور فرماتی ہیں **كنا ننهى عن اتباع الجنائز لم يعزم عن علينا. (مسلم ج۱ ص۳۰۴)**

اس حدیث کی شرح میں امام نووی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں **معناه نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك نهى كراهة تنزيله نهى عزيمة وتحريم**

(نووی شرح مسلم ج۱ ص۳۰۴)

جونا گڑھی صاحب بیع میں دھوکا منع ہے مگر ایک شخص جو دھوکا کھا جاتا تھا اسے

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم لا خلابة کہہ دیا کرو۔ امام بخاری ؒ اس حدیث پر ان الفاظ میں باب باندھتے ہیں ما یکرہ من الخداع فی البیع.

(صحیح بخاری ج۱ ص۲۸٤)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی فتح الباری شرح بخاری میں اس باب کا مطلب بیان فرماتے ہیں کانہ اشار بھذا الی ان الخداع فی البیع مکروہ ولکنہ لا یفسخ البیع. (بحوالہ حاشیہ بخاری ج۱ ص۲۸٤ حاشیہ نمبر۱۰)

اور خود اسی زیر بحث حدیث پر جو جونا گڑھی نے نقل کی ہے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے کراہت کا باب باندھا ہے ان پر تو جونا گڑھی نے اعتراض نہیں کیا مگر صاحب ہدایہ پر اعتراض کر دیا۔ جب کہ صاحب ہدایہ نے بھی مکروہ ہی کا قول نقل کیا ہے۔

کسی چیز کو مطلق حرام قرار دینے کے لیے دلیل قطعی یا کم از کم حدیث صحیح چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے ممانعت والی حدیث نہ قطعی ہے نہ صحیح ہے۔ امام ترمذی اس حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔ حدیث ابن عمر اسنادہ لیس بذالک القوی۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی روایت کی سند قوی نہیں ہے۔ جب یہ حدیث قوی نہیں ضعیف ہے تو ضعیف حدیث سے کسی چیز کو قطعی حرام قرار دینا یہ حد سے تجاوز کرنا ہے۔ اس لیے کہ ضعیف حدیث اس مقام و مرتبہ کی نہیں ہوتی کہ اس سے کسی چیز کی قطعی حرمت ثابت کی جائے۔ اس کے لیے قطعی دلیل یا کم از کم صحیح حدیث کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے اس حدیث کی وجہ سے جو لوگ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے کو حرام کہتے ہیں۔ ان کی رائے میرے نزدیک وزنی معلوم نہیں ہوتی ہاں اس سے کراہت ثابت ہو سکتی ہے۔ جو فقہ حنفی کا مسلک ہے اور ہدایہ میں لکھا ہوا موجود ہے احناف کے ہاں اگر چہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر پھر بھی امام ابو حنیفہ ؒ نے اس حدیث کے پیش نظر یہ فرمایا کہ عام حالات میں کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر کسی نے پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔

غیر مقلدین حدیث کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس تورع احتیاط دقتِ نظر اور پھر عمل بالحدیث کے جذبہ کو دیکھیں اور انصاف سے کام لے کر بتلائیں کہ کیا ان امور میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقام و مرتبہ تک کسی اور کو رسائی ہے۔ اعتراض کرنا بڑا آسان ہے اور فقہ حنفی کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس کے لیے علم و معرفت وسیع المطالعہ کے ساتھ ساتھ نورِ باطن اور فراست ایمانی کی بھی ضرورت ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی کراہت ہی کے قول کو اختیار کیا ہے آپ نے اس حدیث پر اس طرح باب باندھا ہے۔

باب مَا جَاءَ وَفِیْ کِرَاهِیَةِ مَا یُصَلِّیْ اِلَیْهِ وَفِیْهِ

باب بیان میں اس چیز کے کہ جس کی طرف یا جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں غیر مقلد ج اول ص ۱۶۴ ابواب الصلوٰۃ)

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے سنن ابن ماجہ ص ۶۴ میں اس طرح باب باندھا

باب المواضع التی تکره فیها الصلوة

ان دونوں محدثوں نے بھی اس حدیث سے کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے کو مکروہ ہی سمجھا ہے اور امام ابوحنیفہ نے بھی اس حدیث کا انکار نہیں کیا صرف اس حدیث سے مکروہ سمجھا ہے۔ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے مطابق ہے نہ کہ مخالف۔

اعتراض نمبر ۶۳:

عورتوں کو عورتوں کی امامت

صاحب شمع محمدی نے دو احادیث نقل کی ہیں۔

عَنْ اُمِّ وَرَقَةَ اَمَرَهَا اَنْ تَؤُمَّ اَهْلَ دَارِهَا

(ابو داؤد مع عون المعبود جلد اول ص ۲۳۰ باب امام النساء)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کرائیں۔

مستدرک حاکم ص۲۰۲ جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ المراۃ میں ہے عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا تَؤُمُّ النِّسَاءَ وَتَقُوْمُ وَسْطَهُنَّ

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عورتوں کی امامت کراتی تھیں اور بیچ صف میں کھڑی ہوتی تھیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب ان حدیثوں کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے يُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ اَنْ يُصَلِّيْنَ وَحْدَهُنَّ الْجَمَاعَةَ (ھدایہ ص۱۰۲ باب الامۃ جلد اول)

یعنی صرف عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کہو حنفی بھائیو! اب رسول اللہ ﷺ کی مانو گے یا فقہ کی؟

(شمع محمدی ص۸۷، ظفر المبین حصہ اول ص۱۰۲، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص۵۶، اختلاف امت کا المیہ حصہ اول ص۵۸، سبیل الرسول ص۲۳۱، احناف کا رسول سے اختلاف ص۳۱۸)

پہلی حدیث کا جواب:

جوناگڑھی نے ابوداؤد امامۃ النساء سے حضرت ام ورقہ کی حدیث نقل کی ہے جعل لها مؤذنا يؤذن لها وامرها ان تؤم اهل دارها (ج۱ ص۶۱)

جوناگڑھی نے یہ نہیں بتایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں اس کی سند میں ایک راوی محمد بن فضیل ہے جو سچا تو ہے مگر مذہبا شیعہ ہے دوسرا راوی ولید بن عبداللہ بن جمیع ہے۔ جو سچا تو

ہے مگر وہم کا مریض اور مذہبا شیعہ ہے۔ تیسرا راوی عبدالرحمٰن بن خلاد ہے جو مجہول ہے۔
(۲) پھر جونا گڑھی نے حدیث کا یہ جملہ چھوڑ دیا کہ حضرت نے حکم دیا کہ وہ اپنے گھر کے لیے ایک مؤذن رکھے۔ دوسری روایت میں ہے۔ حضرت نے خود مؤذن مقرر فرما دیا۔ اس طرح ہر غیر مقلد گھر کو ایک ایک مستقل مؤذن رکھنا پڑے گا جس پر ان کا عمل نہیں ہے پھر اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امر موجود ہے تو غیر مقلدین کا فرض ہے کہ ہر گھر میں عورت کی امامت کو واجب قرار دیں۔ پھر اس حدیث میں حضرت نے امام عورت کو مقتدیوں سے آگے کھڑے ہونے سے منع نہیں فرمایا تو غیر مقلد گھر کے مرد اپنی بیوی کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز با جماعت ادا کیا کریں۔ الغرض یہ حدیث نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی اس حدیث کے ظاہر الفاظ پر امت میں کسی کا عمل ہے کہ ہر گھر میں مستقل مؤذن ہو اور مستقل جماعت عورت کرائے۔

جونا گڑھی کو مندرجہ ذیل احادیث جو کلیہ قاعدہ کی حیثیت رکھی ہیں۔ نظر کیوں نہیں آئیں۔

عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا خير فى جماعة النساء الا فى المسجد وفى جنازة قتيل رواه احمد والطبرانى.

(مجمع الزوائد ج۱ ص۱۵۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **لا تؤم المرأة (المدونة الكبرىٰ ج۲ ص ۸۹)**

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **خیر صفوف الرجال اولها وشرها آخرها و خير صفوف النساء آخرها وشرها اولها.**

(مسلم ج۱ ص۱۸۲)

عورت کے لیے تو مقتدی بن کر بھی اگلی صف میں کھڑے ہونا منع ہے۔ پھر اس کی امامت کیسے جائز ہوگی۔

جونا گڑھی صاحب جب گھر کے مرد عورت کے مقتدی بن بنیں گے تو ان پر امام صاحبہ کی اطاعت واجب ہوگی یا نہیں اگر وہ اطاعت کریں گے تو حضرت کا فرمان ہے ھلکت الرجال حسین اطاعت النساء رواہ احمد والحاکم وقال صحیح الاسناد

جونا گڑھی صاحب اگر یہ کہیں کہ ہم تو صرف اس کے قائل ہیں کہ صرف عورت عورتوں کی جماعت کرائے تو ان کی پیش کردہ حدیث میں یہ ذکر نہیں بلکہ سب گھر والوں کی امامت کا حکم ہے اور گھر میں مرد بھی ہوتے ہیں اور ہماری پیش کردہ حدیث سے پتہ چلا کہ عورت کی جماعت میں کوئی خیر نہیں اور خیر سے خالی ہونا ہی دلیل کراہت ہے۔

دوسری حدیث کا جواب:

جونا گڑھی نے حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت نقل کی ہے اولاً تو وہ صحیح نہیں کیوں کہ اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے جو ضعیف ہے۔

(میزان الاعتدال)

جماعت کی نماز میں امام مقتدیوں کے آگے کھڑا ہوتا ہے دو یا دو سے زیادہ مقتدیوں کے ہوتے ہوئے امام کا آگے کھڑا ہونا اسلام میں سنت متواترہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ خلفائے راشدین اور تمام امت کا عمل یہی ہے۔ اس لیے دو یا دو سے زائد مقتدیوں کے ہوتے ہوئے امام کا مقتدیوں کے درمیان کھڑے ہو کر جماعت کرانا اس سنت متواترہ کی مخالفت کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ امام صف کے درمیان کھڑا ہو۔ اس طریقہ کی تائید آنحضرت ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں اور جماعت کے وقت مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہونا بالاتفاق مکروہ ہے ہاں ایسے مکروہ کا ارتکاب کسی ضرورت کے تحت کیا جا سکتا ہے مثلاً کسی کو نماز کا طریقہ سکھانے کے لیے جیسے ظہر وعصر میں امام کا بلند آواز سے قرآن پڑھنا خلاف سنت اور

مکروہ ہے مگر صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ بغرض تعلیم کبھی کبھار کوئی آیت اونچی آواز سے پڑھ دیتے تھے۔ ایسی ضرورت کے وقت کراہیت نہیں رہتی۔ لیکن اس کو جواز کا قاعدہ بنالینا یقیناً مکروہ ہے۔ جونا گڑھی نے دو ضعیف حدیثیں لکھیں اور باقی صحیح حدیثوں کو چھپایا اور بالکل یہی دھوکا ہدایہ کے ساتھ کیا اس کی عبارت بھی مکمل نہیں لکھی۔

ہدایہ کی مکمل عبارت اس طرح ہے:

ویکرہ للنساء ان یصلین وحدھن الجماعة لانھا لاتخلو عن ارتکاب محرم و ھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراة ان فعلن قامت الامام وسطھن لان عائشة فعلت کذالك وحمل فعلھا الجماعة علیٰ ابتداء الاسلام ولان فی التقدیم زیادة الکشف. (ھدایہ ص۱۲۳)

جونا گڑھی نے ہدایہ کی عبارت نامکمل پیش کی صاحب ہدایہ نے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہی ثابت کر دیا کہ اس سے ہی کراہت نکلتی ہے کیوں کہ امام کا مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہونا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔

ایک سوال جونا گڑھی صاحب آپ تو حدیث وفقہ میں بددیانتی کر کے بھی تضاد ثابت نہ کر سکے لیکن ذرا دیانت داری سے اس کا جواب دیں کہ آنحضرت ﷺ نے تاکید کے ساتھ دو مرتبہ فرمایا **لا صام من صام الابد** جس نے ہمیشہ کا روزہ رکھا اس کا روزہ ہی نہیں ہوگا۔ (بخاری ج۱ ص۲۶۵) مگر امام شعبہ بن الحجاج صائم الدہر تھے۔

(میزان الکبریٰ ج۱ ص۵۰)

امام بخاری صائم الدہر تھے۔ (میزان الکبریٰ ج۱ ص۵۰) حافظ عبداللہ روپڑی صائم الدہر تھے۔ (نتائج التقلید ص۳۰) ان حضرات کو آپ بخاری مسلم کی متفق علیہ حدیث کا مخالف سمجھتے ہیں یا نہیں سمجھتے ہیں تو ان کے خلاف آپ نے کون سی کتاب لکھی ہے۔

اعتراض نمبر۶۴:

بچوں کی امامت

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ قَالَ فَقَدَّمُوْنِیْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَاَنَا بْنُ سِتٍّ اَوْ سَبْعِ سِنِیْنَ الخ.

یعنی حضرت عمرو بن سلمہ اپنی قوم کے امام تھے اس وقت ان کی عمر چھ سات سال کی تھی یہ حدیث صاف ہے کہ چھوٹا بچہ جب کہ قرآن کا زیادہ قاری ہو وہ امامت کرا سکتا ہے۔

(مشکوٰۃ ص ۱۰۰ جلد اول باب الامامۃ رواہ البخاری)

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا اس مذہب کی سب سے بڑی معتبر کتاب ہدایہ ص ۱۰۲ باب الامامۃ جلد اول میں لکھا ہے وَلَا یَجُوْزُ لِلرِّجَالِ اَنْ یَّقْتَدُوْا بِامْرَاَةٍ اَوْ صَبِیٍّ یعنی مردوں کو جائز نہیں کہ عورتوں کی یا بچوں کی اقتدا میں نماز پڑھیں۔ کہو حنفی بھائیو اب آپ کا کیا فیصلہ ہے جائز مان کر حدیث کو سر آنکھوں پر رکھ کر محمدی بنو گے؟ یا ناجائز مان کر فقہ کو سر آنکھوں پر رکھ کر حنفی بنو گے؟

(شمع محمدی ص ۸۷، ظفر المبین حصہ دوم ص ۵۰، اختلاف امت کا المیہ ص ۵۹، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۱۴، سبیل الرسول ص ۲۳۲، احناف کا رسول اللہ سے اختلاف ص ۳۱۴)

جواب:

جونا گڑھی بچے کی امامت کے جواز میں نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پیش کر سکے کہ بالغ

مرد نابالغ بچے کو اپنا امام بنالیا کریں۔ نہ حضرت کا فعل ثابت کر سکے کہ خود آنحضرت ﷺ نے کسی نابالغ بچے کو اپنا امام بنایا ہو اور نہ یہ ثابت کر سکے ہیں کہ عمرو بن سلمہ سات سالہ بچے کی امامت کا حضور ﷺ کو علم ہوا اور آپ خاموش رہے۔ عمرو بن سلمہ کے خاندان کے لوگ جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے حضرت کا حکم سنا کہ جو زیادہ قرآن پڑھا ہو اس کو امام بناؤ انہوں نے اپنی رائے سے عمرو بن سلمہ کو امام بنالیا اس حال میں کہ عمرو بن سلمہ کی چادر پھٹی ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے چوتڑ ننگے ہوتے تھے پیچھے نماز پڑھنے والی عورتوں نے کہا امام صاحب کے چوتڑ تو چھپادو۔ (ابوداؤد)

جونا گڑھی نے پورا واقعہ اس لیے نقل نہیں کیا کہ اس حدیث سے استدلال کی صحت سے ستر عورت کا وجوب بھی ختم ہو جاتا اور احناف کی ضد میں ان کے ائمہ مساجد کو اس حدیث کے مطابق نمازیں پڑھانی مشکل ہو جاتیں۔

احناف کے دلائل

(۱) آنحضرت ﷺ بچے کو امام بننے کی تو کیا اجازت دیتے وہ بچے کو پہلی صف سے آگے بڑھنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یتقدم الصف الاول اعرابی ولا اعجمی ولا غلام لم یحتلم.

(دار قطنی ج۱ ص۳۹۸)

(۲) اہل طائف نے نماز تراویح میں ایک بچے کو امام بنالیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور خوشخبری یہ بات لکھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تمہیں ہرگز نہیں چاہیے کہ لوگوں کا امام ایسے بچے کو بناؤ جس پر حدود واجب نہیں۔ (عبدالرزاق ج۲ص۳۹۸)

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں منع فرمادیا تھا کہ ہم امامت اس حال میں کرائیں کہ قرآن پاک مصحف سے

دیکھ کر پڑھ رہے ہوں اور ہمیں منع فرمایا کہ ہم کسی نابالغ کو امام بنائیں۔

(کنز العمال ج۴ ص۲۴۶)

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لڑکا اس وقت تک امام نہ بنے جب تک اس پر حدود واجب نہ ہوں (یعنی جب تک بالغ نہ ہو جائے) رواہ الاثرم فی سننہ کذا فی المنتقٰی (اعلاء السنن ج٤ ص۲۸۲)

(۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لڑکا جب تک بالغ نہ ہو امام نہ بنے۔

(عبدالرزاق ج۲ ص۳۹۸)

(۶) مکہ مکرمہ کے مفتی حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں لڑکا امامت نہ کرائے جب تک بالغ نہ ہو۔ (ج۲ ص۳۹۸)

(۷،۸،۹) حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام شعبی، امام مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں لڑکا جب تک بالغ نہ ہو امامت نہ کرائے۔ (ابن ابی شیبہ ص۲۳۳)

(۱۰) ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اس سے کراہت کرتے تھے کہ لڑکا بالغ ہونے سے پہلے امام بنے۔ (المدونہ الکبریٰ ج۱ ص۸۵)

(۱۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کو ضامن فرمایا ہے۔

(احمد، طبرانی، مجمع الزوائد ج۱ ص۱۴۳)

اب اگر امام کی نماز نفل ہوگی اور مقتدی کی فرض ہوگی تو وہ ضامن کیسے بنے گا اور ظاہر ہے کہ نابالغ بچے کی نماز نفل ہوتی ہے اور مردوں کی فرض تو وہ کیسے امام بن سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس مسئلے کو خلاف حدیث کہنا جوناگڑھی کی جہالت کا کرشمہ ہے۔ جوناگڑھی ذرا ہمت کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت ابراہیم نخعی اور اس دور کے صحابہ و تابعین کو منکرین حدیث کی لسٹ میں درج فرمالیں یا پھر بیچارے احناف سے بھی درگزر فرمالیا کریں۔

جوناگڑھی نے جس طرح نقل احادیث میں حق کو چھپایا ایسے ہی فقہ کی کتاب ہدایہ کی عبارت بھی نامکمل نقل کی ولا یجوز للرجال ان یقتدوا بامرأۃ او صبی لانہ متنفل

فلا يجوز اقتداء والمفترض به (هدايه ج۱ ص۱۲۳، ۱۲٤)

جونا گڑھی صاحب آنحضرت ﷺ نے بڑی تاکید سے موت کی تمنا سے منع فرمایا تھا اور بے چارگی کی حالت میں صرف ایک خاص دعا کی اجازت دی تھی ذرا الفاظ ملاحظہ ہوں۔"قال النبی صلی الله علیه وسلم لا یتمنین احدکم الموت من ضرٍّ اصابه فان کان لابد فاعلا فلیقل اللهم احینی ما کانت الحیاة خیرًا لی وتوفنی اذا کانت الوفاة خیرًا لی. (بخاری ج۲ ص۸٤۷ عن عائشة)

لیکن اتنی تاکیدی نہی کے بعد بھی امام بخاری آخر عمر میں یہ دعا مانگتے رہے۔"اے اللہ زمین باوجود کشادگی کے مجھ پر تنگ ہوگئی ہے تو مجھے اپنی طرف اٹھالے" ایک ماہ پورا نہیں ہوا تھا کہ آپ کا وصال ہوگیا (تاریخ بغداد ص۳۴ ج۲، طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج۲ ص۱۴) کیا آپ اس سے یہ نتیجہ نکالیں گے کہ امام بخاری کا وصال مخالفت حدیث پر ہوا ہے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قرآن ختم کرو ولا تزد علٰی ذالك اور اس پر زیادہ مت کرو۔ (صحیح بخاری ج۲ ص۷۵۶)

آنحضرت ﷺ نے ایک ہفتہ سے پہلے قرآن پاک ختم کرنے سے صراحۃً منع فرما دیا۔لیکن پھر بھی امام بخاری روزانہ ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد ج۲ ص۱۲، طبقات الشافعیہ ج۲ ص۹ الحطہ ص۲۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک رات میں پورا قرآن ختم کرتے تھے (طبقات ابن سعد ج۳ ص۵۳) حضرت تمیم داری اور حضرت عبداللہ بن الزبیر بھی رات کو ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ (طحاوی ج۱ ص۲۰۵) امام وکیع بن الجراح ایک رات میں سارا قرآن ختم کردیتے تھے۔ (تاریخ بغداد ج۱۳ ص۴۷۰) امام شافعی نے تین دنوں میں ۹ مرتبہ قرآن ختم کیا (مفتاح الجنہ للسیوطی ص۲۹) کیا آپ ان سب پر مخالفت حدیث کا الزام لگائیں گے۔

اند کے باتو گفتم وغم و دل ترسیدم — کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست

اعتراض نمبر ۶۵:

نماز میں کتر بیونت

(یعنی آخری قعدہ میں تورک کرنا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ فِیْ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَحْفَظُکُمْ لِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّکْعَۃِ الْاٰخِرَۃِ قَدَّمَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ الْاُخْرٰی وَقَعَدَ عَلٰی مَقْعَدِہٖ۔

(رواہ البخاری، مشکٰوۃ، کتاب الصلٰوۃ ص۷۵ جلد اول)

یعنی حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور صحابہ کرام کی ایک جماعت کی موجودگی میں دعوٰی کرتے ہیں کہ تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا حافظ میں ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا نقشہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب آپ آخری رکعت میں بیٹھتے جس میں سلام پھیرنا ہوتا تو اپنے بائیں پیر کو داہنی طرف نکال کر دائیں پیر کے پنجے کو زمین پر ٹکا کر بائیں ران پر بیٹھتے۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے ابوداؤد وغیرہ کی حدیث میں ہے۔ حَتّٰی اِذَا کَانَتِ السَّجْدَۃُ الَّتِیْ فِیْهَا التَّسْلِیْمُ اَخَّرَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَقَعَدَ مُتَوَرِّکًا عَلٰی شِقِّہِ الْاَیْسَرِ یعنی جس رکعت میں سلام پھیرنا ہوتا اس کے التحیات میں آپ تورک کر کے بیٹھتے بائیں جانب پر بیٹھتے بایاں پاؤں ایک طرف نکال دیتے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان صریح اور صحیح حدیثوں کو حنفی مذہب نہیں مانتا اس کا فرمان ہے کہ جلس فی

الْاٰخِيْرَةِ كَمَا جَلَسَ فِي الْاُوْلٰى یعنی آخرت التحیات کی بیٹھک بھی اسی طرح ہے جس طرح پہلی التحیات کی۔ کہو حنفی بھائیو! اب کیا نماز اس طرح پڑھو گے جس طرح حنفی مذہب نے پڑھی؟ یا اس طرح پڑھو گے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے پڑھی؟

(شمع محمدی ص ۸۸، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۱۲، احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف ص ۳۰۰، راہ نجات ص ۹۳ مسئلہ نمبر ۴۶)

جواب:

جونا گڑھی نے یہ اعتراض ظفر المبین سے نقل کیا ہے۔ اس کا جواب فتح المبین ص ۱۱۶ پر دیا گیا تھا۔ اس مسئلہ میں احادیث دونوں قسم کی ہیں۔ جونا گڑھی نے اپنے نظریہ کی نقل کر کے احناف کے مسلک کو حدیث کے خلاف کہہ دیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ احناف کے ہاں دونوں قسم کی روایات میں تطبیق ممکن ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

دلائل احناف:

دونوں قعدوں میں ایک طرح بیٹھنا ہی مسنون ہے اور تورک مسنون نہیں ہے۔

(۱) عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قال قدمت المدينة قلت لانظرن الى صلوٰة رسول صلى الله عليه وسلم فلما جلس يعني للتشهد افترش رجله اليسرى ووضع يده اليسرى يعني على فخذه اليسرى ونصب رجله اليمنى قال ابو عيسٰى هذا حديث حسن صحيح والعمل عليه عند اكثر اهل العلم.

(ترمذی ج۱ ص۶۵)

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے (جی میں) کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے ضرور دیکھوں گا (میں نے دیکھا کہ) جب تشہد میں بیٹھے تو آپ ﷺ نے بایاں پاؤں بچھا کر اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھ لیا اور

دائیں پاؤں کو کھڑا رکھا، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم کی اکثریت کا اسی پر عمل ہے۔

(۲) عَنْ وَایِلِ بْنِ حُجْرٍ قال صليت خلف رسول صلى الله عليه وسلم فلما قعد وتشهد فرش قدمه اليسرى على الارض وجلس عليها.

(سنن سعيد بن منصور، طحاوی ج۱ ص۱۷۸)

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی جب آپ تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں زمین پر بچھا لیا اور اس پر بیٹھ گئے۔

(۳) عن رفاعة بن رافع ان النبى صلى الله عليه وسلم قال للاعرابى اذا سجدت فمكن بسجودك فاذا جلست فاجلس على رجلك اليسرى.

(مسند احمد بن حنبل، مصنف ابن ابی شیبة، ابن حبان بحواله نيل الاوطار ج۲ ص۲۸۲)

حضرت رفاعہ بن رافع سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے اعرابی سے کہا کہ جب تو سجدہ کرے تو اچھی طرح سجدہ کر اور جب (تشہد میں) بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھ۔

(٤) عن عبدالله وهو بن عبدالله بن عمر عن ابيه قال من سنة الصلوٰة ان تنصب القدم اليمنى واستقباله باصابعها القبلة والجلوس على اليسرى.

(نسائی ج۱ ص۱۳۰)

حضرت عبداللہ اپنے والد عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نماز کی سنت میں سے ہے کہ (تشہد میں) دایاں پاؤں کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ رخ رکھی جائیں اور بائیں پاؤں پر بیٹھا جائے۔

(۵) عن عائشة رضى الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه

وسلم يستفتح الصلٰوة بالتكبير والقرأة بالحمد لله رب العالمين وكان اذا ركع لم يشخص رأسه ولم يصوبه وكان بين ذالك وكان اذا رفع رأسه من الركوع لم يسجد حتى يستوى قائما وكان اذا رفع رأسه من السجدة لم يسجد حتى يستوى جالسا وكان يقول فى كل ركعتين التحية وكان يفرش رجله اليسرٰى وينصب رجله اليمنٰى وكان ينهى عن عقبة الشيطان وينهى ان يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع وكان يختم الصلٰوة بالتسليم.

(مسلم ج١ ص١٩٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز اللہ اکبر کے ساتھ اور قرأت الحمدللہ رب العالمین کے ساتھ شروع فرماتے تھے اور جب آپ رکوع کرتے تو اپنا سر مبارک نہ اوپر اٹھاتے تھے اور نہ بالکل نیچے جھکا دیتے تھے۔ دونوں کے درمیان رکھتے تھے، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ میں نہ جاتے جب تک کہ سیدھے نہ بیٹھ جاتے اور آپ ہر دو رکعتوں میں التحیات پڑھتے تھے اور آپ بایاں پاؤں بچھا دیتے اور دایاں کھڑا رکھتے تھے۔ اور شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے تھے اور آپ اس سے بھی منع فرماتے تھے کہ آدمی اپنے دونوں بازوؤں کو درندہ کی طرح بچھا دے اور آپ نماز سلام سے ختم فرماتے تھے۔

(٦) عن انس ان النبى صلى الله عليه وسلم نهٰى عن الاقعاء والتورك فى الصلٰوة. (سنن كبرٰى بيهقى ج٢ ص١٢٠)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے نماز میں اقعاء اور تورک سے منع فرمایا ہے۔

(٧) عن انس ان النبى صلى الله عليه وسلم نهٰى عن الاقعاء والتورا فى الصلٰوة. (مجمع الزوائد ج٢ ص٨٦)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے نماز میں اقعاء اور تورک سے منع فرمایا ہے۔

(۸) عن سمرة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھٰی عن التورك والاقعاء الحدیث. (مجمع الزوائد ج۲ ص۸٦)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے نماز میں تورک اور اقعاء سے منع فرمایا ہے۔

(۹) عن عبداللہ بن عبداللہ انه اخبره انه کان یری عبداللہ بن عمر یتربع فی الصلوٰة اذا جلس ففعلته وانا یومئذ حدیث السن فنھانی عبداللہ بن عمرو وقال انما سنة الصلوة ان تنصب رجلك الیمنٰی وتثنی الیسری فقلت انك تفعل ذالك فقال ان رجلای لا تحملانی. (بخاری ج۱ ص۱۱٤)

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر کو دیکھتے تھے کہ جب آپ (قعدہ میں) بیٹھتے تو چوکڑی مار کر بیٹھتے (فرماتے ہیں کہ) میں ابھی بالکل نوعمر تھا میں بھی ایسا کرنے لگا حضرت عبداللہ بن عمر نے مجھے اس سے روکا اور فرمایا کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ (بیٹھنے میں) دایاں پاؤں کھڑا رکھو اور بایاں پاؤں پھیلا دو میں نے کہا کہ آپ تو اس طرح کرتے ہیں (چوکڑی مارتے ہیں) آپ نے فرمایا میرے پاؤں میرا بار نہیں اٹھاپاتے۔

ان احادیث سے امام صاحب کا مذہب ثابت ہوگیا کہ دونوں قعدے برابر ہیں۔

رہی وہ روایت جو مولانا جوناگڑھی نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں

(۱) یہ روایت مضطرب ہے۔

خود ابوحمید الساعدی کی بعض روایات میں بھی تورک نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حَدَّثَنِی اَبُو الْحُسَیْنِ الْاَصْبِھَانِیُّ قَالَ ثَنَا ھِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ ثَنَا اِسْمٰعِیْلُ

ىن عَيَّاشٍ قَالَ ثَنَا عُتْبَةُ بْنُ اَبِىْ حَكِيْمٍ عَنْ عِيْسَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعَدَاوِيِّ
عن الْعَبَّاسِ بْنِ سَهْلٍ عَنْ اَبِىْ حُمَيْدِ السَّاعِدِيِّ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ لِاَصْحَابِ
رسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وسَلَّمَ قَالُوْا مِنْ اَيْنَ قَالَ رَقَبْتُ ذٰلِكَ مِنْهُ حَتّٰى حَفِظْتُ صَلٰوتَهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ
اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ وَجْهِهٖ فَاِذَا
كبر لِلرَّكُوْعِ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ الرَّكُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ
حمِدَهُ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ فَخِذَيْهِ غَيْرَ
حامِلٍ بَطْنَهُ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَخِذَيْهِ وَلَا مُفْتَرِشٍ ذَرَاعَيْهِ فَاِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ اَضْجَعَ
رجلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى عَلٰى صَدْرِهَا وَيَتَشَهَّدُ

حدیث بیان کی مجھ سے ابوالحسین الاصبہانی نے کہا حدیث بیان کی ہم سے ہشام بن عمار نے کہا حدیث بیان کی ہم سے اسماعیل بن عیاش نے کہا حدیث بیان کی ہم سے عتبہ بن ابی حکیم نے وہ روایت کرتے ہیں عیسیٰ بن عبدالرحمٰن العدوی سے وہ عباس بن سہل سے وہ ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے کہ آپ اصحاب رسول مقبول ﷺ سے فرمایا کرتے تھے کہ میں آپ لوگوں کے درمیان رسول مقبول ﷺ کی نماز سے زیادہ واقف ہوں انہوں نے کہا یہ کیونکر فرمایا آپ کی نماز دیکھتا رہتا تھا یہاں تک کہ میں نے آپ کی نماز یاد کر لی پھر فرمایا رسول مقبول ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو تکبیر تحریمہ کہتے تھے اور روے مبارک تک دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع میں جاتے تب بھی ایسا ہی کرتے تو جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور اسی طرح ہاتھ اٹھاتے اور ربنا ولک الحمد بھی کہتے اور سجدہ کرتے تو پیروں کے درمیان کشادگی رکھتے اور شکم رانوں کے اوپر نہ ڈالتے اور نہ کہنیں زمین پر بچھاتے پھر جب تشہد کے لیے بیٹھتے تو بایاں قدم بچھا لیتے اور داہنا قدم کی انگلیوں کے بل کھڑا کر لیتے اور تشہد پڑھتے۔

جب ابوحمید ساعدی کی ہی روایات مختلف ہیں تو ان پر مسئلہ کی بنیاد رکھ کر یہ کہنا کہ حنفی مسلک حدیث کے خلاف ہے۔ کیسے درست ہو سکتا ہے۔

(۲) اس حدیث کی سند میں محمد بن عمرو بن عطاء ہیں ان کو ابوحمید الساعدی سے اس حدیث کا سماع ثابت نہیں۔

(۳) یہ روایت عذر پر محمول ہے ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ اگر عذر ہو تو آدمی تو رک کر سکتا ہے سنت نہیں ہے سنت وہی طریقہ ہے جو اوپر والی روایات سے ثابت ہوتا ہے۔

اعتراض نمبر ٦٦:

تجارت کا مسئلہ

(یعنی خیار مجلس)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا الخ

(مشکوۃ ص۲۴۳ جلد۱ کتاب البیوع)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ خرید و فروخت کرنے والے دونوں کو اختیار ہے جب تک الگ الگ نہ ہو جائیں۔

یہ حدیث صحیح اور صریح ہے کہ دو شخص جو لین دین کر لیں جب تک جدا نہ ہوں گاہک کو اور بیوپاری کو دونوں کو بیع کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا۔ اس مذہب کی معتبر کتاب ہدایہ ص۲ ج۳ کتاب

الہ ایہ میں ہے۔وَاِذَا حَصَلَ الْاِیْجَابُ وَالْقَبُوْلُ لَزِمَ الْبَیْعُ وَلاَ خِیَارَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا اِلاَّ مِنْ عَیْبٍ اَوْ عَدْمِ رُوْیَةٍ یعنی جب ایجاب وقبول ہو چکا بیع لازم ہوگئی۔دونوں میں سے ایک کو بھی اب اختیار باقی نہیں۔ ہاں سودا عیب دار ہو یا دیکھا ہی نہ ہو تو اور بات ہے۔

کہو حنفی بھائیو! تجارت محمدی شرع پر کرو گے؟ یا حنفی مذہب پر؟

(شمع محمدی ص۸۹،ظفر المبین حصہ اول ص۱۷۴)

جواب:

خیار مجلس میں فقہاءاحناف کا موقف

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ نے فرمایا جب دو شخص بیع کریں اور اس میں اختیار کا ذکر نہ کریں تو جس وقت وہ عقد کریں بیع واجب ہو جاتی ہے اگرچہ وہ الگ الگ نہ ہوں اور اہل مدینہ نے کہا کہ ان کو اس وقت تک اختیار رہتا ہے جب تک وہ اپنے مقام سے یا مجلس سے الگ الگ نہ ہو جائیں اور ان کی یہ بیع بالخیار ہوتی ہے۔امام محمد فرماتے ہیں تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ جب وہ اختیار کی شرط نہ لگائیں تو الگ الگ ہونے سے پہلے ان کو اختیار ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر متفرق ہونے سے پہلے اختیار ہوتا ہے ماسواء بیع الخیار کے ہم نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو دوسرے پر مجلس یا مقام سے متفرق ہونے سے پہلے اختیار رہتا ہے؟ انہوں نے کہا ہر چند کہ مجلس یا جگہ کے الفاظ حدیث میں نہیں ہیں لیکن حدیث کا معنی یہی ہے۔امام محمد فرماتے ہیں ان سے یہ کہا گیا کہ تم سے اس حدیث کا معنی بیان کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے جب تک کہ وہ بیع کے اقوال سے متفرق نہ ہو جائیں۔ جب بائع نے کہا میں

نے یہ چیز فروخت کی تو اب مشتری کو اختیار ہے وہ اس قول کو قبول کرے یا نہ کرے (اور قبول کرنے کے بعد بیع لازم ہے اور اختیار نہیں ہے)

حدیث کی تفسیر اس طریقہ سے ہے امام محمد نے فرمایا ابراہیم نخعی نے بھی اس حدیث کی تفسیر اسی طریقہ سے کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کی تفسیر اسی طرح کی ہے۔ کیوں کہ جب انہوں نے رکاب میں پیر رکھا تو فرمایا لوگ کل کہیں گے کہ عمر نے کیا کہا ہے؟ سنو بیع صفقہ (سودا طے ہونے) سے ہوتی ہے یا خیار سے۔ (امام محمد فرماتے ہیں) تو کیا سودا طے ہونے کے بعد اختیار ہوسکتا ہے؟

نیز ہمیں شریح سے یہ روایت پہنچی ہے کہ جب دو شخص بیع کرلیں تو بیع واجب ہو جاتی ہے اور ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی اختیار نہیں ہوتا۔ نیز امام محمد نے اہل مدینہ پر معارضہ کرتے ہوئے فرمایا اگر تفرق عن المجلس سے پہلے دونوں کو اختیار رہتا ہے تو بتاؤ کہ جب تفریق سے پہلے ایک شخص اختیار کی شرط لگائے اور دوسرا شرط نہ لگائے تو جس شخص نے اختیار کی شرط نہیں لگائی اس کے لیے اختیار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کے شرط نہ لگانے کے خلاف ہے اور اگر اختیار نہیں ہے تو تمہارے قول کے خلاف ہے۔

(کتاب الحجہ ج ۲ ص ۶۹۴ _ ۶۸۰)

خیار مجلس میں فقہاء احناف کے موقف پر قرآن مجید سے استدلال:

ایجاب وقبول کے بعد عقد لازم ہو جاتا ہے اور پھر فریقین میں سے کسی کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ فقہاء احناف نے یہ نظریہ قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے قائم کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اَوْفُوا بِالْعُقُودِ (مائدہ:۱)

اے ایمان والو عقد کو پورا کرو۔

عقد ایجاب وقبول کو کہتے ہیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بائع اور مشتری کو عقد پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (نساء:۲۹)

اے ایمان والو آپس میں ناحق مال مت کھاؤ، البتہ تم باہمی رضامندی سے تجارت کر سکتے ہو۔

تراضی کے ساتھ تجارت ایجاب وقبول کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے، اس لیے اب کسی فریق کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ وہ مجلس میں دوسرے کی مرضی کے بغیر بیع فسخ کر دے۔

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ (بقرہ:۲۸۲)

جب تم بیع کرو (تو اس بیع پر) گواہ کرلو۔

بیع ایجاب وقبول کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے، اگر بیع ایجاب وقبول سے مکمل نہ ہوتی تو اس پر گواہ بنانے کا کوئی مقصد نہ تھا۔

خیار مجلس میں احناف کے موقف پر احادیث سے استدلال:

خیار مجلس میں احناف کا نظریہ حسب ذیل احادیث پر قائم ہے امام مسلم روایت کرتے ہیں:

(۱) عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا ابتعت طعاما فلا تبعه حتی تستوفیه. (صحیح مسلم ج۲ ص۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اناج خریدلو تو اس پر پورا قبضہ کرنے سے پہلے اس کو مت فروخت کرو۔

امام طحاوی فرماتے ہیں یہ حدیث خیار مجلس کی نفی پر دلیل ہے کیوں کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اناج پر قبضہ کے بعد اس کی بیع جائز ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خریدار

مجلس سے اٹھنے سے پہلے اناج پر قابض ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر تفرق عن البدن سے پہلے فریقین کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا تو تفرق عن البدن سے پہلے خریدار کا مبیع کو بیچنا جائز نہ ہوتا۔ حالانکہ مبیع پر قبضہ کے بعد تفرق سے پہلے یہ بیع جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ تفرق عن البدن تک خیار نہیں رہتا اور باب مذکور کی احادیث میں تفرق سے تفرق عن القول مراد ہے تفرق عن البدن مراد نہیں ہے۔

(شرح معانی الاثار ج ۲ ص ۲۰۵)

(۲) امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر قال کنا مع النبی صلی الله علیه وسلم فی سفر فکنت علی بکر صعب لعمر فکان یغلبنی فیتقدم امام القوم فیزجره عمر ویرده ثم یتقدم فیزجره عمر ویرده فقال النبی صلی الله علیه وسلم لعمر بعینه فقال هو لك یا رسول الله، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بعینه فباعه فقال النبی صلی الله علیه وسلم هو لك یا عبدالله بن عمر تصنع به ما شئت.

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ میں حضرت عمر کے ایک اکھڑ اونٹ پر سوار تھا جو میرے قابو میں نہیں آتا تھا اور قوم سے آگے نکل جاتا تھا۔ حضرت عمر اس کو جھڑک کر لوٹاتے تو وہ پھر آگے نکل جاتا۔ حضرت عمر پھر اس کو جھڑک کر لوٹاتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا: یہ اونٹ مجھے بیچ دو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ آپ کی ملکیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ اونٹ فروخت کر دو، پھر حضرت عمر نے رسول اللہ کو یہ اونٹ فروخت کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمر! یہ اونٹ تمہارا ہے تم اس سے جو چاہو کرو۔

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدتے ہی تفرق عن المجلس سے پہلے وہ

اونٹ حضرت عبداللہ بن عمر کو ہبہ کر دیا اگر اس وقت یہ بیع لازم نہ ہوئی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ
لیتے ہی وہ اونٹ ہبہ کرتے۔

(۳) امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں۔

عن رجل من كنانة قال قال عمر حين وضع رجله في الغرز وهم بمنى اسمعوا ما اقول لكم ولا تقولوا قال عمر قال عمر البيع عن صفقة او خيار ولكل مسلم شرطه. (المصنف ج۸ ص۵۲)

کنانہ کے ایک شخص نے بیان کیا کہ منیٰ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکاب میں پیر رکھتے ہوئے فرمایا سنو میں کیا کہہ رہا ہوں اور یہ نہ کہنا کہ یہ عمر کا قول ہے یہ عمر کا قول ہے، بیع یا سودے سے ہوتی ہے یا خیار سے اور ہر مسلمان کو شرط لگانے کا حق ہے۔

امام عبدالرزاق نے یہ حدیث حجاج سے بھی روایت کی ہے۔

(المصنف ج۸ ص۵۲)

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں صفقہ (سودا طے ہو جانا) اس بیع کو کہتے ہیں جو نافذ اور لازم ہو اس سے معلوم ہوا کہ بیع کی دو قسمیں ہیں ایک بیع لازم جس میں اختیار نہ ہو اور دوسری بیع لازم جس میں اختیار ہو اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہر بیع میں اختیار ہوتا ہے وہ اس حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔ (المبسوط ج۱۳ ص۵۶)

اعتراض نمبر ۶۷:

قانون شہادت

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِيَمِيْنٍ وَّشَاهِدٍ.

(رواه مسلم مشكوة ص۳۲۷ ج۲ باب الاقضية كتاب الامارة)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ لے کر پھر مدعی کو قسم کھلا کر فیصلہ فرمایا۔

یہ حدیث کھلی دلیل ہے کہ ایک گواہ کے بعد دوسرا گواہ میسر نہ آنے پر مدعی کی قسم پر بھی فیصلہ ہوسکتا ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس صریح اور صحیح حدیث کو نہیں مانتا۔ان کی مذہبی کتاب ہدایہ باب الیمین کتاب الدعوی ص ۱۸۷ جلد ۳ میں ہے ولا ترد الیمین الی المدعی یعنی مدعی کی جانب قسم نہ لوٹائی جائے۔

کہو حنفی بھائیو حدیث وفقہ کے حکم کا اختلاف آپ کے سامنے ہے۔اب کیا آپ قانون مدنی کا احترام کریں گے یا قانون کوفی کا؟

(شمع محمدی ص ۹۰، ظفر المبین حصہ اول ص ۲۱۲)

جواب:

امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ کسی مقدمے میں فیصلہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مدعی اپنے گواہ پیش کرے جو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں یا گواہی کا نصاب پورا نہ ہوتو پھر مدعی علیہ سے قسم لی جائے کہ مدعی کا دعویٰ غلط ہے۔اگر مدعی علیہ حلف اٹھالے تو وہ بری ہو جائے گا اور اگر حلف اٹھانے سے انکار کردے تو مدعی کا دعویٰ درست مان کر اس کے خلاف فیصلہ کردیا جائے گا۔

فیصلہ کرنے کا یہ طریقہ شریعت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے جن کا ذکر ابھی آئے گا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مدعیٰ علیہ کے قسم نہ اٹھانے کی صورت میں مدعی کے ایک گواہ کے ساتھ اس کی قسم پر مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ کرنا درست نہیں کیوں کہ اس طریقہ میں ایک

تو گواہی کا شرعی نصاب یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں پورا نہیں۔ دوسرا اس میں مدعی سے قسم لی جاتی ہے حالانکہ قسم صرف مدعی علیہ کے ذمہ ہوتی ہے۔ امام صاحب کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

حنفی مذہب کا قرآن سے ثبوت

پہلی آیت:

وَاسْتَشْهِدُواْ شَهِيدَيْنِ من رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وامْرَأَتَانِ (البقرة:۲۸۲)

اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔

دوسری آیت:

وَأَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُمْ (الطلاق:۲)

اور آپس میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ کر لو۔

حنفی مذہب کا احادیث سے ثبوت

حدیث نمبر۱:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگوں کے دعووں کے مطابق ان کا فیصلہ کر دیا جائے تو لوگ دوسرے لوگوں کی جانوں اور اموال پر دعویٰ کر بیٹھیں گے لیکن مدعی علیہ پر یمین (قسم) لازم ہے۔

(مسلم، کتاب الاقضیہ، باب الیمین علی المدعی علیہ)

حدیث نمبر۲:

ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

البَيِّنَةُ عَلَى الْمَدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ.

لیکن گواہ مدعی پر اور قسم مدعا علیہ (یعنی انکاری) پر۔

(مشکوٰۃ باب الاقضیہ والشہادات)

حدیث نمبر ۳:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے۔

البَيِّنَةُ عَلَى مِنِ ادَّعٰى وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ وَالصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا صُلْحًا اَحَلَّ حَرَامًا اَوْ حَرامٌ حَلاَةَ الخ

یعنی گواہ لانے مدعی کے ذمہ ہیں اور قسم مدعا علیہ پر اور صلح درمیان مسلمانوں کے جائز ہے مگر وہ صلح جس سے حلال کا حرام کرنا یا حرام کا حلال کرنا لازم آوے۔ (بیہقی)

حدیث نمبر ۴:

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

اَلْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ.

قسم مدعی علیہ پر ہے۔

(بخاری کتاب التفسیر، تفسیر آل عمران آیت نمبر ۷۷ حدیث نمبر ۴۲۰۳ باب ان الذین یشترون، ابو داؤد باب الیمین علی المدعی علیه)

حدیث نمبر ۵:

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی ایک لمبی حدیث میں اشعث بن قیس کا واقعہ آتا ہے۔ ابی وائل (راوی حدیث) کہتے ہیں پھر اشعث بن قیس داخل ہوئے اور کہنے لگے۔ ابوعبدالرحمٰن (یہ کنیت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کی) نے آپ کو کیا بیان کیا ہے؟ ہم نے کہا: ایسے ایسے، وہ کہنے لگے یہ آیات میرے بارے میں نازل ہوئیں، میرے چچازاد

بھائی (خفیش بن معدان بن معدی کرب) کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا۔ (میں اس کے ساتھ جھگڑے کا فیصلہ نبی کریم کے پاس لے گیا) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تیرے پاس گواہ ہے یا اس کی قسم سے فیصلہ کروں، میں نے کہا میرے پاس گواہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر اس کی قسم کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول وہ تو قسم اٹھا دے گا اس وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کا مال غصب کرنے کے لیے جھوٹی قسم اٹھائی وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ناراض ہو گا۔

(بخاری کتاب التفسیر باب قوله ان الذین یشترون، مسلم کتاب الایمان، باب وعید من اقتطع حق مسلم)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ گواہ مدعی کی ذمہ ہیں اور قسم مدعا علیہ پر۔

حدیث نمبر ٦:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جو شخص کسی کا مال ہضم کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائے گا تو (مرنے کے بعد) جب وہ اللہ سے ملے گا اللہ اس پر سخت غصے ہوگا بعد ازاں اس کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ الٰی عَذَابٌ اَلِیْمٌ

(راوی ابی وائل کہتے ہیں) عبداللہ یہ حدیث بیان کر چکے تو اشعث بن قیس ہمارے سامنے آئے انہوں نے پوچھا ابو عبدالرحمٰن (عبداللہ بن مسعود) نے تم سے کیا حدیث بیان کی۔ ہم نے ان سے کہہ دی۔ انہوں نے کہا عبداللہ سچ کہتے ہیں یہ آیت میرے ہی متعلق نازل ہوئی۔ اس کا پس منظر یہ ہے۔

میرے اور ایک شخص میں جھگڑا ہوا ہم نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا شَاهِدَاكَ اَوْ يَمِينُهُ یا تو دو گواہ لا یا اس سے قسم لے۔ میں نے عرض کیا

میرے پاس گواہ نہیں اور قسم تو وہ جھوٹی کھالے گا کچھ پرواہ نہ کرے گا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال ہضم کرلے گا تو جب (آخرت میں) اللہ سے ملے گا اللہ اس پر غصے ہوگا بعدازاں اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق نازل فرمائی۔ آپ ﷺ نے یہی آیت پڑھی۔ (بخاری کتاب الشہادت باب الیمین علی المدعیٰ علیہ)

اس روایت میں حضور اکرم ﷺ نے فیصلہ کرنے کی بس یہی صورت بتائی ہے یہ نہیں فرمایا کہ یا تم ایک گواہ لاؤ اور ساتھ قسم اٹھالو۔

حدیث نمبر ۷:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنے خطبہ میں گواہ لانا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم کھانا مدعی علیہ کے ذمہ ہے۔

(جامع ترمذی، ابواب الاحکام، باب ما جاء ان البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه)

حدیث نمبر ۸:

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا گواہ مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعیٰ علیہ کے ذمہ ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۲۸۲، بن حجر نے معجم طبرانی سے اس کو نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے)

حدیث نمبر ۹:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور اس میں دوسرے احکامات کے علاوہ یہ بھی لکھا کہ

گواہ مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعی علیہ کے ذمہ الخ

(سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۰۶، بیہقی)

حدیث نمبر۱۰:

مصنف عبدالرزاق میں مرسلا مروی ہے کہ حضرت عباس نے حضرت عمر کے پاس دعویٰ کیا کہ حضور ﷺ نے انہیں بحرین میں ایک زمین دی تھی۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ اس کے گواہ کون ہیں؟ حضرت عباس نے کہا مغیرہ بن شعبہ گواہ ہیں۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ دوسرا گواہ کون ہے؟ حضرت عباس نے کہا کہ دوسرا گواہ کوئی نہیں۔ تو حضرت عمر نے کہا پھر زمین آپ کو نہیں مل سکتی۔ پھر حضرت عمر نے ایک گواہ کے ساتھ قسم پر فیصلہ کرنے سے انکار کیا۔ حضرت عباس نے کچھ اصرار کیا تو حضرت عمر نے عبداللہ بن عباس سے کہا کہ آپ اپنے باپ کا ہاتھ پکڑو اور انہیں لے جاؤ۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۳۰۸)

حدیث نمبر۱۱:

امام زہری سے جو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے موسوم ہیں۔ ایک گواہ کے ساتھ قسم پر فیصلہ کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا

هذا شيء احدثه الناس لا بد من شاهدين

یہ وہ چیز ہے جو لوگوں نے ایجاد کر لی ہے۔ فیصلے کے لیے دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ (مصنف عبدالرزاق، الجوہر النقی بھامش البیہقی ص ۱۷۵ ج ۱۰)

مندرجہ بالا دلائل بالکل واضح اور صریح ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فیصلہ کرنے کا یہ طریقہ دور صحابہ و تابعین میں سنت ثابتہ کی حیثیت سے رائج تھا۔ امام ابو حنیفہ کا طریقہ اجتہاد یہ ہے کہ وہ اپنی رائے کی بنیاد قرآن کی نصوص مشہور و معمول بہ احادیث اور شریعت کے اصول کلیہ پر رکھتے ہیں اور اگر ایک یا زیادہ اخبار آثار ان کے خلاف وارد ہوں تو ان کی تشریح قرآن مجید، معمول بہ احادیث اور اصول کلیہ کی روشنی میں کرتے ہیں اور اگر کسی طرح سے اخبار آحاد کی تاویل ممکن نہ ہو تو نصوص قرآن، معمول بہ احادیث اور اصول کلیہ کو اختیار

کر کے اخبار احاد کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اسی اصول کے مطابق انہوں نے زیر بحث مسئلے میں اس روایت کو قبول نہیں کیا جو جونا گڑھی نے نقل کی ہے۔ کیوں کہ وہ قرآن مجید اور مشہور و معمول بہ احادیث کے خلاف ہے۔

اعتراض نمبر ۶۸:

وتر میں اختلاف

(یعنی نو رکعت وتر ایک سلام سے پڑھنا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ يُصَلِّيْ تِسْعَ رَكَعَاتٍ لاَ يَجْلِسُ فِيْهَا اِلاَّ فِي الثَّامِنَةِ فَيَذْكُرُ اللهَ وَيَحْمَدُهُ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يَنْهَضُ وَلاَ يُسَلِّمُ فَيُصَلِّي التَّاسِعَةِ ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذْكُرُ اللهَ وَيَحْمَدُهُ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا.

(رواہ مسلم مشکوٰۃ ص۱۱۱ ج۱ باب الوتر کتاب الصلوٰۃ)

یعنی رسول اللہ ﷺ رات کو نو رکعت نماز پڑھتے آٹھویں رکعت میں ہی تشہد کے لیے بیٹھتے پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور نویں رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے۔

دوستو! کیا یہ حدیث صریح اور صحیح اس امر پر نہیں؟ کہ نو رکعت ایک سلام سے پڑھ سکتے ہیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن آپ کا حنفی مذہب اسے نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ آٹھ سے زیادہ رکعتیں ایک سلام سے پڑھنی مکروہ (یعنی حرام) ہیں دیکھیے آپ کے مذہب کی اول نمبر کتاب ہدایہ ص ۱۲۷ جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب النوافل میں ہے **فاما نافلة الليل قال ابو حنيفة ان صلى**

لمان ركعات بتسليمة جاز و تكره الزيادة على ذالك وقالا لا يزيد بالليل على ركعتين بتسليمة.

یعنی امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں رات کی نماز میں آٹھ رکعت تک تو ایک سلام سے پڑھ سکتا ہے اس سے زیادہ کا ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہے اور ان کے دونوں شاگردان رشید فرماتے ہیں کہ ایک سلام سے دو رکعت سے زیادہ پڑھے ہی نہیں۔

حنفی بھائیو! اب تم کہو امام صاحب کی مانو گے؟ یا ان کے شاگردوں کی؟ یا رسول اللہ ﷺ کی؟

(شمع محمدی ص ۹۰، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۳۶، احناف کا رسول اللہ سے اختلاف ص ۳۴۴)

جواب:

جونا گڑھی نے یہ اعتراض ظفر المبین سے نقل کیا ہے اس کا جواب فتح المبین ص ۱۳۴ پر دیا گیا ہے۔ مختصر جواب یہ ہے کہ امام سرخسی میں لکھا ہے۔

الا اصح ان الزيادة لا تكره لما فيها من وصل العبادة وهو افضل.

یعنی صحیح تر یہ ہے کہ آٹھ رکعت سے زیادہ مکروہ نہیں اس لیے کہ اس میں اتصال عبادت ہے اور وہ بہتر ہے۔ (بحوالہ تبیین الحقائق باب الوتر والنوافل)

امام سرخسی حنفی کی اس عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ہمارے ہاں مکروہ نہیں باقی وتروں کے متعلق حنفی طریقہ قرآن وسنت کے مطابق ہے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

وتر پڑھنے کا طریقہ:

ابتدائے اسلام میں نماز میں سلام کلام کی بھی گنجائش تھی اور وتر نفل تھے اس لیے بعض اوقات آنحضرت ﷺ تین وتروں میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیتے اور ایک وتر علیحدہ پڑھ لیتے، دیکھنے والے اس کو دو طرح روایت کر دیتے بعض صرف آخری رکعت کا خیال کر

کے اسے ایک رکعت ہی روایت کر دیتے اور بعض یوں بیان کر دیتے کہ تین دو سلاموں سے ادا فرمائے لیکن جیسے باقی نمازوں میں سلام کلام جائز نہیں رہا ایسے ہی وتر کے درمیان بھی سلام کلام جائز نہیں رہا۔

وتر تین رکعات ہیں:

(۱) عن ابی بن کعب قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الوتر بسبح اسم ربك الاعلیٰ وفی الرکعة الثانیة بقل یاایها الکافرون وفی الثالثة بقل ھو اللہ احد ولا یسلم الا فی آخرھن ویقول یعنی بعد التسلیم سبحان الملك القدوس ثلاثا. (نسائی ج۱ ص۱۹۱)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر (کی پہلی رکعت) میں سبح اسم ربک الاعلیٰ، دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکافرون، تیسری رکعت میں قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے اور سلام فقط آخری رکعت ہی میں پھیرتے تھے اور سلام پھیرنے کے بعد تین دفعہ سبحان الملک القدوس کہتے تھے۔

(۲) عن عائشة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صلی العشاء دخل المنزل ثم صلی رکعتین ثم صلی بعدھما رکعتین اطول منھما ثم اوتر بثلاث لا یفصل بینھن الحدیث. (مسند احمد ج٦ ص١٥٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو گھر تشریف لاتے پھر دو رکعت پڑھتے پھر ان سے لمبی دو رکعتیں اور پڑھتے پھر تین رکعات وتر پڑھتے اور ان تینوں رکعتوں میں فصل نہیں فرماتے تھے (یعنی دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے)

(۳) عن سعد بن ھشام أن عائشة حدثته ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یسلم فی رکعتی الوتر.

(نسائی ج۱ ص۱۹۱، مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص۲۵۹)

حضرت سعد بن ہشام سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(٤) عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يسلم فى الركعتين الاوليين من الوتر.

(مستدرك حاكم ج١ ص٣٠٤، دار قطنى ج٢ ص٣٢)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(٥) عن عائشه قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بثلث لا يسلم الا فى آخرهن وهذا وتر امير المومنين عمر بن الخطاب رضى الله عنه وعنه اخذه اهل المدينة. (مستدرك حاكم ج١ ص٣٠٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور سلام فقط آخری رکعت میں پھیرتے تھے اور یہی امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بھی وتر ہیں، انہیں سے یہ اہل مدینہ نے لیے ہیں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تین وتر ایک سلام سے پڑھتے تھے:

(٦) عن المسور بن مخرمة قال دفنا ابا بكر ليلا فقال عمر انى لم اوتر فقام وصففنا وراءه فصلى بنا ثلاث ركعات لم يسلم الا فى آخرهن.

(طحاوى ج١ ص٢٠٢، مصنف ابن ابى شيبة ج٢ ص٢٩٣، مصنف عبد الرزاق ج٣ ص٢٠)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا، (فراغت پر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے وتر نہیں پڑھے، آپ کھڑے ہوئے تو ہم نے بھی آپ کے پیچھے صف باندھ لی، آپ نے ہمیں تین رکعات نماز

وتر پڑھائی اور سلام فقط ان کے آخر ہی میں پھیرا۔

(۷) عن عمر بن الخطاب انه اوتر بثلث رکعات لم یفصل بینهن بسلام. (مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص۲۹٤)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے تین رکعات وتر پڑھے اور تینوں رکعتوں میں سلام کے ذریعہ فصل نہیں کیا۔ (یعنی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرا۔)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی وتر تین رکعات ایک سلام سے پڑھتے تھے:

(۸) عن الحسن قال کان ابی بن کعب یوتر بثلاث لایسلم الا فی الثالثة مثل المغرب. (مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۲٦)

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے اور سلام فقط تیسری رکعت میں پھیرتے تھے مغرب کی نماز کی طرح۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ تین رکعات وتر ایک سلام سے پڑھتے تھے:

(۹) عن ثابت قال قال انس یا ابا محمد خذ علی فانی اخذت عن رسول الله صلی الله علیه وسلم واخذ رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الله ولن تاخذ عن احد اوثق منی قال ثم صلی بی العشاء ثم صلی ست رکعات یسلم بین الرکعتین ثم اوتر بثلٰث یسلم فی آخرهن.

(کنز العمال ج۸ ص٦٦)

حضرت ثابت فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابو محمد مجھ سے اخذ کرلو کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے اخذ کیا ہے اور تم ہرگز مجھ سے زیادہ ثقہ آدمی سے اخذ نہیں کرسکتے۔

حضرت ثابت فرماتے ہیں کہ پھر آپ نے مجھے عشاء کی نماز پڑھائی پھر چھ رکعات نفل ادا کیے ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے رہے پھر آپ نے تین رکعات وتر پڑھے اور ان کے آخر

سلام پھیرا۔

(۱۰) عن ثابت قال صلی بی انس الوتر وانا عن یمینه وام ولده خلفنا ثلاث رکعات لم یسلم الا فی آخرهن ظننت انه یرید ان یعلمنی.

(طحاوی ج۱ ص۲۰۲)

حضرت ثابت فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجھے وتر کی تین رکعتیں پڑھائیں اس حال میں کہ ان کی دائیں جانب تھا اوران کی ام ولد ہمارے پیچھے آپ نے سلام فقط آخر میں پھیرا میرا غالب گمان یہ ہے کہ آپ مجھے وتر کا طریقہ سکھلا رہے تھے۔

حضرت مکحول بھی وتر تین رکعات ایک سلام سے پڑھتے تھے:

(۱۱) عن مکحول انه کان یوتر بثلٰث لا یسلم فی رکعتین.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص۲۹٤)

حضرت مکحول سے مروی ہے کہ وہ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے اور دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا وتر کے متعلق فیصلہ:

(۱۲) ثنا ابن وهب قال اخبرنی ابن ابی الزناد عن ابیه قال اثبت عمر بن عبد العزیز الوتر بالمدینة بقول الفقهاء ثلثا لایسلم الا فی آخرهن.

(طحاوی ج۱ ص۲۰۳)

ہمیں حدیث بیان کی ابن وہب نے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے خبر دی ابن ابوالزناد نے اپنے والد کے واسطے سے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ طیبہ میں فقہاء کے قول کے مطابق وتر تین رکعات مقرر کر دیئے تھے جن میں سلام صرف آخر میں پھیرا جاتا تھا۔

مدینہ طیبہ کے سات فقہاء بھی ایک سلام کے ساتھ تین رکعات وتر کے قائل تھے:

(۱۳) ثنا عبدالرحمن بن ابی الزناد عن ابیه عن (الفقهاء) السبعة سعید بن المسیب وعروة بن الزبیر والقاسم بن محمد وابی بکر بن عبدالرحمن وخارجة بن زید و عبید الله وسلیمان بن یسار فی مشیخة سواهم اهل فقه وصلاح وفضل و ربما اختلفوا فی الشیء فاخذ بقول اکثرهم و افضلهم رأیا فکان مما وعیت عنهم علٰی هذه الصفة ان الوتر ثلٰث لایسلم الا فی آخرهن. (طحاوی ج۱ ص۲۰٤)

ہم سے حدیث بیان کی عبدالرحمٰن بن ابو الزناد نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے اورانہوں نے روایت کی سات (فقہاء تابعین) یعنی سعید بن میتب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، خارجہ بن زید، عبیداللہ بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار سے ان کے علاوہ فقیہ اہل صلاح اور صاحب فضل بزرگوں کی موجودگی میں روایت کی یہ بزرگ اگر کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو اس شخص کے قول پر عمل کرتے جو زیادہ ذی رائے اور افضل ہوتا، میں نے جو باتیں ان سے یاد کی ہیں اس طریقہ پر ان میں سے ایک یہ ہے کہ وتر تین رکعات ہیں جن میں سلام فقط آخر ہی میں پھیرا جائے گا۔

اہل اسلام کا اجماع کہ وتر ایک سلام سے تین رکعات ہیں:

(۱٤) عن الحسن قال اجمع المسلمون ان الوتر ثلٰث لا یسلم الا فی آخرهن. (مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص۲۹٤)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعات ہیں جن میں صرف آخری رکعت ہی میں سلام پھیرا جائے گا۔

(۱۵) حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے (ہزاروں) اصحاب (تین وتر پڑھتے تھے) اور دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوا کہ اکثر مسلمانوں کا ان ہی احادیث پر عمل جاری رہا
لعت کے بعد سلام پھیرنے پر عمل تو کیا جاری رہتا۔ کسی راوی نے صرف حدیث ہی
لی تو شاگرد سن کر کہنے لگا کہ انی لاخاف ان یقول الناس هی البتیرأ میں ڈرتا
لوگ اس طریقے کو دم کٹی نماز کہیں۔ (طحاوی ج ا ص ۱۹۲)

ظاہر ہے کہ اس وقت لوگ یا صحابہ تھے یا تابعین ان کا اس طریقے کو دم کٹی کہنا اس
ے متروک العمل ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ کوئی شخص کھڑے ہو کر پیشاب کرنے
رتا تو لوگ اعتراض کرتے۔

وس کہ غیر مقلدین نے احناف کی ضد میں ان احادیث پر عمل چھوڑ رکھا ہے جن پر
ل جاری رہا اور شاذ روایات کو اپنانا اپنا مشن بنالیا ہے۔

یانی قعدہ:

ناف کی ضد میں یا تو غیر مقلدین دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے ہیں یہ غلط طریقہ
اس کہ اس پر عمل باقی نہیں رہا یا احناف کی ضد میں دو رکعت پر سرے سے قعدہ ہی نہیں
یہ بھی ترک واجب ہے۔

(۱) ابوداؤد شریف میں حدیث ہے کہ ایک نماز میں آنحضرت ﷺ درمیانی قعدہ
بھول گئے تو آپ نے سجدہ سہو فرمایا۔

اس لیے اگر کوئی بھول کر بھی یہ قعدہ نہ کرے تو سجدہ سہو واجب ہے ورنہ اعادہ نماز
ب ہے۔

(۲) عن عائشة قالت (فی حدیث طویل) و کان یقول فی کل رکعتین التحیة. (مسلم ج۱ ص۱۹٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (ایک لمبی حدیث کے ذیل میں) فرماتی ہیں کہ اور آنحضرت ﷺ
تے تھے کہ ہر دو رکعت میں التحیات ہے۔

(۳) عن الفضل بن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الصلوٰة مثنیٰ مثنیٰ تشهد فی کل رکعتین، الحدیث. (ترمذی ج۱ ص۸۷)

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز دو دو رکعت ہوتی ہے، ہر دو رکعتوں میں تشہد ہے۔

(٤) عن عبدالله بن مسعود مرفوعًا الی النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا قعدتم فی کل رکعتین فقولوا التحیات لله، الحدیث.

(نسائی ج۱ ص۱۳۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب تم ہر دو رکعت میں قعدہ کرتو التحیات للہ (آخر تک) پڑھو۔

(۵) عن ام سلمة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال فی کل رکعتین تشهد و تسلیم علی المرسلین وعلی من تبعهم من عباد الله الصالحین.

(مجمع الزوائد ج۲ ص۱۳۹)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر دو رکعت مین تشہد ہے اور رسولوں پر ان کی پیروی کرنے والے اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہے۔

(٦) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتوں پر کھڑے ہو گئے لوگوں نے سبحان اللہ کہا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرواہ نہیں کی پس جب آپ نماز پوری کر چکے تو دو سجدے سہو کے کیے اور پھر سلام پھیرا۔ (رواہ البزار مجمع الزوائد ج۱ ص۲۰۲) اور کہا اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

(۷) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ دو دو رکعت کا کیا مطلب ہے تو فرمایا ان تسلم فی کل رکعتین (صحیح مسلم ج۱ ص۲۵۷)

کہ تم ہر دو رکعت پر سلام پھیرو۔ چنانچہ تہجد کی نماز میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جاتا تھا اس وتر کی دو رکعت کے بعد آخر میں یہ سلام باقی نہ رہا تو التحیات پڑھ کر بغیر سلام پھیرے تیسری رکعت میں کھڑے ہوتے تھے اس لیے وہ تمام حدیثیں بھی جن میں سلام کی نفی ہے اسی کی دلیل ہیں۔

اور وہ تمام احادیث جن میں نماز وتر کو نماز مغرب جیسا قرار دیا ہے (جو پہلی گزری ہیں) وہ بھی درمیانی قعدہ کے لیے دلیل ہیں کیوں کہ مغرب کے تین فرضوں کی دو رکعتوں کے بعد اگر التحیات نہ پڑھے یعنی قعدہ نہ کرے تو بالاتفاق سجدہ سہو واجب ہے۔

(۸) عن عبداللہ قال ارسلت امی لیلةً لتبیت عند النبی صلی اللہ علیه وسلم فتنظر کیف یوتر فصلی ما شاء اللہ ان یصلی حتی اذا کان آخر اللیل واراد الوتر قرأ بسبح اسم ربك الاعلیٰ فی الرکعة الاولیٰ وقرأ فی الثانیة قل یا ایها الکفرون ثم قعد ثم قام ولم یفصل بینهما بالسلام ثم قرأ بقل هو اللہ احد حتی اذا فرغ کبر ثم قنت فدعا بما شاء اللہ ان یدعو ثم کبر و رکع الخ. (الاستیعاب فی معرفة الاصحاب لابن عبدالبر ج٤ ص٧١)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ کو ایک دفعہ رات گزارنے کے لیے نبی علیہ السلام کے یہاں بھیجا تا کہ وہ یہ دیکھیں کہ آپ وتر کیسے پڑھتے ہیں (آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ) آپ نے نماز پڑھی جتنی کہ اللہ تعالیٰ نے چاہی حتی کہ جب رات کا اخیر ہو گیا اور آپ نے وتر پڑھنے کا ارادہ کیا تو پہلی رکعت میں **سبح اسم ربك الاعلیٰ** اور دوسری میں **قل یا ایها الکفرون** پڑھیں پھر قعدہ کیا پھر قعدہ کے بعد کھڑے ہوئے اور ان کے درمیان سلام کے ساتھ فصل نہیں کیا پھر آپ نے **قل هو اللہ احد** پڑھی جب آپ قرأت سے فارغ ہوئے تو تکبیر کہی اور دعائے قنوت پڑھی اور قنوت میں جو اللہ نے چاہا دعا مانگی پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کیا۔

(۹) عنْ عبداللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ فاذا اردت ان تنصرف فارکع رکعة توتر لك ماصلیت قال القاسم ورأینا انا سامنذ ادرکنا یوترون بثلٰث الحدیث.

(بخاری ج۱ ص۱۳۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہوتی ہے پھر جب تمہارا فارغ ہو کر جانے کا ارادہ ہو تو ایک رکعت اور پڑھ لو یہ تمہاری پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنا دے گی۔ حضرت قاسم فرماتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو دیکھا جب سے ہم نے ہوش سنبھالا کہ وہ وتر تین رکعات ہی پڑھتے ہیں۔

دیکھئے بخاری شریف کی اس حدیث سے تین رکعت وتر ایک سلام اور دو التحیات سے ثابت ہو گئے ان سب مشہور روایات کے خلاف غیر مقلدین جس روایت سے استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے۔

امام حاکم نے پہلے دو سندوں سے سعید بن ابی عروبہ عن قتادہ عن زرارہ بن ابی اوفی عن سعد بن ہشام بن عائشہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث مستدرک حاکم کے علاوہ نسائی ج۱ ص ۲۴۸، موطا امام محمد ص ۱۵۱، طحاوی ج۱ ص ۱۹۳، محلی ابن حزم ج۲ ص ۴۸، ابن ابی شیبہ ج۲ ص ۲۹۵، دار قطنی ص ۱۷۵، بیہقی ج۳ ص ۳۱، مسند احمد ج۶ ص ۱۵۶، طبرانی صغیر ان دس کتابوں میں حدیث کے الفاظ یہی ہیں کہ دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

اخبرنا ابو نصر احمد بن سهل الفقیه بنجار ثنا صالح بن محمد بن حبیب الحافظ ثنا شیبان بن فروخ ابن ابی شیبة ثنا ابان عن قتادة عن زراه بن ابی اوفٰی عن سعد بن هشام عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوتر بثلاث لا یسلم (فی نسخة لا یقعد) الا فی آخرهن وهذا

وتر امیر المومنین عمر بن الخطاب وعنه اخذه اهل المدینة.

(المستدرك ج۱ ص۳۰۴)

گویا دس سندوں میں تو اتفاق ہے کہ حدیث کے الفاظ لایسلم ہیں یعنی آپ دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے اور گیارھویں سند میں دو نسخے ہیں ایک تو یہی لایسلم دوسرا لا یقعد کہ آپ دو رکعتوں کے بعد نہیں بیٹھتے تھے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ یہ نسخہ جو گیارہ سندوں کے خلاف ہے اس کی سند اور متن کی تحقیق کی جائے کیوں کہ اس نسخہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے متواتر آیت قرآنی کے خلاف کوئی شاذ قرأت ہو یا محکم کے مقابلہ میں متشابہ آ جائے۔

اس کی سند کے پہلے دو راویوں کے حالات نہ تقریب میں ملے ہیں نہ تذکرہ الحفاظ اور میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب میں۔

تیسرے راوی شیبان بن فروخ کے بارہ میں تقریب التہذیب ص ۱۴۸ پر لکھا ہے صدوق یہم ورمی بالقدر یعنی سچا ہے مگر وہم کا شکار تھا اور تقدیر کے انکار کی بھی تہمت اس پر تھی۔

چوتھا راوی ابان ہے ابان کی ولدیت سند میں مذکور نہیں تقریب التہذیب میں دس ابان نامی راوی ہیں جن میں سے آٹھ ضعیف ہیں اور دو ثقہ ہیں علامہ نیموی نے اس کو ابان بن یزید قرار دیا ہے لیکن ان کی بات غیر مقلدین کے لیے حجت نہیں بن سکتی اور علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ ابان بن یزید گو ثقہ ہے لیکن اس کی یہ روایت ثقہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہے۔ (آثار السنن ج۱ ص۱۵)

فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے ابان کی روایت میں بجائے لا یقعد کے لا یسلم ہے (یعنی سلام نہیں پھیرا کرتے تھے) اس لیے امام بیہقی کی تصریح کے مطابق لا یقعد والے الفاظ کو خطاء اور غلطی تصور کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج۴ ص۱۹۹)

اس روایت کا مدار قتادہ پر ہے اور قتادہ جب عن سے روایت کرے تو غیر مقلدین کا اتفاق ہے کہ اس کی روایت حجت نہیں کیوں کہ صحیح مسلم کی حدیث واذا قرأ فانصتوا کو ماننے سے اسی لیے انکار کیا ہے کہ قتادہ عن سے روایت کر رہا ہے۔ اور نسائی ج۱ ص۱۲۴ کی حدیث مالک بن الحویرث جس میں سجدوں کے وقت بھی رفع یدین کرنے کا ذکر ہے قتادہ عن سے روایت کرتے ہیں اور یہ لوگ اس کو نہیں مانتے اس لیے قتادہ کی روایت ان کے نزدیک کیسے حجت بن سکتی ہے اس لیے سند کے اعتبار سے یہ روایت ہرگز قابل استدلال نہیں۔

اس کے متن پر غور کریں تو بھی جملہ لا یقعد صحیح نہیں کیوں کہ اس کے بعد اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ وتر پڑھنے کا یہ طریقہ حضرت عمر کا تھا اور یہ طریقہ اہل مدینہ نے ان سے اخذ کیا اب دیکھنا ہے کہ حضرت عمر کا طریقہ لا یقعد والا تھا یا لا یسلم والا تو پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت صدیق اکبر کے دفن کے بعد جب حضرت عمر نے سب کو نماز وتر پڑھائی تو آخر میں سلام پھیرا اس میں لا یسلم ہے لا یقعد نہیں۔

حسن بصری سے جب کہا گیا کہ حضرت ابن عمر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے تو حسن بصری نے فرمایا کہ ان کے والد حضرت عمر بڑے فقیہ تھے وہ دوسری رکعت پر سلام پھیرے بغیر تکبیر سے اٹھتے تھے۔ (مستدرک ج۱ ص۳۰۴) حضرت عمر سے کسی صحیح سند سے لا یقعد کا لفظ ثابت نہیں۔

دوسری بات اہل مدینہ کے وتر کی بابت ہے ان کے بارہ میں بھی گزر چکا کہ بالاتفاق لا یسلم والا طریقہ تھا کسی ایک روایت میں بھی لا یقعد نہیں آتا۔

الغرض لا یقعد والی روایت نہ سنداً صحیح ہے نہ متناً اور اکثر احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے نہایت منکر روایت ہے۔

نتیجتاً غیر مقلدین جو تین وتر پڑھتے ہیں دونوں طریقے غلط ہیں ایک متروک بالاجماع ہے دوسرا منکر اور مشہور روایت کے مقابلہ میں منکرات پر عمل کرنا درست نہیں۔

اعتراض نمبر ۶۹:

قرآن دشمنی

(یعنی فرض کی آخری دو رکعتوں میں قرأت کرنا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

(متفق علیه، مشکٰوة جلد اول ص۷۸ کتاب الصلٰوة باب القرأة)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حنفی مذہب اس کے برخلاف کہتا ہے کہ

وَهُوَ مُخَيَّرٌ فِي الْأُخْرَيَيْنِ مَعْنَاهُ إِنْ شَاءَ سَكَتَ وَإِنْ شَاءَ قَرَأَ وَإِنْ شَاءَ سَبَّحَ. **(ہدایہ جلد اول ص۱۲۸ کتاب الصلاة فصل القرأة)**

یعنی فرض نماز کی دو آخری رکعتوں میں نماز پڑھنے والا مختار ہے یعنی اگر چاہے تو چپکا کھڑا رہے اگر چاہے پڑھے اگر چاہے سبحان اللہ کہہ لے۔

ناظرین میں یہاں مقتدی کی قرأت کے اختلاف میں بحث نہیں کر رہا۔ ان پرانے مسائل کو تو میں نے ان مضمون میں چھوا بھی نہیں۔ یہاں تو مسئلہ یہ ہے کہ حدیث کی رو سے کسی نماز کی کوئی رکعت بغیر الحمد شریف پڑھے نہیں ہوتی۔ لیکن حنفی مذہب اسے سرے سے مانتا ہی نہیں۔ نہ صرف مقتدی کے حق میں بلکہ اکیلے نمازی کے لیے امام کے لیے بھی اس کا مسئلہ ہے کہ ظہر، عصر، عشاء کی نماز میں اسے اختیار ہے کہ پچھلی دو رکعتوں میں صرف سبحان

اللہ کہہ کر رکوع کر لے۔سورہ فاتحہ کا بلکہ قرآن کا ایک لفظ بھی نہ پڑھے۔تو بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔ بلکہ سبحان اللہ بھی نہ کہے نہ قرآن پڑھے نہ الحمد پڑھے صرف ذرا سی دیر چپکے ہی چپکے کھڑا ہو کر بغیر کچھ پڑھے بھی سجدہ کر لے تو اسے اختیار ہے۔

اب اے کلمہ گو بھائیو! تم رسول اللہ ﷺ کی مانو گے؟ یا حنفی مذہب کی؟

(شمع محمدی ص ۹۱، ظفر المبین حصہ اول ص ۷۶، احناف کا رسول اللہ سے اختلاف ص ۲۸۱)

جواب:

یہاں پر مسئلہ یہ ہے کہ چار رکعت والی فرض نماز میں آخری دو رکعتوں میں قرأت کرنے کا حکم کیا ہے۔ غیر مقلدین کے نزدیک فرض ہے اور احناف کے نزدیک مستحب ہے۔ اور بعض حنفی فقہاء سنت کے بھی قائل ہیں۔ کیوں کہ جتنی قرأت لازمی تھی وہ تو پہلی رکعت میں ادا ہو گئی۔ اور پچھلی دو رکعتوں میں رکعات کے فرض یا واجب ہونے کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں۔ جن دلائل سے پچھلی دو رکعتوں میں قراۃ کا ذکر ملتا ہے۔ ہمارے نزدیک ان سے صرف استحباب یا زیادہ سے زیادہ سنت ہی ثابت ہوتی ہے۔ فرض یا واجب ثابت نہیں ہوتی۔ یہاں پر صرف فرض کی نفی ہے۔ مستحب کے تو ہم خود قائل ہیں۔

حنفی مذہب کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔ نہ جہری میں نہ سری میں نہ پہلی دو رکعات میں نہ آخری دو رکعات میں لیکن جب تنہا نماز پڑھتے تو پہلے دو رکعت میں سورہ فاتحہ اور دوسری کوئی سورت پڑھتے اور آخری رکعات میں کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ (موطا امام محمد باب القراۃ فی الصلوٰۃ خلف الامام)

حدیث نمبر ۲:

عبیداللہ بن ابی رافع نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہر اور عصر

ی پہلی دو رکعتوں میں سورت فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورت پڑھتے تھے اور دوسری دو رکعتوں میں بالکل قرآن نہیں پڑھتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق باب کیف القرأۃ فی الصلوٰۃ ج ۲ ص ۶۵ حدیث نمبر ۲۶۵۸، شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۵۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۲۷)

حدیث نمبر ۳:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھتی تھیں اور فرماتی تھیں ان دو رکعتوں میں دعا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر ۲۶۶۵، مشکل الآثار طحاوی ج ۱ ص ۵۳)

حدیث نمبر ۴:

جابر بن سمرہ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا کوفیوں نے تیری ہر طرح کی شکایت کی ہے۔ حتی کہ نماز تک کی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں تو پہلی دو رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھتا ہوں اور پچھلی دو میں حذف کرتا ہوں۔ (حذف کرتا ہوں کا مطلب سورتیں نہیں پڑھتا) میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا تو سچا ہے یہی تجھ سے گمان ہے۔ یا میرا گمان تجھ سے یہی ہے۔

(بخاری کتاب الاذان باب یطول فی الاولیین ویحذف فی الاخریین)

حدیث نمبر ۵:

عن ابراهیم قال اما قرأ علقمة فی الرکعتین الاخریین حرفًا قط

(مصنف عبدالرزاق باب کیف القرأة فی الصلوٰة جلد نمبر ۲ ص ۶۵ حدیث نمبر ۲۶۶۵، مصنف ابن ابی شیبة باب من کان یقول یسبح فی الاخریین ولا یقرأ ص ۳۲۷ حدیث ۳۷۴۲)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۶:

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ (فرض کی) پہلی دو رکعتوں میں قرآن پڑھو اور پچھلی دو رکعتوں میں تم تسبیح پڑھتے رہو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۲)

علامہ ابن قدامہ حنبلی کا حوالہ:

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

امام احمد سے روایت ہے کہ نماز کی پچھلی دو رکعتوں میں قرأت واجب نہیں ہے اور اسی جیسا نظریہ امام نخعی، ثوری اور امام ابوحنیفہ کا ہے اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرتا ہوں اور پچھلی دو میں تسبیح پڑھتا ہوں۔

ان دلائل سے امام ابوحنیفہ کا نظریہ واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آخری دو رکعتوں میں قرأۃ فرض نہیں باقی رہا قرأۃ کا سنت یا مستحب ہونا تو امام صاحب اس کے قائل ہیں۔ اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے اور ہدایہ میں بھی یہ لکھا تھا مگر مولانا جونا گڑھی نے نقل نہیں کیا۔

الا ان الافضل ان یقرأ مگر افضل یہ ہے کہ قرأۃ کرے (یعنی سورۃ پڑھے)

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی حنفی لکھتے ہیں:

مسئلہ: تمام فرائض کی پہلی دو رکعات میں قرأۃ فرض ہے اور مغرب کی تیسری رکعت میں اور ظہر، عصر، عشاء کی آخری دو رکعات میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے اور گر اس کی بجائے تسبیح وتحمید کرتا رہے، تب بھی درست ہے، اگر بالکل سکوت کرے تب بھی نماز درست

ہوگی۔لیکن افضل یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھے۔
(ہدایہ ج اص ۹۶،شرح نقایہ ج اص ۸۱، کبیری ص ۲۷۷،نماز مسنون کلاں ص ۴۲۸)

اعتراض نمبر ۷۰:

عدم وجوب قرأت

صاحب شمع محمدی نقل کرتے ہیں۔

اور لطف کی بات سنیئے فرض نماز کا تو حنفی مذہب میں یہ حکم ہے لیکن نفلی نمازوں میں وہ چاروں رکعتوں میں قرأت واجب مانتا ہے۔ چنانچہ ہدایہ کے اسی صفحہ میں ہے **والقرأة واجبة فی جمیع رکعات النفل** یعنی نفلی نماز کی ہر ہر رکعت میں قرأت واجب ہے۔ پھر اسی صفحہ پر لکھتے ہیں۔ **وان صلی اربعا ولم یقرأ فیھن شیئًا اعاد رکعتین** یعنی اگر کسی نے چار رکعت نفل نماز ادا کی اور چاروں میں قرأت نہیں کی تو اسے دو رکعتوں کو دہرانا چاہیے۔ اسے تو جانے ہی دیجیے کہ یہ الٹ پلٹ کیا ہو رہا ہے؟ ہمیں تو اس وقت اپنے دوستوں کو صرف یہ بتلانا ہے کہ حدیث جو اوپر کے نمبر میں گزری آپ کے سامنے ہے اور اس کے بالکل برخلاف حنفی مذہب بھی آپ کے سامنے ہے اب آپ کو اختیار ہے کہ جسے چاہیں مانیں جسے چاہیں جواب دیں۔ (شمع محمدی ص ۹۲)

جواب:

ہدایہ میں اس کی وجہ بھی ساتھ لکھی تھی۔ مولانا جونا گڑھی نے نقل نہیں کی۔ وجہ یہ ہے کہ نفل کی ہر دو رکعت ایک شفعہ ہے اور شفعہ مستقل نماز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چار رکعت کی نیت باندھی تو دو رکعت ہی لازم ہوگی۔ چار رکعت لازم نہیں ہوگی کیوں کہ ہر دو رکعت الگ الگ شفعہ ہے اس کا ثبوت حدیث میں موجود ہے۔

حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات اور دن کی

(نفل) نماز دو دو رکعتیں ہیں۔ (ابوداوٗد باب صلوٰۃ النہار)

علامہ وحید الزمان غیر مقلد اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی ہر دو گانے کے بعد سلام پھیرنا چاہیے یا ہر دو گانے کے بعد بیٹھ کر تشہد پڑھنا چاہیے یہ دلیل ہے ان لوگوں کی جو کہتے ہیں نفل دو دو رکعتیں پڑھنا بہتر ہے۔ رات اور دن میں۔ (ابوداوٗد مترجم ج ا ص ۴۸۶، پارہ نمبر ۸ باب صلوٰۃ النہار)

ہدایہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے مثلاً نفل نماز میں چار رکعتوں کی اکٹھی نیت کسی نے باندھی تو چاروں رکعتوں میں اسے سورہ فاتحہ بھی پڑھنی ہے اور سورت بھی ملانی ہے۔ فرض نماز کی طرح نہیں ہے کہ صرف پہلی دو رکعتوں میں قراۃ پڑھے اور دوسری رکعتوں میں اسے اختیار ہے کہ صرف سورت فاتحہ پڑھے یا تسبیح پڑھے یا خاموش رہے۔ مگر پڑھنا بہتر ہے۔

نفل کی چاروں رکعتوں میں قراۃ کیوں ضروری ہے کہ ہر شفع اس کی الگ نماز ہے۔ اور تیسری رکعت کھڑا ہونا گویا کہ الگ سے تحریمہ باندھنا ہے اسی وجہ سے فقہاء فرماتے ہیں کہ تیسری رکعت کے شروع میں پھر سبحانک اللہم پڑھے۔ اگر یہ مسئلہ قرآن یا حدیث کے خلاف تھا تو وہ آیت یا حدیث نقل کرتے مگر جوناگڑھی نے یہ کام نہیں کیا۔

اعتراض نمبر ۱۷:

فرضوں کے ہوتے ہوئے سنتیں

جوناگڑھی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلاَ صَلٰوةَ اِلاَّ الْمَکْتُوْبَةَ.

(رواہ مسلم مشکوۃ ج۱ ص۹۶ کتاب الصلوۃ باب الجماعۃ)

یعنی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب فرض نماز کی اقامت یعنی تکبیر ہوگئی پھر سوائے اس فرض نماز کے اور کوئی نماز نہیں ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب کا فرمان ہے مَنِ انْتَهٰى اِلَى الْاِمَامِ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَهُوَ لَمْ يصلِّ رَكْعَتَي الْفَجْرَ اِنْ خَشِيَ اَنْ تَفُوْتَهُ رَكْعَةٌ وَيُدْرِكَ الْاُخْرٰى يُصَلِّيْ رَكْعَتَي الْفجرِ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ.

یعنی جو شخص امام کے پاس پہنچے صبح کی نماز ہو رہی ہو اس نے دو رکعتیں سنت نہ پڑھی ہوں تو اور اسے خوف ہو کہ ایک رکعت فوت ہو جائے گی اور دوسری جماعت سے پا لے گا۔ تو اسے چاہیے کہ مسجد کے دروازے کے پاس دو رکعتیں سنت پڑھ کر پھر جماعت میں مل جائے۔

حنفی بھائیو! اب کہو رسول اللہ ﷺ کا تو حکم ہے کہ جماعت کھڑی ہونے پر اور نماز ... حنفی مذہب کا حکم ہے کہ باوجود جماعت کھڑی ہو جانے کے گو ایک رکعت فوت بھی ہو جائے صبح کی دو سنتیں پڑھ لے۔ پس اہل حدیث کا مذہب تو یہ ہے کہ اس موقعہ پر حدیث مانی جائے فقہ چھوڑی جائے۔ اس وقت کسی اور کی حدیث کے مقابلے میں ماننا منع ہے۔ لیکن ان کل کی تقلید یہ ہے کہ حدیث چھوڑ دی جائے اور فقہ مانی جائے۔ اب کہو تم مقلد رہو گے؟ یا اہل حدیث بنو گے؟ حدیث مانو گے یا فقہ پر عمل کرو گے؟

(شمع محمدی ص ۹۲، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۱۸، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۴ و ص ۱۳۵، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۷، سبیل الرسول ص ۳۶۱، احناف کا رسول اللہ سے اختلاف ص ۳۱۹)

جواب:

تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ظہر، عصر، عشاء کی سنتیں بوقت اقامت جماعت نہ پڑھیں۔ ہاں کہ سنتیں بعد فرائض کے وقت میں پڑھی جا سکتی ہیں۔ ہاں فجر کی سنتیں جمہور صحابہ و تابعین، امام ابوحنیفہ، امام ثوری، امام مالک فی روایۃ امام اوزاعی، امام حسن بصری، امام

مسروق، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر کے نزدیک دو شرطوں سے پڑھی جاسکتی ہے۔

(۱) خارج مسجد ہو یا جماعت اور مصلی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔

(۲) ایک رکعت، امام کے ساتھ مل جانے کا غالباً گمان ہو۔

(۱) احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فجر کی نماز کی سنتوں کی تاکید باقی سنتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ (آثار السنن ج ۲ ص ۲۲، ج ۲ ص ۲۹)

(۲) نماز فجر کے بعد نوافل پڑھنا منع ہے۔ (آثار السنن ج ۲ ص ۲۷، ۲۸) تو اگر سنتیں پہلے نہ پڑھی جائیں تو وقت میں پڑھنے کا موقع ہی نہ رہا۔

(۳) عدم قضاء تسه من غیر بتیة الفرض (معارف السنن ج ۴ ص ۷۴)

اس لیے احناف نے دلائل میں تطبیق کی ایسی کوشش کی کہ تطبیق بھی ہو جائے اور تمام فضیلتیں بھی حاصل ہو جائیں۔

فجر کی سنتوں کی فضیلت اور تاکید والی روایات

(۱) عن عائشة قالت قال رسول الله صلی علیه وسلم رکعتا الفجر خیر من الدنیا و ما فیها. (مسلم ج۱ ص۲۵۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فجر کی دو رکعتیں دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے سب سے بہتر ہیں۔

(۲) عن عائشة قالت لم یکن النبی صلی الله علیه وسلم شیء من النوافل اشد تعاهدًا منه علی رکعتی الفجر.

(بخاری ج۱ ص۱۵۶، مسلم ج۱ ص۲۵۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام کسی نفل کی اتنی زیادہ پابندی اور حفاظت نہیں کرتے تھے جتنی فجر کی دو رکعتوں کی۔

(۳) عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا

لا تدعوهما وان طردتكم الخيل. (ابوداؤد ج۱ ص۱۷۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فجر کی دو رکعتوں کو نہ چھوڑو اگرچہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں۔

دلائل احناف:

(۱) عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا اقیمت فلا صلٰوة الا المکتوبة الا رکعتی الصبح.

(سنن الکبریٰ بیهقی ج۲ ص۴۸۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز قائم کردی جائے تو کوئی نماز نہیں سوائے فرض نماز کے مگر فجر کی دو رکعتیں (یعنی سنت فجر)

(۲) عن ابی اسحٰق قال حدثنی عبدالله بن ابی موسٰی عن ابیه حین دعاهم سعید بن العاص دعا ابا موسٰی وحذیفة وعبدالله بن مسعود قبل ان یصلی الغداة ثم خرجوا من عنده وقد اقیمت الصلٰوة فجلس عبدالله الی اسطوانة من المسجد فصلی الرکعتین ثم دخل فی الصلٰوة.

(طحاوی ج۱ ص۲۵۷)

حضرت ابواسحٰق فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوموسیٰ اشعری کے صاحبزادے عبداللہ نے اپنے والد کے واسطے سے یہ حدیث بیان کی جب کہ ان کو حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے بلایا کہ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت حذیفہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو فجر کی نماز سے پہلے بلایا، پھر جب یہ حضرات ان کے پاس سے نکلے تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شریک ہو گئے۔

(۳) عن عبدالله بن ابی موسٰی قال جاء ابن مسعود والامام یصلی

الصبح فصلی رکعتین الی ساریة ولم یکن صلی رکعتی الفجر.

(معجم طبرانی کبیر ج۹ ص۲۷۷)

حضرت عبداللہ بن ابی موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا آپ نے ایک ستون کی اوٹ میں فجر کی دو رکعت سنتیں ادا کیں جو آپ پہلے ادا نہیں کر سکے تھے۔

(٤) عن عبداللہ بن ابی موسیٰ عن عبداللہ انه دخل المسجد والام فی الصلٰوة فصلی رکعتی الفجر. (طحاوی ج۱ ص۲۵۷)

حضرت عبداللہ بن ابی موسیٰ اشعری سے روایت ہے اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (فجر کے وقت) مسجد میں تشریف لائے تو امام نماز میں تھا تو (پہلے) آپ نے فجر کی دو سنتیں پڑھیں۔

(٥) عن حارثة بن مضرب ان ابن مسعود و ابا موسیٰ خرجا من عند سعید بن العاص فاقیمت الصلٰوة فرکع بن مسعود رکعتین ثم دخل مع القوم فی الصلٰوة واما ابوموسیٰ فدخل فی الصف.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص۲۵۱)

حضرت حارثہ بن مضرب سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما، حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکلے تو فجر کی جماعت کھڑی ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو فجر کی دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوئے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سیدھے صف میں داخل ہو گئے۔

(٦) عن مالك بن مغول قال سمعت نافعًا یقول ایقظت ابن عمر لصلٰوة الفجر وقد اقیمت الصلٰوة فقام فصلی رکعتین. (طحاوی ج۱ ص۲۵۸)

حضرت مالک بن مغول فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع کو یہ فرماتے ہوئے سنا

ا۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو فجر کی نماز کے لیے جگایا جب کہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ آپ اٹھے اور (پہلے) دو رکعتیں پڑھیں۔

(۷) عن محمد بن کعب قال خرج عبداللہ بن عمر من بیتہ فاقیمت صلاۃ الصبح فرکع رکعتین قبل ان یدخل المسجد وھو فی الطریق ثم دخل المسجد فصلی الصبح مع الناس. (طحاوی ج۱ ص۲۵۸)

حضرت محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھر سے تشریف لے گئے تو فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے راستہ میں دو رکعت (فجر کی سنتیں) ادا کیں پھر مسجد میں داخل ہوئے اور فجر کی نماز لوگوں کے ساتھ ادا کی۔

(۸) عن زید بن اسلم عن ابن عمر انه جاء والامام یصلی الصبح ولم یکن صلی الرکعتین قبل الصبح فصلاھما فی حجرۃ حفصۃ ثم انه صلی مع الامام. (طحاوی ج۱ ص۲۵۸)

حضرت زید بن اسلم، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (فجر کی نماز کے لیے) تشریف لائے تو امام نماز پڑھا رہا تھا اور آپ نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں تو آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں سنتیں ادا کیں پھر امام کے ساتھ نماز پڑھی۔

(۹) عن ابی مجلز قال دخلت المسجد فی صلٰوۃ الغداۃ مع ابن عمر و ابن عباس والامام یصلی فاما ابن عمر فدخل فی الصف واما ابن عباس فصلی رکعتین ثم دخل مع الامام فلما سلم الامام قعد ابن عمر مکانه حتی طلعت الشمس فقام فرکع رکعتین. (طحاوی ج۱ ص۲۵۷)

حضرت ابومجلز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن

عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ فجر کی نماز کے لیے مسجد میں آیا تو امام نماز پڑھا رہا تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تو صف میں داخل ہو گئے لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دو رکعت (سنت) پڑھ کر امام کے ساتھ شریک ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی جگہ بیٹھے رہے حتی کہ جب سورج نکل آیا تو اٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں۔

(۱۰) عن ابی عثمان الانصاری قال جاء عبداللہ بن عباس والامام فی صلٰوۃ الغداۃ ولم یکن صلی الرکعتین فصلی عبداللہ بن عباس الرکعتین خلف الامام ثم دخل معھم. (طحاوی ج۱ ص۲۵۸)

حضرت ابوعثمان انصاری فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (فجر کی نماز کے لیے مسجد) تشریف لائے تو امام نماز میں تھا اور آپ نے دو رکعتیں (سنت کی) نہیں پڑھی تھیں چنانچہ آپ نے دو رکعت سنت امام کے پیچھے پڑھیں پھر لوگوں کے ساتھ شریک (جماعت) ہو گئے۔

(۱۱) عن ابی الدرداء انہ کان یدخل المسجد والناس صفوف فی صلٰوۃ الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم فی الصلٰوۃ. (طحاوی ج۱ ص۲۵۸)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ مسجد میں تشریف لائے تو لوگ فجر کی نماز کی صف باندھے کھڑے ہوتے، آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعت (سنت) ادا کرتے پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے۔

(۱۲) عن ابی عثمان النھدی قال کنا نأتی عمر بن الخطاب قبل ان نصلی الرکعتین قبل الصبح وھو فی الصلٰوۃ فنصلی فی آخر المسجد ثم ندخل مع القوم فی صلٰوتھم. (طحاوی ج۱ ص۲۵۸)

حضرت ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت

ہم صبح کی دوسنتیں پڑھنے سے پہلے حاضر ہوتے تو آپ نماز پڑھا رہے ہوتے، ہم مسجد کے اندر میں دوسنتیں پڑھ کر لوگوں کے ساتھ ان کی نماز میں شریک ہوجاتے۔

(۱۳) عن حصین قال سمعت الشعبی یقول کان مسروق یجیء الی القوم وهم فی الصلٰوة ولم یکن رکعتی الفجر فیصلی الرکعتین فی المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلٰوتهم. (طحاوی ج۱ ص۲۵۸)

حضرت حصین فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شعبی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت مسروق لوگوں کے پاس تشریف لاتے اس حال میں کہ لوگ نماز میں ہوتے اور آپ نے فجر کی دورکعت سنت نہ پڑھی ہوتیں تو آپ مسجد میں دورکعت سنت پڑھ کر لوگوں کے ساتھ ان کی نماز میں شریک ہوجاتے۔

(۱٤) عن الحسن انه کان یقول اذا دخلت المسجد ولم تصلی رکعتی الفجر فصلهما وان کان الامام یصلی ثم ادخل مع الامام.

(طحاوی ج۱ ص۲۵۸)

حضرت حسن بصری سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ جب تم مسجد میں داخل ہو اور تم نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو (پہلے) وہ سنتیں پڑھ لو اگرچہ امام نماز ہی پڑھا رہا ہو پھر امام کے ساتھ شریک ہوجاؤ۔

(۱۵) انا یونس قال کان الحسن یقول یصلیهما فی ناحیة المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلٰوتهم. (طحاوی ج۱ ص۲۵۸)

حضرت ہشیم کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت یونس نے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری فرماتے تھے کہ فجر کی دوسنتیں مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ کر پھر لوگوں کے ساتھ ان کی نماز میں شریک ہوجائے۔

(۱٦) عن سعید بن جبیر انه جاء الی المسجد والامام فی صلٰوة الفجر

فصلی الرکعتین قبل ان یلج المسجد عند باب المسجد.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص۲۵۱)

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں تشریف لائے تو امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے مسجد کے دروازے کے پاس دو رکعت سنت ادا کیں۔

(۱۷) عن مجاهد قال اذا دخلت المسجد والناس فی صلٰوۃ الصبح ولم ترکع رکعتی الفجر فارکعهما وان ظننت ان الرکعة الاولٰی تفوتك.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص۲۵۱)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تم مسجد میں داخل ہو اور لوگ صبح کی نماز پڑھ رہے ہوں اور تم نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو (پہلے) وہ پڑھ لو اگرچہ تمہارا خیال ہو کہ تم سے پہلی رکعت فوت ہو جائے گی۔

(۱۸) عن مسروق انه دخل المسجد والقوم فی صلٰوۃ الغداۃ ولم یکن صلی الرکعتین فصلاهما فی ناحیة ثم دخل مع القوم فی صلاتهم.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص۲۵۰)

مسروق سے روایت ہے کہ بے شک وہ داخل ہوا مسجد میں لوگ صبح کی نماز میں تھے اور اس نے دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں پس انہیں ایک کونے میں پڑھا پھر وہ لوگوں کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے۔

رہی وہ روایت جو جوناگڑھی نے نقل کی ہے۔

اذا اقیمت الصلٰوۃ فلا صلٰوۃ الا المکتوبة. (مسلم ج۱ ص۲۴۷)

اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ زکریا بن اسحاق، ایوب، ورقا بن عمر، زیاد بن سعد، اسماعیل

ابن مسلم اور محمد بن حجارہ۔ اس کو عمرو بن دینار عن عطا بن یسار عن ابی ہریرہ مرفوع نقل کرتے ہیں اور حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ عمرو بن دینار سے موقوف نقل کرتے ہیں والمرفوع اصح حماد بن سلمہ (کتاب الامام ج ۱ ص ۱۲۶ وحاشیہ الامام ج ۱ ص ۱۲۹)، ابن علیہ عند ابن ابی شیبہ ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع عند ابن ابی حاتم (معارف السنن ص ۷۶، ۸۰ ج ۴) بھی اس کو موقوف نقل کرتے ہیں۔

محمد بن طاہر المقدسی نے بھی موقوف ہی قرار دیا ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۶)

اسی اختلاف کی وجہ سے امام بخاری نے صحیح میں اس کو سنداً روایت نہیں کیا۔ غالباً اسی اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو ترمذی نے صحیح کی بجائے حسن قرار دیا ہے۔ پھر خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح لاتدعوا رکعتی الفجر ولو طروتکم الخیل. (آثار السنن ج ۱ ص ۲۹) مروی ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مرفوعاً من ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرک الصلوٰۃ. (مسلم ج ۱ ص ۲۲۱)

اوران سے ہی مرفوعاً مروی ہے اذا کنتم فی المسجد فنودی بالصلوٰۃ فلا یخرج احدکم حتی یصلی.

(رواہ احمد و رجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۵)

تو ان سب احادیث کو جمع کرلیا گیا کہ مسجد کے باہر یا درمیان میں کوئی چیز حائل ہو تو ایک رکعت مل سکنے کی صورت میں فجر کی سنتیں ادا کر کے جماعت میں شامل ہو جائے سنتیں پڑھے تاکہ لو طردتکم الخیل کی مخالفت نہ ہو۔

بعض نے بواسطہ مسلم بن خالد زنجی عن عمرو بن دینا ولا رکعتی الفجر روایت کیا ہے۔ لیکن اس کی سند میں ایک تو یحییٰ بن دینار کے سات شاگردوں پر زیادتی کر رہا ہے۔ (آثار السنن ج ۲ ص ۳۰)

اس کے برعکس بیہقی نے بطریق لیث بن سعد عن عطاء عن ابی ھریرۃ ان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا رکعتی الفجر نقل کیا ہے۔اس کی سند میں حجاج بن نصیر مختلف فیہ ہے۔(میزان ج ۱ ص ۴۶۵)

اور عباد بن کثیر الرملی مختلف فیہ ہے (میزان ج ۲ ص ۳۷۰)

پہلی روایت ولا رکعتی الفجر کو ابن عدی نے یحیٰ کی حدیث میں ذکر کیا ہے مگر اس کو اس حدیث میں ذکر نہیں کیا، اگر بالفرض دونوں حسن ہوں تو بھی لا رکعتی الفجر صفوں میں مل کر پڑھنے پر اور الا رکعتی الفجر علیحدہ پڑھنے پر محمول ہوں گی۔

عبداللہ بن مالک بن بحینہ بخاری ج ۱ ص ۹۱، مسلم ج ۱ ص ۲۴۷ پر ہے آنحضرت ﷺ حجرہ سے جماعت کے لیے مسجد میں آتے تھے۔آپ نے مسجد میں ہی کسی کو نماز پڑھتے دیکھا اور فرمایا لا تجعلوا ھذہ مثل صلوٰۃ الظھر قبلھا و بعدھا اجعلوا بینھما فصلاً. (ج ۱ ص ۲۱۹ مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۵)

اور مسلم میں دوسری جگہ ہے فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرنا ان لا نوصل صلوٰۃ بصلوٰۃ. (ج ۱ ص ۲۸۸)

والعبرۃ لعموم اللفظ لالخصوص المورد.

ہم بھی کہتے ہیں کہ بالکل جماعت کے ساتھ وصل نہ ہو بلکہ فاصلہ پر پڑھی جائیں۔

اعتراض نمبر ۲۷:

صبح کی قضا شدہ سنتوں کا وقت

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ قَیْسِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَیٰ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلاً یُصَلِّیْ بَعْدَ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ رَکْعَتَیْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ الصُّبْحِ رَکْعَتَیْنِ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّیْ لَمْ اَکُنْ صَلَّیْتُ

الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا فَصَلَّيْتُهُمَا الْاٰنَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ ج۱ کتاب الصلوٰۃ باب اوقات النھی ص۹۵)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد ایک صحابی کو دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ نماز صبح تو دو ہی رکعت ہے۔ اس نے جواب دیا کہ دو فرض صبح سے پہلے جو دو سنتیں ہیں انہیں میں نے نہیں پڑھی تھیں وہ میں نے اب ادا کیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ خاموش ہو گئے۔ ترمذی میں ہے کہ آپ نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں۔ یہ حدیث کھلی دلیل ہے کہ جس شخص سے دو سنتیں صبح کی چھوٹ گئی ہوں وہ بعد از فرض انہیں ادا کر سکتا ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا، وہ کہتا ہے کہ اگر صبح کی سنتیں کسی کی چھوٹ گئی ہوں وہ بعد از فرض سورج نکلنے سے پہلے نہیں پڑھ سکتا۔ چنانچہ ہدایہ جلد اول ص۱۳۲ کتاب الصلوٰۃ باب ادراک الفریضہ میں لکھا ہے **اذا فاتتہ رکعتا الفجر لا یقضیھما قبل طلوع الفجر** یعنی جب کسی کی فجر کی دو سنتیں چھوٹ جائیں تو وہ انہیں سورج نکلنے سے پہلے نہیں پڑھ سکتا۔

کہو حنفی بھائیو! کیا ارادہ ہے؟ ہم حدیث کو مانیں یا آپ کی فقہ کو؟

(شمع محمدی ص۹۴، ظفر المبین حصہ اول ص۱۱۹، احناف کا رسول اللہ سے اختلاف ص۳۲۲)

جواب:

حنفی مذہب کے دلائل

حدیث نمبر۱:

روایت ہے ابی ہریرہ سے کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے نہ پڑھی ہوں سنتیں فجر

کی تو پڑھ لے بعد طلوع آفتاب کے۔

(مسلم باب الاوقات التی نهی عن الصلوٰة فیها، ترمذی مترجم جلد اول ص۱۹۱، باب ما جاء فی اعادتهما بعد طلوع الشمس ترجمه مولانا بدیع الزمان غیر مقلد، صحیح ابن حبان، مستدرك حاکم، موطا امام مالك، باب النهی عن الصلوٰة بعد الصبح وبعد العصر)

حدیث نمبر۲:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی صبح کی سنتیں فوت ہو جاتیں تو آپ ان کو طلوع شمس کے بعد پڑھتے۔

(المعتصر من المختصر من مشکل الاثار طحاوی ص۴۲، بحواله احیاء السنن جلد دوم ص۲۳۱)

حدیث نمبر۳:

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ راستہ چھوڑ کر ایک طرف کو چلے، غزوہ تبوک میں قبل فجر کے میں بھی آپ کے ساتھ چلا آپ نے اونٹ بٹھایا اور پاخانہ پھرا پھر آئے تو میں نے چھاگل سے پانی ڈالا آپ کے ہاتھ پر آپ نے دونوں پہنچوں کو دھویا، پھر منہ کو دھویا، پھر آپ نے دونوں ہاتھ آستین سے نکالنا چاہیے، مگر آستینیں تنگ تھیں، اس واسطے آپ نے جبے کے نیچے سے ہاتھ نکال لیے اور دونوں ہاتھوں کو دھویا، کہنیوں تک اور مسح کیا موزوں پر پھر سوار ہوئے اور ہم چلے جب ہم آئے تو ہم نے لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے پایا اور انہوں نے امام بنایا تھا عبدالرحمٰن بن عوف کو اور عبدالرحمٰن نے نماز شروع کر دی تھی حسب معمول وقت پر (یعنی جس وقت آپ نماز فجر کی پڑھا کرتے تھے، وہ وقت آیا تو صحابہ نے نماز شروع کر دی) اور ایک رکعت پڑھ چکے تھے، فجر کی دو رکعتوں میں سے رسول

اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ صف میں شریک ہوئے اور ایک رکعت عبدالرحمٰن بن عوف کے پیچھے پڑھی پھر عبدالرحمٰن نے سلام پھیرا اور رسول اللہ ﷺ ایک رکعت باقی جورہ گئی تھی پڑھنے کو کھڑے ہوئے، مسلمان گھبرا گئے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے آگے نماز پڑھ لی تو انہوں نے تسبیح کہنی شروع کی جب رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا، تو فرمایا تم نے ٹھیک کیا یا تم نے اچھا کیا۔(ابوداؤد، باب المسح علی الخفین ص۲۱ ج۱)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ آپ نے فجر کی سنتیں پہلے ادا نہیں فرمائی تھیں کیوں کہ آپ کو تاخیر نماز کی تیاری کی وجہ سے ہوئی تھی اور اس طرح سے سنتیں رہ جانے کا واقعہ آپ کی زندگی میں شاذ و نادر ہی پیش آیا ہے اگر طلوع شمس سے پہلے سنتیں پڑھنی جائز ہوتیں تو آپ اس موقعہ پر بیان جواز کے لیے ضرور پڑھتے۔

(اشرف التوضیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج۲ ص۱۱۱)

حدیث نمبر۴:

امام مالک کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی فجر کی دو سنتیں قضا ہو گئی انہوں نے طلوع آفتاب کے بعد ان کی قضا پڑھی۔(موطا امام مالک باب ماجاء فی رکعتی الفجر)

حدیث نمبر۵:

عبدالرحمٰن بن قاسم کا بیان ہے کہ قاسم بن محمد نے اسی طرح کیا جیسے حضرت حضرت ابن عمر نے کیا تھا۔(یعنی طلوع آفتاب کے بعد سنتیں پڑھیں)

(موطا امام مالک باب ماجاء فی رکعتی الفجر)

حدیث نمبر۶:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آئے اور لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔انہوں نے صبح کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں یہ آ کر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے، پھر نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھے

رہے جب چاشت کا وقت ہوا تو انہوں نے سنتوں کو پڑھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۵)

حدیث نمبر ۷:

حضرت یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قاسم سے سنا ہے وہ کہتے تھے اگر میں نے صبح کی سنتیں نہ پڑھی ہوں یہاں تک کہ صبح کی نماز پڑھ لوں، تو میں ان کو طلوع شمس کے بعد پڑھ لیتا ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۵۵)

حدیث نمبر ۸:

ابومجلز کہتے ہیں کہ میں ابن عمر اور ابن عباس کے ساتھ صبح کی نماز کے لیے ایسے وقت مسجد میں داخل ہوا کہ امام نماز پڑھا رہا تھا سو ابن عمر تو نماز میں شریک ہو گئے رہے ابن عباس سو انہوں نے پہلے صبح کی سنتیں پڑھیں اس کے بعد وہ جماعت میں شریک ہو گئے پس جبکہ امام نماز سے فارغ ہوا تو ابن عمر طلوع آفتاب تک اپنی جگہ بیٹھے رہے پس جب آفتاب طلوع ہوا تو وہ اٹھے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ (طحاوی بحوالہ آثار السنن ج ۲ ص ۳۹)

حدیث نمبر ۹:

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کئی معتبر لوگوں نے بیان کیا اور ان سب میں حضرت عمر زیادہ معتبر تھے کہ آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد سورج روشن ہونے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس، مسلم باب الاوقات التی نہی عن الصلوٰۃ فیہا)

حدیث نمبر ۱۰:

حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز عصر کے بعد

غروب آفتاب تک کوئی نماز نہیں اور نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز نہیں۔

حدیث نمبر ۱۱:

مسلم شریف میں حضرت عمرو بن عنبسہ سلمی کی ایک لمبی حدیث میں آتا ہے **قال صل صلوٰۃ الصبح ثم اقصر عن الصلوٰۃ حتی تطلع الشمس** آپ ﷺ نے فرمایا صبح کی نماز پڑھو اور اس کے بعد اس وقت تک نماز نہ پڑھو جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو جائے۔الخ (**مسلم باب الاوقات التی نهی عن الصلوٰۃ فیها**)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ اگر فجر کی سنتیں رہ جائیں تو سورج نکلنے کے بعد پڑھنی چاہئیں۔

رہی وہ روایت جو مولانا جونا گڑھی نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

پہلا جواب:

یہ روایت منقطع ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں اور اسناد اس کی متصل نہیں کہ محمد بن ابراہیم تیمی کو سماع نہیں قیس سے۔(**ترمذی باب ما جاء فیمن تفوته الرکعتان**)

لہٰذا یہ روایت مرسل ہے اور مرسل روایت غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں۔

دوسرا جواب:

ابوداؤد میں ہے کہ آپ خاموش رہے مگر ترمذی میں خاموش رہنے کا ذکر نہیں ہے۔ ترمذی کی روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا **قال فلا اذن** کہ ایسا مت کر یہاں پر یہ ترجمہ زیادہ فٹ ہوتا ہے تا کہ تمام روایات کی آپس میں مطابقت بن جائے۔ جن روایات میں نماز پڑھنی منع ہے اس میں بھی منع والا ترجمہ کرنے سے ان کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ جیسا کہ علامہ وحید الزماں نے کیا ہے۔ علامہ صاحب مسلم شریف **کتاب الھبات باب**

کراھیة تفصیل بعض الاولاد فی الھبة میں حضرت نعمان بن بشیر کی روایت میں لکھتے ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے میرے باپ مجھ کو اٹھا کر لے گئے جناب رسول خدا ﷺ کے پاس۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ آپ گواہ رہیے کہ میں نے نعمان کو فلاں فلاں چیز اپنے مال میں سے ہبہ کی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا سب بیٹوں کو تو نے ایسا ہی دیا ہے جیسے نعمان کو دیا ہے؟ میرے باپ نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا تو پھر مجھ کو گواہ نہ کر اور کسی کو کر لے بعد اس کے فرمایا کیا تو خوش ہے اس سے کہ سب برابر ہوں تیرے ساتھ نیکی کرنے میں۔ میرا باپ بولا ہاں آپ نے فرمایا قال **فلا اذًا** تو پھر ایسا مت کر (یعنی ایک کو دے ایک کو نہ دے)

اس حدیث میں بھی **فلا اذًا** ہے یہاں پر علامہ وحید الزماں نے ترجمہ کیا ہے ایسا مت کر ہمارے نزدیک وہاں پر بھی یہ ترجمہ کرنے سے روایات کا آپس میں تعارض ختم ہو جاتا ہے۔

تیسرا جواب:

یہ صرف ایک صحابی کا اپنا عمل تھا (جب آپ ﷺ نے دیکھا تو منع فرما دیا) دوسری طرف جو روایات ہم نے نقل کی ہیں وہ مرفوع روایات ہیں اور آپ ﷺ کے ارشادات ہیں۔ اس لیے ترجیح ان کو ہوگی۔

بہر حال احناف کے پاس دلائل موجود ہیں۔ ان کو مخالفت حدیث کا الزام نہیں دیا جا سکتا۔

اعتراض نمبر ۷۳:

سنتیں گرا دیں

(یعنی فجر کی سنتوں کی قضا کا مسئلہ)

صاحب شمع محمدی نقل کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا حدیث کو پھر پڑھ لیجیے اس میں موجود ہے کہ صبح کی ان سنتوں کی قضا ہے لیکن حنفی مذہب سرے سے ان سنتوں کی قضا کا قائل ہی نہیں یہ تو آپ نے ہدایہ کی عبارت اوپر پڑھ لیا کہ سورج نکلنے سے پہلے ان کی قضا نہ کرے۔ اب سنیئے اسی کتاب میں اسی مسئلے میں اسی عبارت کے ساتھ لکھتے ہیں وَلاَ بَعْدَ اِرْتِفَاعِهَا یعنی سورج چڑھ جانے کے بعد بھی ان کی قضا نہ کرے۔

حنفی بھائیو! اب یہ آپ کی سمجھ پر موقوف ہے اور آپ کے ایمان پر موقوف ہے کہ جس کا کلمہ پڑھتے ہیں اس کا فرمان مانیں یا جس کی تقلید کرتے ہیں اس کا کہا کریں؟

(شمع محمدی ص۹۴، ظفر المبین حصہ اول ص۱۱۹، احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف ص۳۱۲)

جواب:

مولانا جونا گڑھی نے ہدایہ کی عبارت پوری نقل نہیں کی اگر نقل کرتے تو مسئلہ ہدایہ ہی سے واضح ہو جاتا۔ ہدایہ کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

اور کسی شخص کی فجر کی دو رکعت سنت فوت ہو جائے تو وہ طلوع شمس سے پہلے ان کی قضا نہ کرے۔ کیوں کہ اب وہ مطلق نفل رہ گئی اور صبح کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے اور حضرات شیخین امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے یہاں سورج بلند ہونے کے بعد بھی نہ پڑھے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک زوال کے وقت تک ان دو رکعتوں کی قضا پسندیدہ ہے اس لیے کہ آپ ﷺ نے **لیلۃ التعریس** کی صبح کو ارتفاع شمس کے بعد ان کی قضا فرمائی تھی۔ **(هدايه باب ادراك الفريضة)**

حنفی مذہب امام محمد کے قول کے مطابق ہے اس لیے ہمارا عمل پڑھنے کا ہے۔ امام محمد نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ مسلم شریف کتاب المساجد باب قضا صلوات الفائتة حدیث نمبر ۳۱۰، ۳۱۱ میں موجود ہے۔

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی حنفی لکھتے ہیں:

مسئلہ:

اگر صبح کی سنتیں رہ جائیں تو امام محمد کے نزدیک ان کو سورج نکلنے کے بعد زوال سے پہلے پہلے ادا کرلے یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے۔

(جامع صغیر امام محمد ص ۱۳، ہدایہ ص ۱۰۱ ج ۱، شرح وقایہ ص ۱۰۸ ج ۱، نماز مسنون کلاں ص ۵۳۶)

اعتراض نمبر ۴۷:

حکم کے بدلے منع

(یعنی سورج نکلنے کے بعد فجر کی سنتیں پڑھنے کا حکم)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من لمْ يصل ركعتی الفجر فليصلهما بعد ما تطلع الشمس. (ترمذی جلد اول ص ۵۹ کتاب الصلوٰة باب ما جاء فی اعادهما بعد طلوع الشمس) یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو صبح کی دو سنتیں نہ پڑھ سکا وہ سورج نکلنے کے بعد انہیں پڑھ لے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

دوستو! یہ حدیث آپ کے سامنے ہے اوپر کے نمبر کی فقہ کی عبارت بھی آپ کے سامنے ہے۔ حدیث میں حکم فقہ میں منع، کہو اب عمل کس پر رہے گا؟

(شمع محمدی ص ۹۴، ظفر المبین ص ۱۱۹، ۱۲۰)

جواب:

یہ حدیث ہم نے مسئلہ نمبر۷۲ میں نقل کی ہے، ہمارا اس پر عمل ہے۔ مسئلہ نمبر۷۳ میں اس مسئلہ کی وضاحت کر دی ہے کہ امام محمد کے مطابق ہے۔ پھر یہ روایت بھی ثابت ہے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف طلوع شمس کے بعد سنتوں کی قضا سے منع نہیں کرتے جیسا علامہ انور شاہ کشمیری حنفی لکھتے ہیں:

لِاَنَّ اَبَا حَنِيْفَةَ وَاَبَا يُوْسُفَ لَا يَمْنَعَانِ مِنَ الْقَضَاءِ بَعْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

(العرف الشذی شرح ترمذی ص۱۹۳)

جب احناف کا عمل پڑھنے کا ہے تو پھر اعتراض کرنا غلط ہے۔

اعتراض نمبر۷۵:

سنتوں کی قضا کو بھی گرا دیا

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ كُرَيْبٍ قَالَ رسول الله صلى الله عليه وسلم يا ابنة ابى امية سالت عن الركعتين بعد العصر وانه اتانى ناس من عبد القيس فشغلونى عن الركعتين اللتين بعد الظهر فهما هاتان. (متفق عليه رواه مشكوة جلد اول ص۵۵ كتاب الصلوة باب اوقات النهى) مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس وفد عبدالقیس کے لوگ آ گئے۔ اس مشغولی میں آپ سے ظہر کے فرضوں کے بعد کی دو سنتیں چھوٹ گئیں۔ جنہیں آپ ﷺ نے بعد از نماز عصر قضا کیں۔ یہ حدیث صاف ہے کہ سنتوں کی قضا کر سکتے ہیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس صاف اور صریح بخاری مسلم کی صحیح حدیث کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے

وَاَمَّا سَائِرُ السُّنَنِ سِوَاهَا لَا تَقْضٰى بَعْدَ الْوَقْتِ وَحْدَهَا. (ہدایہ جلد اول باب ادراک الفریضہ ص ۱۳۲) یعنی ظہر مغرب عشا کی سنتیں جو چھوٹ گئی ہوں صرف انہیں وقت گزرنے کے بعد قضا کرنا نہیں ہے۔

اے حنفی بھائیو! اب کہو فیصلہ نبوی کو مانو گے یا مسئلہ ہدایہ کو۔

جواب:

احناف کے ہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے صحیح بات یہ ہے کہ فجر کی سنتوں کے علاوہ بقایا سنتوں کی قضا ضروری تو نہیں اگر کرلے تو بہتر ہے۔اسی پر آج کل ہمارے ہاں عمل ہو رہا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں:

کہ شیخین نے بھی اس سے منع نہیں کیا لہذا حنفیہ کو اس پر عمل کرنا چاہیے،شامی میں ہے

ینبغی العمل به للحنفی

(معارف السنن ص۱۰۰ ج٤ بحواله المسائل والدلائل ص۲۱۲)

جونا گڑھی نے جو مطلق اس مسئلہ کی نسبت احناف کی طرف کی ہے درست نہیں۔

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی حنفی لکھتے ہیں:

مسئلہ:

ظہر کی سنتیں اگر رہ جائیں تو فرائض کے بعد ان کی قضا کرلے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا لَمْ يُصَلِّ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ صَلَّاهُنَّ بَعْدَهَا. (ترمذی ص۸۹)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر سے پہلے

ما ر ا ععات نہ پڑھتے تو ان کو ظہر کی نماز کے بعد پڑھتے تھے (یعنی کسی وجہ سے اگر ظہر سے پہلے ادا نہ کر سکتے تھے تو بعد میں ادا کرتے تھے) (نماز مسنون کلاں ص ۵۴۹)

صوفی صاحب کے حوالہ سے معلوم ہوا کہ احناف سنتوں کی قضا کے قائل ہیں۔

جو فقہاء سنتوں کی قضاء کو ضروری نہیں سمجھتے ان کی دلیل

عن ام سلمة قالت صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم العصر ثم دخل بيتي فصلى ركعتين فقلت يا رسول الله صليت صلوة لم تكن تصليها فقال قدم على مال فشغلني (وفي رواية قدم على وفد بني تميم فحبسوني) عن الركعتين كنت اركعهما بعد الظهر فصليتهما الان فقلت يا رسول الله افنقضيهما اذا فاتتا؟ قال لا.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی پھر آپ ﷺ میرے گھر میں تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ایسی نماز پڑھی ہے جس کو آپ (اس سے پہلے) نہیں پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس مال آیا تھا جس نے مجھے ان دو رکعتوں سے مشغول رکھا (اور ایک روایت میں ہے کہ میرے پاس بنو تمیم کا وفد آیا جس نے مجھے ان دو رکعتوں سے روکے رکھا) جو ظہر کی نماز کے بعد پڑھتا تھا تو میں نے ان دو رکعتوں کو اب پڑھا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ جب ہم سے یہ دو رکعتیں فوت ہو جائیں تو کیا ہم بھی ان کی قضا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔

(الفتح الرباني في ترتيب مسند امام احمد شيباني باب حجة من قال بقضاء السنن الراتبة اذا فاتت، مسند امام احمد بن حنبل ج٦ ص ٣١٥)

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صرف آپ ﷺ کی خصوصیت تھی۔ ورنہ بعد نماز عصر نماز پڑھنے کی ممانعت پر بے شمار روایات موجود ہیں۔

رہی وہ روایت جو جونا گڑھی نے پیش کی ہے وہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہے۔

اعتراض نمبر ۷۶:

حنفی روزے کا نمونہ

(یعنی روزے کے کفارہ کا مسئلہ)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابی هريرة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هل تجد رقبة تعتقها الخ. (متفق علیہ، مشکوٰۃ جلد اول ص ۱۷۶ کتاب الصوم باب تنزیہ الصوم) مطلب یہ ہے کہ جو شخص رمضان شریف میں روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے مل لیا تھا اسے رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیا یہ طاقت نہ ہو تو دو مہینے کے پے در پے روزوں کا حکم دیا یہ بھی نہ کر سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کا حکم فرمایا۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یہ حدیث سامنے رکھ کر کفارہ کے اس مسئلہ کو پڑھ کر اب حنفی مذہب کے اس مسئلے پر بھی ذرا نظریں ڈالو۔ ہدایہ جلد اول ص ۱۹۹ کتاب الصوم باب مایوجب القضاء میں ہے لَوْ **جَامَعَ مَيْتَةً اَوْ بَهِيْمَةً فَلاَ كَفَّارَةَ اَنْزَلَ اَوْ لَمْ يَنْزِلْ** یعنی مردہ عورت اور چوپائے سے جو مجامعت کرے اس پر کفارہ نہیں خواہ اسے انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ بلکہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے **وَكَذَا النَّائِمَةُ الْمَجْنُوْنَةُ اِذَا جَامَعَهُمَا زَوْجُهُمَا عَلَيْهِمَا الْقَضَاءُ دُوْنَ الْكَفَّارَةِ** یعنی اسی طرح اگر سوئی ہوئی عورت سے دیوانی عورت سے ان کا خاوند جماع کر لے تو ان پر قضا ہے کفارہ نہیں۔ میں اس مسئلے پر کچھ نہیں لکھتا صرف آپ سے یہ عرض ہے کہ حدیث میں صاف موجود ہے کہ جس نے اپنی بیوی سے جماع رمضان شریف کے روزے کی حالت میں کیا' سے اللہ کے رسول نے کفارہ دینے کو فرمایا۔ لیکن حنفی مذہب نے سولی

والی عورت دیوانی عورت مردہ عورت سے رمضان شریف میں روزے کی حالت میں جماع کرنے والے کو کفارہ سے آزاد کردیا ہے۔

اب فرمایئے! غیرت، حمیت، سمجھ، فقہ، قیاس، ایمان، عدل، انصاف، فراست، اعمالی، بھلائی، برائی کی تمیز انسانیت اور اسلام کسے قبول کرتا ہے؟ اور کسے رد کرتا ہے؟

(شمع محمدی ص ۹۵)

جواب:

مولانا جونا گڑھی نے جو حدیث نقل کی ہے اس پر احناف کا عمل ہے۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں بھی کفارہ کا یہی مسئلہ لکھا ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) موطا امام محمد میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے رمضان میں روزہ (قصداً) توڑ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ کفارہ ادا کرے ایک غلام آزاد کرے یا ساٹھ مسلسل روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد امام محمد فرماتے ہیں:

اسی پر ہمارا عمل ہے کہ جب کوئی شخص رمضان میں جان بوجھ کر کچھ کھا کر یا پی کر، یا جماع کر کے روزہ توڑ دے تو اسے ایک روزہ کی قضا اور کفارہ ظہار کی طرح ادا کرنا ہے کہ ایک غلام آزاد کرے، اگر غلام میسر نہ ہو تو مسلسل ساٹھ روزے رکھے۔

اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یہ مسکین کو نصف صاع گندم یا کھجور اور جو کا ایک صاع۔ (موطا امام محمد باب من انظر متعمد أفی شہر رمضان)

(۲) کتاب الآثار امام محمد میں ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پر کفارہ آئے گا جو ایک غلام کو آزاد کرنا ہے اگر وہ نہ پائے تو دو ماہ کے

مسلسل روزے رکھے گا اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا، یا مسکین کو گندم کا نصف صاع یا کھجور کا یا جو کا ایک صاع یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار باب ما ینقض الصوم)

(۳) قدوری میں ہے۔

اور (روزہ کا) کفارہ مثل کفارہ ظہار کے ہے۔

(اشراق نوری ترجمہ قدوری ص۱۲، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

(۴) الشرح الثمیری علی المختصر للقدوری میں ہے

اور روزہ توڑنے میں کفارہ ظہار کے کفارہ کی طرح ہے۔

اس مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے مولانا قمر الدین قاسمی حنفی لکھتے ہیں:

کفارہ ظہار غلام آزاد کرنا ہے وہ نہ ہو تو ساٹھ روز مسلسل روزے رکھنا ہے۔ اور وہ نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانا ہے، رمضان میں روزہ توڑنے میں بھی یہی کفارہ لازم ہوگا۔

(ثمیری جلد نمبر اص ۳۵۸، مطبوعہ رحمانیہ، لاہور)

(۵) کنز الدقائق میں ہے:

اگر مرد سے صحبت کر لی یا عورت سے صحبت کی گئی یا قصداً غذا کھانا کھایا یا دوا پی تو ان صورتوں میں اس روزے کی قضاء کرے اور ظہار کا سا کفارہ دے۔

(احسن المسائل ترجمہ کنز الدقائق ص ۷۷، ۷۸، مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی)

(۶) شرح وقایہ میں ہے:

جس نے جماع کیا جس سے جماع کیا گیا سبیلین میں سے کسی میں، یا کھا پی لیا غذا یا دوا کے طور پر قصداً یا پچھنا لگوایا اور یہ سمجھ کر کیا، اس کا روزہ ٹوٹ گیا، کھانا کھالیا تو قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوگا جیسے مظاہر پر واجب ہوتا ہے یعنی اس کا کفارہ ظہار جیسا ہے۔

(اشرف الوقایہ ترجمہ شرح وقایہ جلد اول، باب موجب الافساد ص ۳۰۴، مطبوعہ میر محمد کراچی)

(۷) ہدایہ میں ہے:

پھر فرمایا کہ روزے کا کفارہ کفارہ ظہار کی طرح ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے ہیں۔ (یہ حدیث بخاری کتاب الصوم، باب: المجامع فی رمضان، ابو داؤد کتاب الصوم، باب: الکفارہ میں موجود ہے۔) (احسن الہدایہ ج ۳ ص ۱۵۹)

(۸) درمختار میں ہے:

کفارہ روزے کا دے مثل کفارہ ظہار کے لیکن کفارہ ظہار کتاب اللہ سے ثابت ہے، کفارہ روزہ کا سنت سے یعنی اس کی مثل ہے ترتیب میں پس اول تو بردہ (غلام) آزاد کرے اور مگر نہ پاوے تو دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ ۶۰ مسکینوں کو کھانا دے بموجب حدیث اعرابی کے جو صحاح ستہ میں مذکور ہے۔

(غایۃ الاوطار اردو ترجمہ درمختار جلد ا ص ۵۷۳ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

(۹) مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی حنفی لکھتے ہیں:

سوال: کفارہ کیا ہے؟

جواب: وہ یہ ہے کہ رقبہ (یعنی غلام یا لونڈی) آزاد کرے پس اگر (اس پر) قادر نہ ہو تو دو ماہ لگا تار روزے رکھے جن میں نہ رمضان ہو اور نہ وہ دن جن میں روزے رکھنے سے منع کیا گیا ہے اور آپ عنقریب ان (دنوں) کو جان لیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پس اگر (اس کی) طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

(الفلاح الضروری اردو ترجمہ التسہیل الضروری ص ۱۱۲)

(۱۰) فتاویٰ عالمگیری میں ہے

دوسری قسم ان چیزوں کے بیان میں جن سے قضا اور کفارہ واجب ہوتا ہے۔

نمبر ۱: جس شخص نے دونوں راستوں میں کسی راستہ میں عمداً مجامعت کی تو اس پر قضا اور کفارہ لازم ہوگا۔

نمبر۲: اگر کسی نے عمداً کوئی ایسی چیز کھائی جو غذا یا دوا ہوتی ہے تو کفارہ لازم ہوگا۔
(فتاویٰ ہندیہ ترجمہ فتاویٰ عالمگیری جلد دوم ص ۲۰، مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ فقہ حنفی میں روزے کا کفارہ موجود ہے اور ہے بھی وہی جو قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ مولانا جونا گڑھی نے جو حدیث تعارض ثابت کرنے کے لیے نقل کی ہے اس پر تو احناف کا عمل ہے نہ کہ اس کے خلاف، اب رہی ہدایہ کی عبارت اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

ہدایہ کی عبارت کی وضاحت:

یعنی مردہ عورت سے مجامعت کرنے پر کفارہ نہ ہونا۔ اگر قرآن وسنت میں خاص مردہ عورت سے مجامعت کرنے پر روزے دار پر کفارہ کا حکم موجود تھا تو جونا گڑھی کو وہ نقل کرنا چاہیے تھا۔ جو حدیث نقل کی ہے وہ تو زندہ عورت کے بارے میں ہے اور زندہ کے متعلق۔ احناف کا مسلک وہی ہے جو حدیث میں ہے۔ اگر کوئی غیر مقلد مردہ عورت سے مجامعت کرنے والے روزہ دار پر کفارہ لازم کہتا ہے وہ ایسی حدیث پیش کرے ہم مان لیں گے۔

جونا گڑھی کو علم ہونا چاہیے تھا کہ مردہ اور زندہ برابر نہیں ہو۔تے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ (فاطر:۲۲)

''کہ زندہ اور مردہ برابر نہیں''

مردہ کو زندہ پر قیاس کرنا درست نہیں۔ جب کہ غیر مقلدین کے نزدیک قیاس کرنا جائز نہیں بلکہ بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ قیاس کرنا شیطان کا کام ہے۔ اور چوپائے سے مجامعت کرنے والے پر کفارہ نہیں۔ اگر غیر مقلدین کے نزدیک ایسے شخص پر کفارہ ہے تو قرآن وسنت سے ثابت کردیں ہم مان لیں گے۔

فتاویٰ قاضی خان کی عبارت کی وضاحت:

سوئی ہوئی عورت سے دیوانی عورت سے ان کا خاوند جماع کر لے تو ان پر قضا ہے کفارہ نہیں۔

جواب:

یہ حکم سوئی ہوئی اور دیوانی عورت کا ہے کہ اس پر روزے کی قضا ہے کفارہ نہیں اگر غیر مقلدین ان دونوں عورتوں پر کفارہ لازم کرتے ہیں تو وہ قرآن وسنت سے کفارہ ثابت کر دیں ہم مان لیں گے۔ البتہ ہمارے نزدیک ایسے مرد پر کفارہ واجب ہے۔

(شامی ج ۲ ص ۱۱۳)

باقی رہی میتہ اور بھیمہ سے وطی کرنے کی سزا کا حکم فقہ حنفی کی کتاب الحدود وتعزیر میں موجود ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات ص ۶۲

اعتراض نمبر ۷۷:

سودخواری

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث پیش کی ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الربٰو سبعون جزء ا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ. (رواہ ابن ماجۃ مشکوۃ جلد اول ص ۲۴۶ کتاب البیوع باب الربٰو) یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سود کے ستر گناہ ہیں جن میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ انسان یعنی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔ سود کی حرمت اور اس حرمت کی سختی آپ کو معلوم ہوگئی۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حدیث کا یہ رخ آپ کے سامنے آ گیا۔اب آیئے حنفی مذہب کو دیکھیے اس کی معتبر کتاب ھدایہ جلد سوم ص ۷۰ کتاب البیوع باب الربو میں ہے ولا بین المسلم والحربی فی دار الحرب یعنی مسلمان اور حربی کافر میں دارالحرب میں سود لینے میں کوئی حرج نہیں۔

مسلمان بھائیو! اب فرمایئے حدیث کو مان کر فقہ کے اس مسئلے کو غلط کہو گے؟ یا فقہ کو مان کر اس حدیث کو رد کردو گے؟ (شمع محمدی ص ۹۶، ظفر المبین حصہ دوم ص ۱۹۳)

جواب:

حنفی مذہب میں سود قطعی طور پر حرام ہے جو حدیث جونا گڑھی نے نقل کی ہے، حنفی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ جونا گڑھی کا یہ کہنا کہ حنفی سود کو جائز کہتے ہیں غلط بیانی ہے ہدایہ سے جو عبارت نقل کی ہے وہ پوری نقل نہیں کی اور ہدایہ کا مسئلہ خاص نوعیت کا ہے۔

حنفی مذہب میں سود حرام ہے

(۱) قدوری میں ہے:

سود حرام ہے ہر چیز میں خواہ کیلی ہو یا وزنی

(قدوری باب الربٰو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

(۲) کنز الدقائق میں ہے:

ربٰو (سود) مال کی اس زیادتی کو کہتے ہیں جو مال کو مال سے بدلنے میں بلاعوض ہو (مثلاً دو سیر گیہوں وغیرہ کے بدلے تین سیر لے لیے یا دے دیے یا دس روپے لے کر گیارہ دے دیے یا لے لیے) اور (دو چیزوں) میں ربا (پیمانے) کی علت قدر اور جنس (میں دونوں کا ایک ہونا) ہے (قدر سے مراد یہ ہے کہ جو چیز پیمانہ سے نپ کر بکتی ہے اس میں پیمانہ اور جو تل کر بکتی ہو اس میں تول ایک ہو یعنی دونوں تل کر بکتی ہوں اور جنس کے ایک

ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دونوں چیزیں ایک ہی قسم کی ہوں مثلاً دونوں گیہوں ہوں یا دونوں جو، چنے وغیرہ ہوں) پس جن چیزوں میں یہ قدر وجنس ایک ہوں ان میں (ایک طرف سے) زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہیں)

(احسن المسائل ترجمہ کنز الدقائق ص ۲۳۱ سود کے احکام)

(۳) شرح وقایہ میں ہے:

تو جو چیز تپ یا تل کر بکتی ہے جب بدلے میں اپنی جنس کے بیچی جاوے گی تو اس میں زیادتی لینا حرام ہے اگرچہ وہ کھانی کی نہ ہووے جیسے چونا اور لوہا چونا کیلی ہے اور وزنی۔

(نور الهدایه ترجمه شرح وقایه جلد سوم باب ربٰو)

(۴) ہدایہ میں ہے:

فرماتے ہیں کہ ہر اس چیز میں ربا (سود) حرام ہے۔ جو مکیلی یا موزونی ہے بشرطیکہ اسے اس کی ہم جنس کے عوض زیادتی کے ساتھ بیچا جائے۔

(احسن الہدایہ ترجمہ ہدایہ جلد ۸ ص ۳۰۳، ۳۰۴، باب الربا)

(۵) درمختار میں ہے:

باب الربٰو یہ باب ہے ربٰو یعنی سود اور بیاج کے احکام میں۔

مرابحہ کے بعد ربٰو کو اس واسطے ذکر کیا کہ دونوں میں زیادت ہے مگر یہ کہ مرابحہ کو زیادت حلال ہے اور ربٰو کی زیادت حرام قطعی۔

قال الله تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا

یعنی حق تعالٰی نے فرمایا کہ اے ایمان والو بیاج (سود) نہ کھاؤ

اس آیت میں ربٰو سے مراد قدر زائد ہے خواہ زائد قرض میں ہو یا اموال ربٰو کی بیع ہو اور گاہے ربٰو نفس زیادت کو بھی کہتے ہیں یعنی بمعنی مصدری قال الله تعالٰی واحل الله البیع وحرم الربٰو

یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا حلال کیا ہے اللہ نے بیع کو اور حرام کیا ربو کو یعنی اموال ربویہ کے قرض اور بیع میں زیادہ دینے لینے کو کذا فی فتح القدیر ملخصاً معلوم ہوا کہ جیسے بیع میں سود حرام ہے ویسے ہی قرض میں بھی حرام ہے تو یہ جو بعضے ناقص الفہم کہتے ہیں کہ سود تو فقط بیع میں حرام ہے نہ قرض میں غلط ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی سود کھانے اور کھلانے والے پر۔ ابوداؤد اور ترمذی میں اتنی روایت زیادہ ہے کہ سود کے دونوں گواہوں اور کاتب پر لعنت فرمائی اور نسائی میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ کوئی باقی نہ رہے گا مگر سود کھائے گا اور اگر سود نہ کھائے گا تو اس کو اس کی بھاپ لگے گی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس کا غبار لگے گا **کذا فی التیسیر**

ھو لغة مطلق الزیادہ ربو لغت میں مطلق زیادت کو کہتے ہیں خواہ کیل یا وزن میں زیادت ہو یا سوائے اس کے۔

(غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ج ۳ ص ۱۳۹، ۱۴۰)

(۶) فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ چھٹی فصل ربو (سود) اور اس کے اقسام کے بیان میں واضح ہو کہ ربو (سود) کی شرح میں اس مال کو کہتے ہیں کہ جو مال کے عوض مال لینے میں زیادتی ہو کہ اس کے مقابل میں مال نہ ہو ربو (سود) ہر ناپ یا تول کی چیزوں میں جو اپنے جنس کے ساتھ بیچی جاویں حرام ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ ترجمہ فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۳۹۸)

(۷) بہشتی زیور میں ہے:

سودی لین دین کا بڑا بھاری گناہ ہے قرآن مجید اور حدیث شریف میں اس کی بڑی برائی اور اس سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے رسول اللہ ﷺ نے سود دینے والے اور لینے والے اور بیچ میں پڑ کے سود دلانے والے، سودی دستاویز لکھنے والے گواہ (شاہد) وغیرہ سب

پرلعنت فرمائی ہے، اور فرمایا ہے کہ سود دینے والا اور لینے والا گناہ میں دونوں برابر ہیں اس لیے اس سے بہت بچنا چاہیے اس کے مسائل بہت نازک ہیں۔ ذرا ذرا سی بات میں سود کا گناہ ہو جاتا ہے اور انجان لوگوں کو پتہ نہیں لگتا کہ کیا گناہ ہوا ہم ضروری ضروری مسئلے یہاں بیان کرتے ہیں لین دین کے وقت ہمیشہ ان کا خیال رکھا کرو۔

(بہشتی زیور حصہ پنجم باب سودی لین دین کا بیان ص ۳۷۰،۳۷۱)

(۸) الفلاح الضروری اردو ترجمہ التسهیل الضروری المسائل القدوری میں ہے:

سوال: لغت اور شریعت کی رو سے سود کیا ہے؟

جواب: سود لغت کی رو سے مطلق زیادت (کا نام) ہے اور بہر حال سفید شریعت (کی اصطلاح) میں تو وہ دو قسموں کی طرف منقسم ہے۔ (۱) بیع کا سود (۱) قرض کا سود اور یہ دونوں حرام ہیں اور تحقیق (سود) لینے والے اور دینے والے کے حق میں سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

سوال: قرض کا سود کیا ہے؟

جواب: وہ یہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً دراہم یا دنانیر قرض میں دے اور قرض دار پر شرط لگائے کہ وہ اسے اس سے زیادہ ادا کرے جو اس نے قرض میں دیا ہے۔

(الفلاح الضروری ص ۱۷۷)

سوال: بیع کا سود کیا ہے؟

جواب: وہ یہ ہے کہ کیلی یا وزنی (چیز) اس کی جنس کے عوض زیادت کے طور پر بیچے یا کیلی یا وزنی (چیز) اس کی جنس کے عوض یا غیر جنس کے عوض ادھار کے طور پر بیچے۔

(الفلاح الضروری ص ۱۷۷،۱۷۸)

سوال: کیا اس (سلسلہ) میں نبی پاک ﷺ کی طرف سے نص وارد ہوئی ہے۔

جواب: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں (مسلم فی الربو) کہ

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونے کو سونے کے عوض، چاندی کو چاندی کے عوض، گندم کو گندم کے عوض، جو کو جو کہ عوض، کھجور کو کھجور کے عوض اور نمک کو نمک کے عوض برابر سرابر دست بدست (بیچو) پس جس نے زائد پایا زائد لیا تو تحقیق اس نے سود کا ارتکاب کیا (سود) لینے والا اور دینے والا اس (جرم) میں برابر ہیں۔

اور حدیث عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں (مسلم فی الربا) آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے عوض، چاندی کو چاندی کے عوض، گندم کو گندم کے عوض، جو کہ جو کے عوض، کھجور کو کھجور کے عوض اور نمک کو نمک کے عوض برابر سرابر دست بدست (بیچو) پس جب یہ قسمیں مختلف ہو جائیں (مثلاً سونے کے عوض، چاندی یا گندم کے عوض جو وغیرہ) تو جیسے چاہو بیچو بشرطیکہ دست بدست ہو۔''

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھ چیزوں کو ذکر فرمایا اور حکم دیا کہ ان چیزوں کو ان کی جنس میں سے بعض کو بعض کے عوض نہ بیچا جائے الا یہ کہ برابر سرابر دست بدست ہو اور بیان فرمایا کہ جو زائد ہو جائے پس وہ سود ہے جس جانب سے بھی ہو۔ اور فرمایا کہ (سود) لینے والا اور دینے والا اس (جرم) میں برابر ہیں اور خلاف جنس کے عوض ان قسموں کی فروخت کو برابری اور زیادت کے طور پر جائز قرار دیا بشرطیکہ دست بدست ہو۔ (الفلاح الضروری ص ۱۷۸)

(۹) مولانا مجیب اللہ حنفی لکھتے ہیں:

سودی کاروبار

اسلامی شریعت میں سود قطعی حرام ہے اور ہر طرح کا سودی کاروبار بھی حرام ہے۔

(اسلامی فقہ جلد ۲ ص ۳۴۵)

مفتی محمد شفیع حنفی لکھتے ہیں:

اسلام میں سود و ربٰو کی حرمت کوئی مخفی چیز نہیں کہ اس کے لیے رسالے یا کتابیں لکھی جائیں جو شخص کسی مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا ہے وہ اتنا ضرور جانتا ہے کہ اسلام میں سود

ام ہے۔ (مسئلہ سود ص ۷)

ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ فقہ حنفی میں سود قطعی طور پر حرام ہے۔ اس پر بے شمار الہ جات نقل کیے جا سکتے ہیں بلکہ سود کی حرمت پر حنفی علماء نے عربی، انگریزی اور اردو ان میں کئی کتابیں شائع کی ہیں۔ اور اب بھی سب سے زیادہ سود کے خلاف دنیا میں حنفی علماء ہی کی تحقیقات شائع ہو رہی ہیں۔ آپ صرف مفتی شفیع صاحب اور ان کے لائق فرزند ای مولانا مفتی رفیع عثمانی اور خاص کر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی تصانیف ہی دیکھ لیں۔ آنکھیں کھل جائیں گی۔ اگر زیادہ نہیں تو صرف مسئلہ سود مفتی شفیع صاحب کی اور تجارتی سود تقی عثمانی کی پڑھ لیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حنفی کیا کہتے ہیں مفتی شفیع صاحب نے اپنے رسالہ میں قرآن مجید کی آٹھ آیات اور ۴۷ احادیث مبارکہ نقل کر کے سود کی ت ثابت کی ہے۔ جس سے جونا گڑھی کا الزام غلط ثابت ہوتا ہے کہ احناف سود کی ت کے قائل نہیں۔

ایہ کی عبارت کی وضاحت:

جونا گڑھی نے پوری عبارت نقل نہیں کی ہم پہلے ہدایہ کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں الاحظہ فرمائیں۔

((قال ولا بین المسلم والحربی فی دار الحرب خلافا لأبی یوسف رحمة الله علیه والشافعی رحمة الله علیه، لهما الاعتبار بالمستأمن منهم فی دارنا))

فرماتے ہیں کہ دار الحرب میں مسلمان اور حربی کے مابین ربو نہیں ہے، امام ابو یوسف اور امام شافعی کا اختلاف ہے ان حضرات کی دلیل امن لے کر دار السلام میں آئے ہوئے لیں قیاس ہے۔ (**ھدایہ باب الربو**)

یہ ہے ہدایہ کی پوری عبارت جونا گڑھی نے فی دار الحرب تک عبارت نقل ہے خلافا

لابی یوسف سے آگے تک عبارت چھوڑ دی۔ یہ کیوں کیا یہ اس لیے کہ عوام کو پتہ لگ جائے گا کہ اس مسئلہ میں امام یوسف خلاف ہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دار الحرب میں بھی سود جائز نہیں ہے۔ اور بہت سارے محدثین اور فقہاء احناف کا بھی یہ ہی مذہب ہے اور ہمارا بھی اس وقت نظریہ امام ابو یوسف والا ہی ہے۔

باقی جن فقہاء نے امام ابو یوسف کے خلاف نظریہ قائم کیا ہے۔ وہ کمزور ہے۔ اس لیے فقہ حنفی کا فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ جو لوگ جائز قرار دیتے ہیں ان کے پاس بھی دلائل موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ ہم نقل کرتے ہیں تا کہ دونوں طرف کے دلائل سامنے آ جائیں۔

دلیل نمبرا:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو کر کافروں سے سود کا معاملہ کرتے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا:

وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ وَرِبَانَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

اسی طرح زمانہ جاہلیت کے تمام سود پامال ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے سود کو چھوڑنے کا اعلان کرتا ہوں اور وہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے ان کا تمام سود چھوڑ دیا گیا ہے۔

(مسلم کتاب الحج، باب حجة النبی صلی الله علیه وسلم، الرحیق المختوم ص٦١٦، سیرت مصطفی ج٣ ص٣٠٢)

اس حدیث کی شرح علامہ ترکمانی حنفی سے:

علامہ ترکمانی جوہر النقی جلد٢ ص٢٠٣ میں فرماتے ہیں:

کہ ربا حرام ہو چکا تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ میں فتح مکہ تک ربا کا معاملہ کیا کرتے تھے۔

اس حدیث کی شرح امام طحاوی سے:

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ربا کو موقوف کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مسلمان اور مشرک میں دار الحرب میں ربا جائز ہے۔

ابو حنیفہ، سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ بھی جائز کہتے ہیں اس امر پر دلیل ہے کہ اس معاملے ربا قائم تھا یہاں تک کہ مکہ فتح ہو کر جاہلیت جاتی رہی۔ حضرت عباس کا ربا موقوف کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ اس وقت بھی وہ جائز تھا کیوں کہ موقوف وہی ہوتا ہے جو قائم ہو۔

علامہ ابوالولید فرماتے ہیں:

کہ یہ استدلال صحیح ہے۔ کیوں کہ مشرکین و مسلمین میں دار الحرب میں ربا حلال نہ ہوتا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ربا اسی وقت موقوف ہو جاتا جس وقت وہ مسلمان ہوئے تھے اور اسلام کے بعد جو کچھ لیا ہوتا واپس کیا جاتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ اگر تم توبہ کرو تو اصل مال تمہارے لیے حلال ہے۔ حجۃ الوداع میں حضور علیہ السلام نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ربا موقوف کیا تو اسلام لانے کے بعد جو کچھ وہ لے چکے تھے اگر ناجائز ہوتا تو واپس کرایا جاتا۔ چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لیے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں ربا مسلمان اور حربیوں میں متحقق نہیں ہوتا۔

دلیل نمبر ۲:

ہدایہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

لا ربا بين المسلم والحربي في دار الحرب

دار الحرب میں مسلمان اور حربی کے مابین ربو نہیں ہے۔

(بیهقی فی معرفت السنن والاثار باب بیع الدرهم بالدرهمین فی ارض حدیث نمبر ۵٦٦٣، نصب الرایه)

یہ حدیث گو ضعیف ہے لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی موید ہو سکتی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی غیر مقلد لکھتے ہیں

ثم نقول اموال اهل الحرب علی اصل الاباحة یجوز لکل احد اخذ ما شاء منها کیف شاء قبل التامین بهم

اہل حرب کے اموال مباح ہیں ان کو امان دینے سے پہلے ہر شخص کو جائز ہے کہ ان اموال سے جو چاہے جس طرح چاہے لے لے۔ (رواضہ الندیہ ص ۱۴۰)

ناظرین ہم نے یہ بحث لمبی کر دی ہے صرف اس لیے کہ یہ سود کا مسئلہ ہے۔ ہم نے دونوں گروہوں کے دلائل کا کچھ ذکر کر دیا ہے مگر ہمارا نظریہ پہلے والا ہے یعنی دار الحرب میں بھی سود لینا جائز نہیں اس کی حرمت وہاں بھی ہے۔

اعتراض نمبر ۷۸:

حلالہ کی لعنت

جونا گڑھی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ (رواہ الدارمی وابن ماجة مشکوۃ جلد دوم ص ۲۸٤ کتاب النکاح باب المطلقة ثلثا) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی جو حلالہ کرے اور اس پر بھی جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔ تین طلاقیں جس عورت کو دے دی جائیں پھر اس سے دوسرا اس لیے اور اس شرط پر نکاح کرے کہ دخول کرتے ہی طلاق دے دے گا تاکہ تین طلاقیں دینے والے شوہر کے لیے یہ حلال ہو جائے اسے حلالہ کہتے ہیں۔ اس فعل کے کرنے کرانے والے دونوں بزبان رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم ملعون ہیں۔ اور یہ فعل باعث لعنت ہے۔

اعتراض:

حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب کہتا ہے کہ ایسا کرنے سے یہ عورت اس مرد کے لیے حلال ہو جائے گی (ہدایہ جلد اول ص ۳۸۰ کتاب الطلاق فصل فی ما تحل الخ میں ہے فَاِنْ طَلَّقَهَا بَعْدَ وطیها حلَّت لِلْاَوَّلِ یعنی حلالہ کرنے والے نے اسے طلاق دے دی بعد مجامعت کرنے کے تو پہلے خاوند کے لیے حلال ہو گئی۔ خیال فرمائیے کہ اللہ کے رسول رسولوں کے سردار ﷺ جس کام کو حرام اور لعنت کا باعث کہیں۔ حنفی مذہب اسے حلال کر دینے کا باعث بتاتا ہے۔ کہو حنفی بھائیو اب کسے مانو گے؟ حدیث کو یا فقہ کو؟

(شمع محمدی ص ۹۷، ظفر المبین حصہ دوم ص ۱۳۹، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۱۴۲، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۳، سبیل الرسول ص ۲۶۴، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۴۸، مقلدین ائمہ کی عدالت میں ص ۲۱۷)

جواب نمبر ۱:

جونا گڑھی نے صرف لفظ حلالہ پر اعتراض کیا ہے حالانکہ حلالہ کا مطلب ہے حلال کرنا یعنی وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئی۔ اب وہ اپنے خاوند کے لیے حرام ہو گئی ہے اگر دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو اس کا کیا طریقہ ہے اور وہ عورت پہلے خاوند کے لیے کس طرح حلال ہو سکتی ہے۔ اس کا حکم قرآن میں موجود ہے۔

حلالہ کا حکم قرآن میں:

﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ☆﴾ (پ۲ سورة بقرہ آیت نمبر ۲۳۰)

''پھر اگر اس نے طلاق دے دی عورت کو (یعنی تیسری مرتبہ) پس اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہے یہاں تک وہ اس کے علاوہ کسی خاوند کے ساتھ نکاح کرے پھر اگر اس نے بھی طلاق دے دی اس عورت کو تو کوئی گناہ نہیں ہے ان دونوں پر کہ رجوع کر لیں اگر وہ گمان کریں کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس قوم کے لیے بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں۔''

اس آیت میں فَلَاَ تَحِلُّ لَهُ کے الفاظ سے حلالہ کا لفظ ماخوذ ہے کہ وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

حلالہ کی دو قسمیں:

نمبر۱ غیر مشروط اور نمبر۲ مشروط

پہلی قسم: جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کی ہے اور یہ ہمارا اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔

دوسری قسم: یعنی مشروط جو جونا گڑھی نے بیان کی ہے اور وہ صرف اس کو حلالہ تصور کرتے ہیں۔

یہ جونا گڑھی کی بددیانتی ہے کہ حالانکہ حلالہ کا لفظ عام ہے پہلی صورت بھی حلالہ ہے اور دوسری صورت بھی حلالہ ہے مگر جونا گڑھی عوام کو دھوکہ دینے کے لیے صرف دوسری صورت ہی کو حلالہ فرمارہے ہیں اور اس مشروط حلالہ کو حنفی مذہب قرار دے رہے ہیں جو سراسر جھوٹ ہے۔

حنفی مسلک ملاحظہ فرمائیں:

مشہور عالم دین حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی حنفی اپنی مشہور زمانہ کتاب بہشتی زیور حصہ چہارم باب تین طلاق دینے کا بیان ص ۵۶ مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۴: اگر دوسرے مرد سے اس شرط پر نکاح ہوا کہ صحبت کر کے چھوڑ دے گا تو اس اقرار لینے کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس کو اختیار ہے چھوڑے یا نہ چھوڑے اور جب جی چاہے چھوڑے اور یہ اقرار کر کے نکاح کرنا بہت گناہ اور حرام ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ہوتی ہے لیکن نکاح ہو جاتا ہے تو اگر اس نکاح کے بعد دوسرے خاوند نے صحبت کر کے چھوڑ دیا یا مر گیا تو پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔ (شامی ج۲ ص۸۸۹)

ناظرین کرام یہ ہے حنفی مسلک، جوناگڑھی کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ صحیح بات نقل کرتے۔

ہم نے صرف ایک حوالہ ہی پیش کیا ہے اس پر ہم کافی حوالے پیش کر سکتے ہیں مگر انصاف کے لیے اتنا بھی کافی ہے۔

اعتراض نمبر۷۹:

ایک کو تین کر دیا

(یعنی اکٹھی تین طلاقوں کا مسئلہ)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

اِنَّ اَبَا الصَّهْبَا قَالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ اَتَعْلَمُ اَنَّمَا كَانَتِ الثَّلٰثَةُ تَجْعَلُ وَاحِدَةً عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّثَلَاثًا مِّنْ اِمَارَةِ عُمَرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَعَمْ (صحیح مسلم شریف جلد اول ص۴۷۸، باب طلاق الثلاث) یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا کہ ایک دفعہ کی ایک مجلس کی دی ہوئی تین طلاقیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تین سال کے زمانے تک ایک ہی شمار ہوتی تھیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ایسی تین طلاقیں ایک ہی کر دی جاتی تھیں۔ یہ صحیح حدیث صریح ہے کہ جو شخص تینوں طلاقیں ایک ساتھ اپنی بیوی کو دے وہ شمار میں اور حکم میں ایک ہی کے ہو سکتی ہیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے فَـاِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَكَانَ عَاصِبًا یعنی اگر کسی شخص نے ایک ساتھ تین طلاقیں دیں یا ایک ہی طہر میں تین دے دیں تو ہے وہ گنہگار ہے وہ طلاق طلاق بدعت لیکن واقع ہو جائے گی پس حدیث میں تو تھا کہ ایسی تین طلاقیں ایک کردی جائیں گی اور حنفی مذہب میں ہے کہ وہ تین رہیں گی۔ اب تم کہو حنفی بھائیو تین یا ایک؟ (شمع محمدی ص ۹۸)

جواب:

مولانا جوناگڑھی نے ان احادیث کا بالکل ذکر نہیں کیا جو احناف کی مستدل ہیں اور جو حدیث نقل کی ہے وہ بھی پوری نقل نہیں کی اس مسئلہ پر کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

ناظرین تفصیل تو ان میں دیکھ لیں خاص کر عمدۃ الابحاث فی وقوع طلاق الثلاث۔ ہم پہلے وہ احادیث نقل کرتے ہیں جن سے حنفی مذہب ثابت ہوتا ہے۔ پھر اس حدیث کا جواب دیں گے جو جوناگڑھی نے ادھوری نقل کی ہے۔

وہ احادیث جن سے حنفی مذہب ثابت ہوتا ہے۔

پہلی حدیث:

سہل بن سعد سعدی کہتے ہیں کہ عویمر عجلانی عاصم بن عدی انصاری کے پاس آئے اور کہنے لگے بتائیے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو (اعتراض کی حالت میں) دیکھے تو کیا کرے؟ اگر اسے مار ڈالے تو تم اسے بھی قصاص میں مار ڈالو گے۔ لہٰذا کیا کرے؟ آپ یہ مسئلہ میرے لیے آنحضرت ﷺ سے دریافت فرمائیے، چنانچہ عاصم نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا آپ ﷺ کو اس قسم کے سوال برے معلوم ہوئے اور برا کہا عاصم رضی اللہ عنہ کو

ا لفضرت ﷺ کے فرمان سے گرانی محسوس ہوئی (یعنی وہ شرمندہ ہوئے کہ میں نے ناحق اہلی بات پوچھی جس سے آنحضرت ﷺ ناراض ہوئے) جب عاصم اپنے گھر آئے تو عویمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے کہنے لگے کہیے حضور ﷺ نے کیا فرمایا؟ عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا آپ خواہ مخواہ میرے لیے ایک الجھن لے کر آئے، آنحضرت ﷺ اس سوال ہی کو ناپسند فرماتے ہیں عویمر نے کہا مگر میں بغیر اس سوال کا جواب لیے چین سے نہ بیٹھوں گا۔ غرض عویمر نے ادا حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو (امتراض کی حالت میں) دیکھے تو کیا کرے؟ اگر اسے قتل کرے تو آپ لوگ بھی اسے قتل کر دیں گے۔ بتایئے کوئی اور صورت بھی ہے؟

آنحضرت ﷺ نے فرمایا اب اللہ تعالیٰ نے تیرے اور تیری بیوی کے لیے وحی نازل کی ہے جا اپنی بیوی کو لے آ۔

سہل کہتے ہیں پھر میاں بیوی دونوں نے امان کیا (یعنی قسمیں اٹھائی) میں بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا جب دونوں امان سے فارغ ہوئے تو عویمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ اگر میں اس عورت کو گھر میں رکھوں تو گویا میں جھوٹا ثابت ہوں گا۔ آنحضرت ﷺ کے حکم دینے سے قبل ہی اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی۔ **(بخاری، کتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق الثلاث)**

دوسری حدیث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رفاعہ قرظی کی بیوی آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگی یا رسول اللہ رفاعہ نے مجھے طلاق بتہ (یعنی طلاق بائنہ) دے دی ہے اور اس کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر قرظی سے نکاح کر لیا ہے لیکن اس کے پاس گویا کپڑے کا پھندنا ہے (یعنی وہ نامرد ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا شاید تو پھر رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے؟ یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تم دوسرے شوہر سے ہم بستری کر کے لطف نہ اٹھا لو اور

وہ تم سے لطف نہ اٹھا لے۔

(بخاری، کتاب الطلاق پارہ ۲۲ باب من اجاز طلاق الثلاث)

تیسری حدیث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالیں تو اس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا۔ مگر دوسرے نے بھی (جماع سے پہلے) اسے طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ پہلے شخص کے لیے (صرف نئے نکاح کے ساتھ) حلال ہو سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں جب تک کہ دوسرا شخص بھی پہلے ہی کی طرح اس کی مٹھاس چکھ نہ لے (یعنی اس سے ہم بستری نہ کرلے)(بخاری، **کتاب الطلاق پارہ ۲۲ باب من اجاز طلاق الثلاث**)

امام بخاری نے اس حدیث کو بیک لفظ دی ہوئی تین طلاق کے واقع ہو جانے کو ثابت کرنے کی غرض سے پیش کیا ہے نیز اس کے علاوہ دو مزید حدیثیں بھی اس سلسلے میں بطور ثبوت پیش کی ہیں۔

چوتھی حدیث:

نافع بن عجیر بیان کرتے ہیں حضرت رکانہ بن عبد یزید نے اپنی اہلیہ سہیمہ مزنیہ کو طلاق ''بتہ'' دے دی پھر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ میں نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق ''بتہ'' دے دی ہے اللہ تعالیٰ کی قسم میرا ارادہ صرف ایک طلاق دینے کا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے رکانہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم تم نے صرف ایک طلاق مراد لی تھی؟ تو رکانہ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اس خاتون کو ان صاحب کے ساتھ بھیج دیا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دوسری طلاق دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت

میں تیسری طلاق دی۔

(مسند الامام الشافعی مترجم ج۲ ص۱۳۸، باب الرجعة فی الواحدة والاثنتین)

یہ روایت مسند امام شافعی کے علاوہ سنن دارمی مترجم **کتاب الطلاق باب فی طلاق البتة.**

ابو داؤد ج۱ باب فی البتة ص۳۰۱ میں ہے:

اَنَّ رُکَانَةَ بْنَ عَبْدِیَزِیْدَ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ سُهَیْمَةَ الْبَتَّةَ

رکانہ عبد یزید کے بیٹے سے روایت ہے کہ اس نے اپنی جورو کو جس کا نام سھیمہ تھا طلاق بتہ دی۔

اس روایت کے متعلق امام ابوداؤد فرماتے ہیں

قَالَ ابو داؤد وَھٰذَا اَصَحُّ مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ جُرَیْجٍ اَنَّ رُکَانَةَ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثلاثا لِاَنَّھُمْ اَھْلُ بَیْتِهٖ وَھُمْ اَعْلَمُ بِهٖ الخ

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت (جس میں بتہ کا لفظ موجود ہے) ابن جریج رضی اللہ عنہ کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ جس میں آتا ہے کہ انہوں نے تین طلاقیں دی تھی کیوں کہ بتہ والی حدیث ان کے گھر والے بیان کرتے ہیں اور وہ اس (واقعہ) کو زیادہ جانتے ہیں۔

(ترمذی، ابواب الطلاق، باب ما جاء فی الرجل طلق امرأته البتة، ابن ماجة ابواب الطلاق، باب طلاق البتة، دار قطنی ج۲ ص۳۹، مستدرک حاکم ج۲ ص۱۹۹، موارد الظمان ص۳۲۱ وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

یہ حدیث رکانہ مختلف اسناد و مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ لیکن امام ابوداؤد نے جس روایت کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے وہ یہ ہی روایت ہے جو ہم نے نقل کی ہے جس میں آتا ہے۔ انت طالق البتة یعنی حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی۔ بت کا معنی کاٹنا

ہے یعنی تجھے ایسی طلاق ہے جو میرے اور تیرے درمیان تعلق نکاح کو کاٹ دے۔ اور فوری طور پر تعلق نکاح تین طلاقوں سے بھی کٹ جاتا ہے۔ اور ایک طلاق بائن سے بھی۔ لہٰذا یہ لفظ طلاق بائن کا بھی محتمل ہے اور تین طلاقوں کا بھی اس لیے حضور اکرم ﷺ نے حضرت رکانہ سے نیت پوچھی کہ اس لفظ سے تمہاری کیا مراد تھی جب انہوں نے قسم اٹھا کر اپنی نیت بتائی کہ میں نے یہ لفظ ایک طلاق کی نیت سے بولا ہے تو آپ ﷺ نے ایک طلاق (بائن) قرار دے کر دوبارہ نکاح کا حکم فرمایا جیسے رجوع بالنکاح بھی کہتے ہیں۔

پانچویں حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حیض (یعنی ماہواری کے ایام) کی حالت میں ایک طلاق دے دی پھر چاہا کہ اس کے بعد دو ماہواریوں میں مزید دو طلاقیں اور دے دوں گا۔ یہ خبر جب آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عمر کے بیٹے اللہ تعالیٰ نے تجھے اس طرح طلاق دینے کا حکم نہیں دیا۔ تم نے سنت کے خلاف کیا اور سنت یہ ہے کہ شوہر طہر کا انتظار کرے اور ہر طہر میں ایک طلاق دے پھر حضور اکرم ﷺ نے مجھے رجوع کا حکم فرمایا اور میں نے رجوع کر لیا، پھر فرمایا جب وہ پاک ہو لے تو تم چاہو تو طلاق دے دینا اور چاہو تو روک رکھنا۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں اسے تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے رجوع کرنا حلال ہوتا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایسے میں تیرے لیے رجوع حلال نہ ہوتا اور وہ تیرے نکاح سے نکل جاتی اور یہ گناہ کی بات ہوتی۔

(سنن دار قطنی ص۳۱ ج۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا ناجائز ہے مگر طلاق پھر بھی ہو جاتی ہے۔

اس حدیث میں تین طلاقیں اکٹھی واقع ہونے کا کتنا صریح ثبوت موجود ہے۔

پہلی حدیث:

عامر شعبی کہتے ہیں کہ میں نے فاطمہ بنت قیس سے کہا کہ آپ اپنی طلاق کا واقعہ بیان کیجئے انہوں نے فرمایا کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں دی تھیں۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طلاقیں نافذ فرما دیں۔

(ابن ماجة ص ١٤٥، باب من طلق ثلاثا فی مجلس واحد)

صاحب شمع محمدی نے جو حدیث نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

پہلا جواب:

صاحب شمع محمدی نے حدیث مکمل نقل نہیں کی اگر مکمل نقل کر دیتے تو بات کافی حد تک صاف ہو جاتی اور عوام کو مسئلہ جلدی سمجھ آ جاتا اس حدیث میں آگے یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگوں نے اس معاملہ میں جلدی کی ہے جس میں ان کے لیے مہلت تھی کاش ہم ان پر نافذ کر دیں چنانچہ پھر آپ نے اس کو ان پر نافذ کر دیا۔

(صحیح مسلم جلد اول ص ۴۷۷)

ناظرین آپ نے مکمل حدیث ملاحظہ فرمالی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف تین طلاق کو تین ہی کیوں شمار کیا۔ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو کیوں قبول کیا۔ یہ مسئلہ کوئی معمولی نوعیت کا نہیں ہے بلکہ حرام حلال کا مسئلہ ہے۔ جسے نکاح سے قبل عورت مرد پر حرام ہوتی ہے نکاح ہونے سے حلال ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تین طلاقیں دینے سے عورت مرد پر حرام ہو جاتی ہے۔ اہل سنت والجماعت کے علاوہ دیگر فرقے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق جو بھی نظریہ رکھتے ہیں وہ رکھیں۔ کل قیامت کے روز خود جواب دیں گے مگر ہم اہل سنت وجماعت کبھی یہ بات سوچ بھی نہیں سکتے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور

اکرم ﷺ کے خلاف کریں گے یا آپ کے حلال کو حرام کریں گے یا آپ کی شریعت کو بدلیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوئی عام آدمی نہیں امیر المومنین ہیں۔ خلیفہ راشد ہیں خلیفہ وقت کی اطاعت کرنا قرآن سے ثابت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ بے شمار احادیث آپ کے مرتبہ اور مقام کو واضح کرتی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

حدیث نمبر۱:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اے ابنِ خطاب! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے شیطان جب تجھے چلتا ہوا راستے میں دیکھتا ہے تو وہ اس راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پہ چل پڑتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص۵۵۷)

حدیث نمبر۲:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

پہلی امتوں کے کچھ لوگ ایسے ہوتے تھے جن کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوتا تھا اگر میری امت میں کوئی ایسا ہے تو یقیناً وہ عمر ہے۔ (مشکوٰۃ)

حدیث نمبر۳:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ نے حق عمر کی زبان اور ان کے دل پر جاری کر دیا ہے۔ (مشکوٰۃ)

حدیث نمبر۴:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یقیناً وہ عمر بن خطاب ہوتے۔

(مشکوٰۃ، ترمذی ص۲۰۹، ج۲)

حدیث نمبر۵:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین.

میری سنت اور میرے خلفاءِ راشدین مہدیین کی سنت لازم پکڑو۔

حدیث نمبر۶:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ میں تم میں کتنا عرصہ زندہ رہوں گا اور آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بعد ان دونوں کی اقتدا (پیروی) کرنا اور عمار کی سیرت اپناؤ اور ابن مسعود تمہیں جو بھی بتائیں اسے سچا ماننا۔

ناظرین ان احادیث کے ہوتے ہوئے ہم کیسے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی سنت کو بدل دیا۔ لہٰذا اس حدیث کا ایسا مفہوم اور مطلب لیا جائے گا جو قرآن اور دیگر احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خاص کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق ہو۔ اور احادیث کا آپس میں جو تعارض نظر آ رہا ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔

جواب نمبر۲:

یہ روایت اس عورت کی طلاق سے مخصوص ہے کہ جس کو قبل دخول وصحبت کے طلاق دے دی جاتی تھی اور اس کی تین طلاق کو آنحضرت ﷺ اور عہد ابو بکر رضی اللہ عنہ میں ایک طلاق خیال کیا جاتا تھا چنانچہ سنن ابوداؤد میں وہی روایت بایں الفاظ مروی ہو۔

عن طاؤس ان رجلا یقال له الصهباء کان کثیر السوال لابن عباس قال

اما علمت ان الرجل كان اذا طلق امراته ثلاثا قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر وصدرًا من امارة عمر. قال ابن عباس بلى كان الرجل اذا طلق امراته ثلاثا قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر وصدرًا من امارة عمر فلما رأى الناس قد تابعوا فيها قال اجزوهن عليهم.

یعنی طاؤس سے روایت ہے کہ ایک شخص ابوالصہباء ابن عباس سے بہت سوال کیا کرتا تھا اس نے ابن عباس سے کہا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو دخول سے پہلے تین طلاق دے دیا کرتا تھا تو زمانہ رسول خدا ﷺ و ابی بکر اور ابتدائے خلاف حضرت عمر میں ان کو ایک طلاق جانا کرتے تھے۔ ابن عباس نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو دخول سے پہلے تین طلاق دیتا تھا تو ان کو زمانہ رسول خدا ﷺ و ابی بکر صدیق اور ابتدائے خلافت حضرت عمر میں ایک طلاق جانا کرتے تھے لیکن جب حضرت عمر نے لوگوں کو ایسی پے در پے طلاق دیتے دیکھا تو کہا جائز رکھو ان پر۔ پس دیکھو جس صورت میں ابوداؤد کی یہ مفصل حدیث صحیح مسلم کی مجمل حدیث کی تفصیل ہے اور اس نے ان تین طلاق کو جو ایک شمار کی جاتی تھی صرف اس عورت کی نسبت مقید کر دیا ہے جس کو دخول وصحبت سے پہلی طلاق دی جاتی تھی تو پھر صحیح مسلم کو عام عورتوں کی نسبت خیال کر کے مدخولہ وغیر مدخولہ عورت کی یک دفعہ تین طلاق کو ایک طلاق سمجھ لینا اور عام طور پر ایسا حکم جاری کر دینا روایت ودرائت کی صریح برخلاف ہے۔

جواب نمبر۳:

اگر صحیح مسلم کی حدیث کو صرف غیر مدخولہ عورت کے ہی متعلق نہ سمجھا جاوے بلکہ عام عورتوں کی طلاق کی نسبت قرار دیا جاوے تاہم اس حدیث کا ہرگز وہ مطلب نہیں ہے جو صاحب شمع محمدی سمجھ بیٹھے ہیں بلکہ بلحاظ ورعایت نصوص قرآنیہ وارشادات نبویہ اور تعامل

ہے خصوصاً اس حدیث کی اس آخری فقرہ ان الناس قد تعجلوا فی امر کانت لهم فيه اناة فلو امضیاه علیهم فامضاه علیهم کے اور اس کا صحیح مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب کوئی شخص اپنی عورت کو انت طالق تین بار کہتا رہتا تو غالبًا اس کی غرض تاکید کی ہوتی تھی اتنی نہ استیناف کی جسے ان کا قول غالب پر عمل کر کے ایک طلاق شمار کی جاتی تھی اور جب زمانہ حضرت عمر میں لوگ استیناف کا ارادہ کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی غالب ارادہ استیناف پر حمل کر کے تین طلاق شمار کیں چنانچہ امام نووی نے شرح صحیح مسلم جلد اول کے صفحہ ۴۷۸ میں اس حدیث کی نیچے اس طرح لکھا ہے

فالاصح من ان معناه انه كان فى اول الامر اذا قال لها انتِ طالق انتِ طالق انتِ طالق ولم ينو الا تاكيدا الا استينافًا يحكم بوقوع طلقة لقلة ارادتهم الاستيناف بذالك فحمل على الغالب الذى هو ارادة التاكيد فلما كان فى زمن عمر رضى الله عنه وكثر استعمال الناس بهذه الصيغة وغلب منهم ارادة الاستيناف بها حملت عند الاطلاق على الثلاث عملا بالغالب السابق الى الفهم منها فى ذالك العصر. انتهٰى

یعنی اصح یہ ہے کہ اس حدیث کا یہ معنی ہے کہ ابتدا میں جب عورت کو تین بار انت طالق انت طالق انت طالق کہا جاتا تھا تو اس تکرار سے صرف طلاق کی تاکید کا ارادہ رکھا جاتا تھا نہ استیناف کا جس کے تکرار ہے بسبب ان کی قلت ارادہ استیناف کے صرف ایک طلاق کے واقع ہونے کا حکم کیا جاتا تھا اور ان کی غالب ارادہ پر جو طلاق کی تاکید کا ہوتا تھا حمل کیا جاتا تھا لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین کثرت سے لوگ اس صیغہ کا استعمال کرنے لگے اور ان سے استیناف کے ارادہ کا ظہور غالب ہوا تو اس صیغہ کے اطلاق کے وقت تین طلاق پر اس کا حمل کیا گیا عمل کرنے کو ساتھ اس غالب امر کے جو اس زمانہ میں اسے سمجھا

جاتا تھا۔

اور کشف الغمہ عن جمیع الامہ کی جلد دوم کے صفحہ ۱۰۲ میں امام شعرانی نے حدیث مذکور کی نسبت اس طرح پر لکھا ہے۔

واختلف العلماء فی تاویل هذا الحدیث فذهب بعض التابعین الی ظاهره فی حق من لم یدخل بها وذهب بعضهم الی ان المراد به تکریر لفظ الطلاق فیقول انتِ طالق انتِ طالق انتِ طالق فانه یلزم واحدة اذا قصد التوکید وثلاث ان قصد تکریر الایقاع قال العلماء فکان الناس فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر علی صدقهم وسلامتهم وقصدهم فی الغالب الفضیلة والاختیار ولم یظهر فیهم افساد ولا خداع فکانوا یصدقون فی ارادة التوکید وعدمه فلما رأی عمره فی زمانه امورا ظهرت واحوالا تغیرت وفشا ایقاع الثلاث جملة بلفظ لا یحتمل التاویل الزمهم الثلاث فی صورة التکریر اذ صار الغالب علیهم قصدها کما اشار الیه رضی الله عنه بقوله آنفًا ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناه. انتهی

یعنی علماء نے اس حدیث کی تاویل میں اختلاف کیا ہے چنانچہ بعض تابعین تو اس حدیث کے ظاہر کی طرف گئے ہیں کہ یہ حدیث اس عورت کے حق میں ہے کہ جس کو صحبت سے پہلے طلاق دے دی گئی ہوں۔ اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ اس کی مراد تکریر یعنی بار بار لفظ طلاق بولنے کی ہے جیسے کوئی عورت کو کہے انتِ طالق انتِ طالق پس اس تکریر سے اگر وہ طلاق کی تاکید کا قصد کرتا ہے تو ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور اگر بار بار طلاق واقع کرنے کا قصد کرتا ہے تو تین واقع ہوتی ہیں اور علماء نے کہا ہے کہ رسول خدا ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں لوگ صدق وسلامتی پر تھے اور غالب قصد ان کا بزرگی اور

جاری کا تھا اوران میں فساداور حیلہ بازی نہ ہوئی تھی اور تاکید اور غیر تاکید کے ارادہ کے اظہار میں سچ کہہ دیتے تھے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں دیکھا کہ نئی باتیں ظاہر ہوگئی ہیں اور حالات بدل گئے ہیں اور تین طلاق کا اکٹھا واقع کرنا ایسے لفظ سے شائع ہوا ہے جو تاویل کا احتمال نہیں رکھتا تو آپ نے تکریر کی صورت میں تین طلاق کو لازم کر دیا کیوں کہ اس وقت غالب ہوا ان پر تین طلاقوں کا قصہ جیسا کی خود آپ نے اپنے قول ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سوم: اس حدیث کی یہ معنی بھی ہیں کہ پہلی زمانہ میں لوگوں کی عادت ایک طلاق دینے کی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب لوگ تین طلاق یک دفعہ ڈالنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ان پر نافذ کر دیا پس اس صورت میں یہ حدیث صرف ایک اخبار اختلاف عادة الناس سے ہے نہ ایک ہی مسئلہ میں تغیر حکم سے چنانچہ اس معنی کو بھی امام نووی ہی نے اس طرح پر لکھا ہے۔ **وقیل المراد ان المعتاد فی الزمن الاول کان طلقة واحدة وصار الناس فی زمن عمر رضی الله عنه یوقعون الثلاث دفعة فنفذه عمر فعلی هذا یکون اخبارًا عن اختلاف عادة الناس لا عن تغیر حکم فی مسئلة واحدة انتهٰی**

یعنی بعض نے کہا ہے کہ اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگوں کی ایک طلاق دینے کی عادت تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہوں نے تین طلاق یک دفعہ دینی شروع کر دیں۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کو جاری کر دیا۔ سو اس صورت میں یہ حدیث صرف ایک اخبار ہے اختلاف عادة الناس سے نہ ایک ہی مسئلہ میں حکم بدلنے سے اور اسی معنی کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کی کتاب الطلاق کے صفحہ ۱۶۴ میں بہت زیادہ وضاحت کے ساتھ اس طرح سے بیان کیا ہے۔

تاویل قوله واحدة وهو ان معنی قوله کان الثلاث واحدة ان الناس فی

زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانو یطلقون واحدۃ فلما کان زمن عمر کانو یطلقون ثلاثا ومحصلہ ان المعنی ان الطلاق الموقع فی عہد عمر ثلاثاً کان یوقع قبل ذالك واحدۃ لانہم کانوا لا یستعملون الثلاث اصلاً وکانوا یستعملونہا نادرًا واما فی عصر عمر فکثر استعمالہم لہا ومعنی قولہ فامضاہ علیہم واجازہ وغیر ذالك انہ صنع فیہ من الحکم بایقاع الطلاق ما کانُ یصنع قبلہ و رجح ہذا التاویل ابن العربی ونسبہ الی ابی زرعۃ الرازی وکذا اوردہ البیہقی باسنادہ الصحیح الی ابی زرعۃ انہ قال معنی ہذا الحدیث عندی ان ما تطلقون انتم ثلاثا کانوا یطلقون واحدۃ قال النووی وعلی ہذا فیکون الخبر وقع عن اختلاف عادۃ الناس خاصۃ لا عن تغیر الحکم فی الواحدۃ. انتہٰی

یعنی اس حدیث میں کان الثلاث واحدۃ کا معنی یہ ہے کہ رسولِ خدا ﷺ کے زمانہ میں لوگ صرف ایک طلاق دیا کرتے تھے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہوا تو تین طلاقیں دینے لگے اور حاصل اس معنی کا یہ ہے کہ جو تین طلاقیں حضرت عمر کے عہد میں دی جانے لگیں وہ اسی پہلے صرف ایک طلاق دی جاتی تھی کیوں کہ وہ تین طلاق کا استعمال ہرگز نہیں کرتے تھے اور صرف شاذ و نادر ان کو استعمال میں لاتے تھے لیکن حضرت عمر نے طلاق کے واقع کرنے میں وہی حکم دیا جو اسے پہلے دیا جاتا تھا اور اس تاویل کو ابن عربی نے بحوالہ زرعۃ الرازی کے ترجیح دی ہے جیسا کہ بیہقی نے اسناد صحیحہ کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے کہ ابی زرعہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی میرے نزدیک یہ ہیں کہ جو تین طلاقیں تم دیتے ہو پہلے صرف ایک طلاق لوگ دیا کرتے تھے۔ نووی نے کہا ہے کہ اس صورت پر یہ حدیث صرف ایک خبر لوگوں کے اختلاف عادت کی نسبت واقع ہوئی ہے نہ یہ کہ ایک ہی مسئلہ میں حکم بدلا گیا ہو۔

الغرض حسب بیان متذکرہ بالا جب کہ قرآن شریف واحادیث اوراکابرین صحابہ کے اجماع وفتاویٰ سے تین طلاق یک دفعہ کا تین ہی واقع ہو جانا آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ثابت ہے اوراس پر ائمہ مجتہدین اور علمائے سلف وخلف کے مذہب کا اتفاق ہے تو پھر اس کے برخلاف صحیح مسلم کی حدیث مذکور سے جب کہ وہ خود بھی کئی معنی کا احتمال رکھتی ہے صرف اس کے ایک ایسے احتمال کو جو خود اس حدیث کے اصل راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کے بھی جو متعدد اوقات میں ان سے ظہور میں آئے بالکل منافی ہے مسلم رکھ کر تین طلاق کو خواہ مخواہ ایک طلاق قرار دینا العیاذ باللہ شریعت محمدیہ کو صریحاً الٹ پلٹ دینا نہیں تو اور کیا ہے۔

اعتراض نمبر۸۰:

حرام کوحلال دیا

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الحَارِثِ، أَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِأَبِي إِهَابِ بْنِ عُزَيْزٍ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ قَدْ أَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِي تَزَوَّجَ، فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا أَعْلَمُ أَنَّكِ أَرْضَعْتِنِي، وَلاَ أَخْبَرْتِنِي فَارسل إِلَى آلِ اَبِيْ إِهَابٍ فَسَأَلَهُمْ فَقَالُوْا مَا عَلِمْنَا اَرْضَعَتْ صَاحِبقنا فَرَكِبَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ، وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ.

(رواه البخاری مشکوٰۃ جلد دوم ص۲۷٤ کتاب النکاح باب المحرمات)

یعنی حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے ابواہاب بن عزیز کی لڑکی سے اپنا نکاح کیا۔ پھر ایک عورت آئی اس نے کہا کہ میں نے عقبہ کو بھی اپنا دودھ پلایا ہے اور جس سے اس نے

نکاح کیا ہے اسے بھی اپنا دودھ پلایا ہے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اس کا علم نہیں کہ میں نے تمہارا دودھ پیا ہو اور نہ تم نے کبھی اس کی خبر مجھے آج سے پہلے دی۔ پھر اپنی سسرال آدمی بھیج کر پچھوایا۔ وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ اس عورت نے ہماری بچی کو دودھ پلایا ہو اس کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ اب حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سوار ہو کر مدینہ شریف گئے اور آپ ﷺ سے واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب تم اسے اپنے گھر میں کیسے رکھ سکتے ہو؟ جب کہ یہ بات کہی گئی؟ چنانچہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے انہیں الگ کر دیا اور انہوں نے دوسرے کسی سے اپنا نکاح کر لیا۔

میرے اسلامی بھائیو! یہ ہے حدیث یہ فیصلہ محمدی یہ ہے قانون مدنی یہ ہے حکم سرکارﷺ۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اب اپنے فقہی مذہب کا فیصلہ سنو ہدایہ جلد دوم ص ۳۳۴ کتاب الرضاع میں ہے وَلاَ یُقْبَلُ فِی الرَّضَاعِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مُنْفَرِدَاتٍ یعنی دودھ پلائی کے بارے میں صرف عورتوں ہی کی شہادت ہو تو وہ نامقبول ہے۔

کہو حنفی بھائیو! صرف ایک عورت کی شہادت سے رسول اللہ ﷺ نکاح کو باقی نہ رہنے دیں۔ صرف ایک عورت کی شہادت سے دودھ پلائی کا فیصلہ کر دیں اور آپ کا مذہب کہے کہ ایک چھوڑ کئی ایک عورتیں بھی ہوں تاہم ان کی شہادت مقبول نہیں۔ اب فرمایئے اسے مانیں یا اُسے؟ (شمع محمدی ص ۹۸، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۸۸)

جواب:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید نے عام معاملات میں جہاں گواہ اپنی مرضی سے مقرر کیے جا سکتے ہیں اور جن کی اطلاع پانا مرد و عورت دونوں کے لیے ممکن ہوتا ہے گواہی کا نصاب دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں مقرر کیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾ (بقرہ:۲۸۲)

''اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں۔''

قرآن مجید کے اس واضح حکم سے صرف ایسی ہی صورتیں مستثنیٰ ہوسکتی ہیں جن میں مردوں کے لیے اطلاع پانا ناممکن ہو (جیسے مثلاً حیض، بچے کی ولادت اور عورتوں کے دیگر خاص صنفی معاملات) جب کہ بچے کو دودھ پلانا ان معاملات میں سے نہیں ہے کیوں کہ اس کی اطلاع عام طور پر دودھ پلانے والی کے باپ، بھائی، شوہر یا خادم وغیرہ اور بچے کے والدین یا اعزہ کو بھی ہوتی ہے اس لیے دودھ پلانے والی کے کہنے یا اس پر محض عورتوں کے گواہی دینے پر حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور قرآن مجید کا عام حکم برقرار رہے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا صلاح الدین یوسف غیر مقلد لکھتے ہیں۔

نیز مرد کے بغیر صرف اکیلی عورت کی گواہی بھی جائز نہیں (سعودی تفسیر ص ۱۲۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ:

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی ایک مقدمے میں جس میں ایک عورت نے دعویٰ کیا تھا کہ اس نے میاں بیوی کو دودھ پلایا ہے، اپنے قاضی کو ہدایت کی کہ

''اگر یہ عورت اس پر گواہ (یعنی شرعی نصاب کے مطابق دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں لے آئے تو میاں بیوی میں تفریق کردو۔ ورنہ ان کا نکاح بحال رہنے دو، الا یہ کہ وہ خود ایک طرف والی بات سے بچنا چاہیں۔ اگر ہم اس طرح کے دعووں سے میاں بیوی کے درمیان تفریق کا دروازہ کھول دیں تو جو عورت چاہے گی اٹھ کر کسی میاں بیوی کے درمیان تفریق کرادے گی۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری ج۵ ص۳۶۹ مصنف عبدالرزاق ج۸ ص۳۳۲)

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان عمر بن الخطاب اتی فی امرأة شهدت علٰی رجل وامرأته انها ارضعتها فقال لا حتی شهد رجلان او رجل ومرأتان.

نہیں (ہم تمہارا دعویٰ نہیں مانیں گے) مگر یہ کہ دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں اس پر گواہی دیں۔(**سنن الکبری للبیهقی باب شهادت النساء فی الرضاع جلد۷**)

اس طرح کے فیصلے حضرت علی، مغیرہ بن شعبہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں دیکھیے (**محلی ابن حزم ج۹ ص۴۰۲، فتح الباری ج۵ ص۲۶۹**)

صاحب شمع محمدی نے جو حدیث نقل کی ہے اس کا مطلب:

اس حدیث میں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیوی کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے وہ اس لیے نہیں دیا تھا کہ اس لونڈی کے کہہ دینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگئی تھی۔ بلکہ جیسا کہ اس ہی روایت سے واضح ہے کہ شبہ اور تنگی کا آجانا لازمی تھا۔ نیز ایسے مواقع پر لوگ بھی باتیں بنانے میں پیچھے نہیں رہتے اور اس سے ظاہر ہے ازدواجی زندگی خوش گوار نہیں رہ سکتی وگرنہ اس قصہ کی تفصیلات کا اگر مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا فرمانا، قانونی فیصلہ کے طور پر نہیں بلکہ ایک حکیمانہ ہدایت کے طور پر تھا۔ چنانچہ روایات میں بیان ہوا ہے کہ یہ لونڈی عقبہ بن حارث کے نکاح کے بعد ان کے گھر آئی اور ان سے کچھ صدقہ خیرات کا سوال کیا انہوں نے کچھ تاخیر کی تو اس نے کہا مجھ پر صدقہ کرو، خدا کی قسم میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔

(**دار قطنی ج٤ ص۱۷۷ وسکت علیه ابن حجر فی الفتح ج۵ ص۲۶۹**)

اس سے واضح ہے کہ اس کا یہ دعویٰ کر کے ان کو شبہے میں ڈالنا، غصے اور کینے کی بنا پر تھا پھر اس کے اس دودھ پلانے کی خبر نہ عقبہ بن حارث کو تھی نہ لڑکی کو اور نہ ان کے گھر والوں کو اور نہ اس عورت نے اس سے پہلے کبھی ان کو اس کی خبر دی تھی۔ (فتح الباری)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دعویٰ محض جھوٹا تھا۔ پھر جب عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے مسئلہ بتانے سے اعراض کیا، پھر تین یا چار مرتبہ پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

(دار قطنی ج ۴ ص ۱۷۷)

اگر اس عورت کی گواہی پر حرمت رضاعت ثابت ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلی مرتبہ میں انہیں حکم دیتے کہ اپنی بیوی کو چھوڑ دو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ بھی یہی بتلاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو اپنی بیوی کو چھوڑ دینے کے لیے کہنا محض مصلحت کے طور پر تھا نہ کہ بطور قانون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کیسے تم اس کو پاس رکھو گے؟) جب کہ ایسی (شبہے والی) بات کہہ دی گئی ہے اب تم اس کو اپنے سے جدا کر دو۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۲۶۸)

نیز شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں فرمایا کہ اس عورت کی یہ شہادت کسی کے مذہب میں بھی قانوناً قابل قبول نہیں تھی کیوں کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے اس عورت کی کوئی رنجش پیدا ہو گئی تھی اور اس رنجش کے پیدا ہوتے ہی اس نے یہ شہادت دی۔ ظاہر ہے کہ یہ شہادت الضغن تھی جو کسی کے نزدیک بھی مقبول نہیں۔

(مبسوط سرخسی ج۵ ص۱۳۸ کتاب النکاح)

اس کا حدیث کا صحیح مطلب یہ ہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو بیوی چھوڑنے کا حکم دینا بطور احتیاط کے تھا۔ ہماری بات کی تائید خود امام بخاری کے طرز سے ہوتی ہے چنانچہ امام بخاری نے یہ حدیث ج ۱ ص ۲۷۵، ۲۷۶، کتاب البیوع باب تفسیر المشتبھات میں بھی ذکر کی ہے۔

جو احتیاط پر عمل کرنے کے لیے اور شک وشبہ کو چھوڑنے کے لیے امام بخاری نے قائم کیا ہے۔

علامہ وحید الزمان غیر مقلد کا حوالہ:

علامہ صاحب اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہاں امام بخاری اس لیے لائے کہ گو اکثر علماء کے نزدیک رضاع ایک عورت کی شہادت سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ مگر شبہ تو ہو جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے شبہ کی بنا پر عقبہ کو یہ صلاح دی کہ اس عورت کو چھوڑ دے۔ معلوم ہوا اگر شہادت کامل نہ ہو یا شہادت کے شرائط میں نقص ہو تو معاملہ مشتبہ رہتا ہے لیکن مشتبہ سے بچے رہنا تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

(تیسیر الباری جلد۲ ص۳۵۳ کتاب البیوع)

ہم حنفی بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہی ہے اس مسئلہ میں اصل حکم قرآن مجید کا قابل عمل ہے اور پھر خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم بھی یہی ہے۔ اور حدیث کا جو مفہوم ہم نے بیان کیا ہے اس سے حدیث پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔

صاحب شمع محمدی کا یہ کہنا کہ صاحب ہدایہ نے حرام کو حلال کر دیا۔ یہ بالکل غلط ہے اللہ تعالیٰ مولانا کو معاف فرمائیں۔

اعتراض نمبر ۸۱:

اونچی آواز کی بسم اللہ

صاحب شمع محمدی نقل کرتے ہیں:

سبحان اللہ! کتاب کھولتے ہی کیا حدیث سامنے آئی ہے جس نے تمام معاملہ صاف کر دیا جو مجھ گونگے کی تمام باتیں آپ کے سامنے ظاہر کر دے گی اور میرا جو مطلب ہے وہ آپ کو سلجھا سمجھا دے گی، جانے دیجیے حدیث کی کتابوں کو اس وقت میرے سامنے حنفی مذہب کی اعلیٰ کتاب ہدایہ ہے مجتبائی مطبع کی چھپی ہوئی ہے۔ پہلی جلد ہے ص ۸۷ ہے۔ اس میں پانچویں سطر میں تحریر ہے کہ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَجْهَرُ بِالتَّسْمِيَةِ عِنْدَ الْجَهْرِ بِالْقِرَاْةِ

لما رُوِیَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَھَرَ فِیْ صَلٰوتِہٖ بِالتَّسْمِیَۃِ

یعنی شافعیوں کا مذہب ہے کہ جب اونچی آواز سے قرأت پڑھنی ہو تو بسم اللہ الخ بھی اونچی آواز سے پڑھنے ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت کو بآواز بلند پڑھتے تھے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب کیا ہے اسے مصنف ہدایہ سطر ۴ میں بیان کر چکے ہیں کہ یُسِرُّ بِھِمَا یعنی اعوذ کو اور بسم اللہ کو آہستہ پڑھے۔ دلیل یہ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہی فرماتے ہیں۔ آپ نے یہ نظارہ دیکھا؟ یہ تقسیم سمجھ میں آئی؟ کہ ایک دلیل پر تو شافعی عمل کرے دوسری پر حنفی عمل کرے۔ اب اے شافعیو! اور اے حنفیو! سنو محمدی کہتے ہیں کہ اگر فی الواقع کوئی دلیل ہے تو جیسے اس کی تابعداری ایک حنفی پر ہے، شافعی پر بھی ہے اور جیسے شافعی پر ہے حنفی پر بھی ہے پھر اس کی کیا وجہ کہ ایک دلیل کو حنفی ٹال دے اور ایک دلیل کو شافعی ٹال دے۔

(شمع محمدی ص ۹۹، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۶۰، ص ۱۲۷)

جواب:

امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ بسم اللہ شریف آہستہ پڑھے امام صاحب کا یہ مسلک کئی احادیث سے ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

دلائل احناف

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا:

(۱) عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یسر بسم اللہ الرحمن الرحیم وابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ.

(مجمع الزوائد ج۲ ص۱۰۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سب بسم اللہ آہستہ آواز سے پڑھتے تھے۔

(۲) عن انس رضی الله عنه قال صليت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم وابی بکر وعمر وعثمان رضی الله عنهم فلم اسمع احدا منهم يجهر بسم الله الرحمن الرحيم (نسائی ج۱ ص۱۰۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی لیکن میں نے ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اونچی آواز سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

(۳) عن انس قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منهم يقرأ بسم الله الرحمن الرحيم.

(مسلم ج۱ ص۱۷۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی، لیکن ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

(٤) عن ابن بن مالك رضی الله عنه انه حدثه قال صليت خلف النبی صلى الله عليه وسلم وابی بکر وعمر و عثمان فكانوا يستفتحون بالحمد لله رب العلمين لا يذكرون بسم الله الرحمن الرحيم فی اول قرأة ولا فی آخرها. (مسلم ج۱ ص۱۷۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی یہ سب الحمد للہ رب العالمین سے (قرأت) شروع کرتے تھے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ذکر نہیں کرتے تھے نہ قرأت کے شروع میں نہ

(۵) عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابا بکر وعمر کانوا یفتتحون الصلوٰة بالحمد للہ رب العالمین.

(بخاری ج۱ ص۱۷۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نماز الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔

(٦) عن ابی وائل قال کان علی وابن مسعود لا یجهر ان بسم اللہ الرحمن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بآمین. (معجم طبرانی کبیر ج۹ ص۲٦۳)

حضرت ابووائل فرماتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بسم اللہ، اعوذ باللہ اور آمین اونچی آواز سے نہیں کہتے تھے۔

(۷) محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن ابراهیم قال قال ابن مسعود فی الرجل یجهر بسم اللہ الرحمن الرحیم انها اعرابیة وکان لا یجهر بها هو ولا احد من اصحابه. (کتاب الآثار الامام ابی حنیفة ص۲۲)

حضرت امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بروایت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے یہ خبر دی کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کے بارے میں جو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتا ہے فرمایا کہ یہ گنوار پن ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود اور ان کے اصحاب میں سے کوئی بھی بسم اللہ اونچی آواز سے نہیں پڑھتا تھا۔

(۸) عن عکرمة عن ابن عباس فی الجهر بسم اللہ الرحمن الرحیم قال ذالك فعل الاعراب. (طحاوی ج۱ ص۱٤۰)

حضرت عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھنے کے متعلق فرمایا کہ یہ تو گنواروں کا فعل ہے۔

(۹) عَنِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ سَمِعَنِي أَبِي وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ، أَقُولُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، فَقَالَ لِي أَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ إِيَّاكَ وَالْحَدَثَ، قَالَ وَلَمْ أَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَبْغَضَ إِلَيْهِ الْحَدَثُ فِي الْإِسْلَامِ يَعْنِي مِنْهُ وَقَالَ قَدْ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ، وَمَعَ عُمَرَ، وَمَعَ عُثْمَانَ، فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقُولُهَا، فَلَا تَقُلْهَا، إِذَا أَنْتَ صَلَّيْتَ فَقُلْ (الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ)

قال ابو عيسى حَدِيثُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ، وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَغَيْرُهُمْ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ لَا يَرَوْنَ أَنْ يَجْهَرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ قَالُوا وَيَقُولُهَا فِي نَفْسِهِ (ترمذی ج۱ ص۵۷)

حضرت عبداللہ بن مغفل کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد صاحب نے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے سنا تو مجھ سے فرمایا بیٹا یہ بدعت ہے اور بدعت سے بچو، فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس کے نزدیک اسلام میں بدعت ایجاد کرنے سے زیادہ کوئی چیز مبغوض ہو اور فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم (سب) کے ساتھ نماز پڑھی ہے لیکن ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ کہتے ہوئے نہیں سنا لہٰذا تم بھی نہ کہو، جب تم نماز پڑھو تو کہو الحمد للہ رب العالمین، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مغفل کی حدیث حسن ہے اور نبی ﷺ کے اکثر اہل علم صحابہ کا عمل اسی پر ہے جن میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور دیگر صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین بھی ہیں۔ حضرت سفیان ثوری، حضرت عبداللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے یہ لوگ اونچی

آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کو صحیح نہیں سمجھتے البتہ ان کا کہنا ہے کہ نمازی بسم اللہ اپنے جی میں کہہ لے۔

(۱۰) عن ابراهيم قال جهر الامام بسم الله الرحمن الرحيم بدعة

(مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۴۱۱)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ امام کا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اونچی آواز سے پڑھنا بدعت ہے۔

(۱۱) قال وكيع والجهر بابسملة بدعة. (تذكرة الحفاظ ج۱ ص۳۰۹)

امام وکیع فرماتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اونچی آواز سے پڑھنا بدعت ہے۔

(۱۲) قال سفيان الثوری یا شعيب لا ينفعك ما كتبت حتى ترى المسح على الخفين وحتى ترى ان اخفاء بسم الله الرحمن الرحيم افضل من الجهر به الخ. (تذكرة الحفاظ ج۱ ص۲۰۶)

حضرت سفیان ثوری نے فرمایا اے شعیب جو کچھ تو نے (مجھ سے سن کر) لکھا ہے یہ تجھے اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ تو موزوں پر مسح کرنے کو صحیح نہ سمجھے اور جب تک کہ تو یہ عقیدہ نہ رکھے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ آواز سے پڑھنا اونچی آواز سے پڑھنے کی نسبت افضل ہے۔

رہی وہ روایت جو صاحب ہدایہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل کے طور پر نقل کی ہے، جس کا ذکر جونا گڑھی نے کیا ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

پہلا جواب:

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

حافظ زیلعی رحمہ اللہ نے اس روایت کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اولاً تو یہ روایت شاذ

اور معلول ہے کیوں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کئی شاگردوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ لیکن سوائے نعیم المجمر کے کوئی بھی قراۃ تسمیہ کا جملہ نقل نہیں کرتا اور اگر بالفرض اس کو معتبر مان بھی لیا جائے تب بھی یہ روایت شافعیہ کے مسلک پر صریح نہیں کیوں کہ قرأت کے لفظ سے بسم اللہ کی نفسِ قرأت ثابت ہوتی ہے۔ نہ کہ اس کا جہر، اس لیے کہ قرأت کے لفظ میں قرأت بالسِر کا بھی احتمال ہے۔ لہٰذا اس روایت سے شافعیہ کا استدلال تام نہیں۔
(درس ترمذی جلد اول ص ۵۰۰۔۵۰۱)

دوسرا جواب:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

علامہ زیلعی رحمہ اللہ نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۳۶ میں لکھتے ہیں:

کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے آٹھ سو شاگرد تھے "ما بین صاحب و تابع" ان میں سے صرف نعیم مجمر رحمہ اللہ ہی یہ روایت کرتے ہیں اور کوئی بھی نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت شاذ ہے۔

تیسرا جواب:

شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فتاویٰ ج ا ص ۸۵ میں لکھتے ہیں کہ جھگڑا تو جہر کا ہے۔ اس روایت میں فقرأ کے لفظ ہیں۔ قرأت کا تو جھگڑا ہی نہیں۔ لہٰذا یہ جہر کے لیے نا کافی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

اگر سِرًّا پڑھی تو پھر سنی کیسے۔

جواب:

ممکن ہے کبھی کوئی آیت جہر سے پڑھتے ہوں۔ بخاری ج ا ص ۱۰۵ اور ص ۱۰۷

لیا ہے۔

(یسمعنا الآیة احیانًا) قال ابن القیم رحمة الله علیه فی الزاد ص٦٣ ج١ وترك النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الجهر بالبسملة وکان یجهر بها احیانًا والمقصود انه کان یفعل فی الصلٰوة شیئًا احیانا العارض لم یکن من فعله الراتب.

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ اعتراض بھی پیش کیا ہے کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت کا ذکر کیا ہے تو ان کو کیسے پتہ چلا؟ جواباً کہتے ہیں کہ شاید سری میں بھی کوئی کلمہ سن لیا ہو۔ اور ممکن ہے کہ نماز ختم کر کے بتلایا ہو۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری ج اص۱۰۵ میں ہے۔ (خزائن السنن ج۲ص۷۰۔۷۱)

چوتھا جواب:

نعیم بہت قریب ہیں ابو ہریرہ سے ان کے آہستہ بسم اللہ کہنے سے بھی یہ واقف ہو گئے ہوں۔ الغرض ان کے اس قول سے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ پڑھی ہرگز یہ نہیں ثابت ہوتا کہ انہوں نے بلند آواز سے پڑھی۔ ایسی بہت سی نظیریں موجود ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر وظہر میں فلاں فلاں سورت پڑھتے تھے یا درمیان دو سجدہ کے قعدہ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ یا بعد سبحانک اللہم کے اور رکوع میں اور بعد رکوع کے اور قعدہ اخیرہ میں یہ دعائیں پڑھتے تھے۔ اذکار امام نووی وعمل الیوم واللیلۃ لابن السنی وکتب حدیث صحاح ستہ وغیرہ کو جو شخص دیکھے گا اس قسم کی روایات بہت پاوے گا۔ حال آنکہ بالیقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اذکار اور ادعیہ اور قرأت سور ظہر وعصر وغیرہ میں آہستہ ادا ہوتی تھی نہ بلند آواز سے۔ پس اگر صرف ذکر کرنا مقتدی کا کہ ہمارے امام نے یہ لفظ ادا کیا یا یہ دعا پڑھی۔ مستلزم ثبوت خبر ہووے لازم آتا ہے کہ ان سب روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند کرنا آواز ساتھ ان اذکار اور قرأت کے ثابت کیا جاوے۔

اعتراض نمبر۸۲:

بلند کو پست کر دیا (ایک موسمی مسئلہ لیجیے)

(عیدالفطر میں تکبیرات کہنا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

ایک موسمی مسئلہ لیجیے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا غَدَا يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْاَضْحٰى يَجْهَرُ بِالتَّكْبِيْرِ.

(دار قطنی)

''بیہقی میں یہ مرفوعاً بھی مروی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو باآواز بلند تکبیریں پڑھتے۔

خود قرآن نے رمضان کے ذکر کے ساتھ فرمایا ہے۔ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ ترغیب ترہیب میں حدیث ہے کہ عید کی زینت اسی تکبیر سے ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عید میں آتے جاتے اور عیدگاہ میں برابر باآواز بلند تکبیر پڑھتے رہتے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا چنانچہ ہدایہ جلد اول ص ۱۵۳ باب العیدین میں ہے وَلَا يُكَبِّرُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فِيْ طَرِيْقِ الْمُصَلّٰى یعنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک یعنی عید میں عید گاہ جاتے ہوئے تکبیر نہ پڑھے۔ کہیے حنفی بھائیو! اب حدیث مانو گے؟ یا فقہ؟

(شمع محمدی ص ۱۰)

جواب:

صاحب شمع محمدی نے ہدایہ کی عبارت کا مفہوم غلط لیا ہے۔ جس سے امام صاحب کا

ء ے سے عید الفطر کے دن تکبیر کا انکار لازم آتا ہے جیسا کہ مولانا جونا گڑھی نے ترجمہ
کرتے ہوئے لکھا ہے حالانکہ اس عبارت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ عید الفطر کے دن عید گاہ
جاتے ہوئے بقرہ عید کی طرح بلند آواز سے تکبیر نہ کہے آہستہ آواز سے کہے۔

مولانا سید امیر علی غیر مقلد نے یہ ہی مفہوم لیا ہے۔ ہدایہ کی اس عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں

وَلاَ یُکَبِّرُ — اور تکبیر کی آواز بلند نہ کرے۔

عند ابی حنیفة فی طریق المصلی ابوحنیفہ کے نزدیک عید گاہ کے راستہ میں۔

(عین الھدایہ ترجمہ و شرح ھدایہ جلد اول ص۸٤٦ ناشر مکتبہ رحمانیہ لاھور)

اس سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے بعد احناف کا صحیح مسلک یہ ہی ہے کہ عید الفطر میں عید گاہ جاتے وقت تکبیر کہنا چاہیے مگر آہستہ۔

حنفی مسلک کی تمام کتب میں اسی طرح لکھا ہوا ہے کچھ عبارات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) بہشتی زیور حصہ نمبر ۱۱ ص ۴۹۰ میں ہے۔

عید الفطر کے دن تیرہ چیزیں مسنون ہیں۔ پھر آگے نمبر ۱۳ میں لکھتے ہیں۔

اور راستے میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ آہستہ آواز سے پڑھتے ہوئے جانا چاہیے۔

(۲) احسن المسائل اردو ترجمہ کنز الدقائق ص ۵۷ باب نماز عیدین میں ہے۔

پھر عید گاہ جائے راستہ میں آواز سے تکبیر نہ کہے (بلکہ آہستہ آہستہ کہے) اور نہ عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھے۔

(۳) اشرف الوقایہ ترجمہ وشرح اردو شرح وقایہ جلد اول ص ۲۴۰ باب العیدین میں ہے۔

عید الفطر کے روز مستحب یہ ہے کہ نماز سے قبل کچھ کھائے اور مسواک کرے اور غسل

کرے۔اور خوشبو لگائے اور جو سب سے اچھا کپڑا اپنا ہو وہ پہنے اور صدقہ فطر ادا کرے اور عیدگاہ کے راستے میں آہستہ آہستہ تکبیر کہتا ہوا عیدگاہ کی جانب جائے۔

(۴) مولانا عبدالحمید سواتی لکھتے ہیں:

اور پھر عیدگاہ کی طرف روانہ ہو، راستہ میں تکبیرات کہے تو آہستہ آواز سے کہے جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہ کہتے ہیں نماز عید سے پہلے کوئی نفل نہ پڑھے اور عیدگاہ میں نماز کے بعد بھی نفل پڑھنے مکروہ ہیں۔

(ہدایہ ج ا ص ۱۱۱، شرح نقایہ ج ا ص ۱۲۱، کبیری ص ۵۶۶، نماز مسنون کلاں ص ۶۹۳)

(۵) مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مدنی لکھتے ہیں:

(۱) فتاویٰ شامیہ، جوہرہ نیرہ اور ہندیہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مختار مسلک یہ ہے کہ عیدالفطر کے دن پوشیدہ آواز سے تکبیر کہنا مستحب ہے تو گویا امام ابوحنیفہ کا صاحبین سے نفس تکبیر میں اختلاف نہیں البتہ جہر میں اختلاف ہے۔فافہم

(الفلاح الضروری اردو ترجمه التسهیل الضروری لمسائل قدوری ص۷۵ حاشیه نمبر۱)

(۶) مولانا مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

(۱) عیدالفطر کے دن نماز سے پہلے کھجوریں یا چھوہارے یا کوئی اور میٹھی چیز کھانا سنت ہے۔(۲) صدقہ فطر ادا کر کے نماز کے لیے جانا چاہیے، صدقہ فطر کا ذکر روزہ کے بیان میں آئے گا۔(۳) عیدگاہ کے راستہ میں آہستہ آہستہ تکبیر کہتے جانا۔

(شرح التنویر ص۱۱۲ ج۱، اسلامی فقه جلد۱ صفحه ۳۰۶، باب عید الفطر کے خاص احکام)

ناظرین حوالے تو بہت ہیں مگر ہم ان ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ان حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور حنفی عیدالفطر کے دن عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیرات کے قائل ہیں۔

اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ تکبیریں آہستہ کہنی چاہیے یا بلند آواز سے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ عید الفطر کے دن آہستہ اور بقرہ عید کے روز بلند آواز سے کہنا چاہیے۔ کیوں کہ یہ اصل میں اللہ کا ذکر ہے اور ذکر میں اخفاء اصل ہے۔

آہستہ کہنے کے دلائل:

قرآن مجید میں ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (اعراف: ۵۵)

پکارو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے بے شک وہ محبت نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کے ساتھ۔

دوسری آیت:

وَاذْكُر رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَخِيفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ○ (اعراف: ۲۰۵)

اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے اور جہر سے کم آواز میں۔

حدیث:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر جہاد کیا یا خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو (رستے میں) لوگ ایک بلند جگہ پر چڑھے انہوں نے پکار کر تکبیر کہی اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اوپر آسانی کرو تم کیا اس کو پکارتے ہو جو بہرا ہے یا تم کو نہیں دیکھتا تم تو ایسے خدا کو پکارتے ہو جو سب کی سنتا ہے اور نزدیک ہے وہ تمہارے ساتھ ہے۔

(بخاری ج۲ ص۶۰۵، کتاب المغازی، مسلم ج۲ ص۳۴۶، مسند احمد ج٤ ص۳۹٤)

ان دلائل کی وجہ سے امام ابوحنیفہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ ذکر میں اصل اخفا ہے۔ باقی بقرہ عید کے روز جہراً پڑھنے کے دلائل احادیث میں موجود تھے اس لیے وہاں پر اس کو اختیار کیا گیا۔

رہی وہ روایت جو مولانا جوناگڑھی نے نقل کی ہے وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ہے اور قرآن مجید اور مرفوع حدیث کے مقابل میں اس پر عمل نہیں ہوسکتا دوسرے وہ اس لیے نقل نہیں کی کہ آہستہ اور جہر کو ثابت کیا جائے بلکہ اس لیے نقل کی تھی کہ یہ ثابت کیا جائے کہ امام ابوحنیفہ سرے سے تکبیر پڑھنے کے قائل ہی نہیں ہیں اور عبداللہ بن عمر کا عمل بتا رہا ہے کہ تکبیر ثابت ہے۔ لہٰذا ہم نے ثابت کر دیا کہ امام صاحب کا مذہب قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

اعتراض نمبر ۸۳:

اپنی طرف سے شرط بنالی

(یعنی اعتکاف کے لیے روزہ رکھنا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُنْتُ نَذَرْتُ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ اَنْ اَعْتَکِفُ لَیْلَۃً فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ فَاَوْفِ بِنَذْرِكَ

(متفق علیه، مشکوٰۃ جلد اول ص ۱۸۳ کتاب الصوم باب الاعتکاف)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔ پس صاف ظاہر ہے کہ اعتکاف کے لیے روزے کی شرط نہیں کیوں کہ رات کو روزہ نہیں ہوتا۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب اس صحیح صریح حدیث کے خلاف کہتا ہے کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے چنانچہ ہدایہ جلد اول باب الاعتکاف ص۲۰۹ میں ہے **والصوم من شرطه عندنا** یعنی اعتکاف کے لیے روزہ ہمارے نزدیک شرط ہے۔ اب اے حنفی بھائیو! آپ فرمایئے آپ کے نزدیک جو ہے وہ تو آپ نے دیکھ لیا۔ (شمع محمدی ۱۰۲)

جواب:

احناف کی دلیل

حدیث نمبر ۱:

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ اعتکاف کرنے والے کو یہ سنت ہے کہ عیادت نہ کرے مریض کی اور نہ جنازہ کی نماز کے واسطے حاضر ہو اور نہ عورت کو چھوئے اور نہ عورت سے مباشرت کرے اور نہ کسی کام کے واسطے نکلے سوائے ضرورت کے کام کے (یعنی پیشاب و پاخانہ وغیرہ کے لیے) اور بغیر روزہ کے اعتکاف درست نہیں ہوتا۔ الحدیث

(ابوداؤد باب الاعتکاف، سنن دار قطنی باب الاعتکاف)

رہی وہ روایت جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہے اس میں روزہ رکھنے کا ذکر نہیں مگر دوسری روایات میں نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر کو روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جاہلیت کے زمانے میں نذر کی تھی ایک رات یا ایک دن اعتکاف کرنے کی کعبے کے پاس انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا اعتکاف کر اور روزہ رکھ۔

(ابوداؤد الاعتکاف المعتکف یعود المریض، مشکوٰۃ باب الاعتکاف فصل ثانی، سنن دار قطنی باب الاعتکاف)

اس سے ثابت ہوا کہ ہدایہ کا مسئلہ حدیث کے خلاف نہیں ہے اور نہ ہی احناف نے اپنی طرف سے کوئی شرط بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو قرآن وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اعتراض نمبر ۸۴:

وقت قربانی

(یعنی گاؤں میں عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے:

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ شَهِدْتُ الْاَضْحٰی یَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَعْدُ اَنْ صَلّٰی وَفَرَغَ مِنْ صَلٰوتِہٖ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ یَرٰی لَحْمَ اَضَاحِیَّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ اَنْ یَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِہٖ فَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ یُصَلِّیَ اَوْ تُصَلّٰی فَلْیَذْبَحْ مَكَانَهَا الْاُخْرٰی الخ

(متفق علیه مشکٰوۃ جلد اول ص۱۲۹ کتاب الصلٰوۃ باب فی الاضحیة)

. یعنی رسول اللہ ﷺ نے نماز عید سے فارغ ہوتے ہی قربانی کا گوشت دیکھا جو نماز کی فراغت سے پہلے ہی قربان کر دی گئی تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا جس نے نماز پڑھنے سے پہلے یا فرمایا نماز پڑھ لی جائے اس سے پہلے جس نے قربانی کی ہو اسے اس کی جگہ اور قربانی کرنی چاہیے۔ یہ حدیث صاف دلیل ہے کہ نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حنفی مذہب اسے نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ شہر کے اردگرد رہنے والے دیہاتی تو بعد فجر قربانی کر لیں چنانچہ ہدایہ جلد چہارم ص۴۲۹ کتاب الاضحیہ میں ہے **فَاَمَّا اَهْلُ السَّوَادِ**

يذبحون بعد الفجر یعنی شہر کے آس پاس کے رہنے والے فجر کے بعد اپنی قربانیاں کر لیں۔ کہو حنفی بھائیو! حدیث مقبول یا فقہ؟ اور مردود کون؟

(شمع محمدی ۱۰۲، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۶۲)

جواب:

صاحب شمع محمدی نے جو حدیث نقل کی ہے اس پر احناف کا عمل ہے چنانچہ ہدایہ ہی میں لکھا ہے۔

یوم النحر (بقرہ عید کے دن) کے طلوع فجر سے قربانی کا وقت داخل ہو جاتا ہے البتہ شہریوں کے لیے امام کے نماز پڑھ لینے سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ ہدایہ کتاب الاضحیہ۔ ہدایہ کا یہ مسئلہ حدیث کے مطابق ہے مگر صاحب شمع محمدی نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ اس مسئلہ کو ذکر کرنے کے بعد صاحب ہدایہ آگے گاؤں کے لوگوں کے متعلق لکھتے ہیں۔

رہے دیہاتی تو وہ فجر کے بعد ذبح کر سکتے ہیں۔ فرماتے ہیں اور اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان مستدل ہے کہ جس شخص نے نماز سے پہلے ذبح کر لیا اسے ذبیح کا اعادہ کرنا چاہیے اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا تو اس کی قربانی مکمل ہو گئی۔ (بخاری کتاب الاضحی باب من ذبح قبل الصلاة) اور اس نے مسلمانوں کا طریقہ اپنا لیا۔ (نوٹ: ہدایہ کی یہ عبارت مختلف احادیث کا مفہوم اور خلاصہ ہے کسی حدیث کا مکمل ترجمہ نہیں ہے) پھر حدیث کا حوالہ دیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس دن ہماری پہلی عبادت نماز ہے پھر قربانی۔ (بخاری باب الذبح بعد الصلاة)

ہدایہ کے علاوہ اور بہت سی کتب میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔

(۲) احسن الہدایہ جلد ۱۳ ص ۳۰۲ میں ہے۔

شہر اور وہ مقامات جہاں عیدین اور جمعہ مشروع ہیں وہاں کے باشندوں کو نماز عید سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) مولانا مجیب اللہ ندوی اسلامی فقہ جلد اص ۵۲۱ میں لکھتے ہیں۔

اسی طرح قربانی کا نماز کے بعد کرنا ضروری ہے۔

(۴) الفلاح الضروری ترجمہ تسہیل الضروری ص ۴۲۰ قربانی کا بیان میں ہے۔

سوال:

قربانی کے وقت کی ابتداء کیا ہے؟

جواب:

نحر کے دن (یعنی دس ذوالحجہ) کو فجر ثانی (یعنی صبح صادق) کے طلوع سے قربانی کا وقت داخل ہوتا ہے مگر تحقیق شان یہ ہے کہ شہر والوں کے لیے نمازِ عید سے پہلے ان کو ذبح کرنا جائز نہیں۔

سوال:

اگر ان میں سے کوئی نماز عید سے پہلے ذبح کرے تو کیا کرے؟

جواب:

قربانی کو لوٹائے۔

(۵) مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں مسئلہ نمبر ۳ بقرعید کی نماز ہونے سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے۔ جب لوگ نماز پڑھ چکیں تب کرے۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ حنفی مسلک حدیث کے مطابق ہے۔ اب رہی گاؤں میں نماز سے قبل اجازت تو ایسی کوئی دلیل قرآن یا حدیث میں موجود نہیں جو خاص گاؤں میں منع کرنے کی ہو۔ اگر ہو تو پیش کریں۔ حدیث میں آتا ہے کہ نمازِ عید کے بعد قربانی کریں جب گاؤں میں نماز عید ہی نہیں ہوتی تو وہ پھر انتظار نماز کا کس طرح کریں گے۔ یہاں پر مسئلہ اقتضاء النص کے طور پر گاؤں کے لیے طلوع فجر کے بعد قربانی کرنے کا جواز

ثابت ہو رہا ہے۔

نوٹ:

فقہ حنفی یہ نہیں کہتی کہ ضرور ضرور اس طرح کرو فقہ حنفی میں صرف جواز ہے۔

اعتراض نمبر ۸۵:

حدیث کا مقابلہ حیلے سے

(یعنی شہر کے لوگ اگر جلدی قربانی کرنا چاہیں تو اپنی قربانی گاؤں میں بھیج کر نماز عید سے پہلے کر سکتے ہیں)

صاحب شمع محمدی نقل کرتے ہیں۔

اسی نمبر ۸۴ کی حدیث کو دوبارہ پڑھ جایئے اس میں یہاں تک تاکید ہے کہ اگر کسی نے نماز سے پہلے قربانی کر لی تو اسے دوبارہ قربانی کرنی پڑے گی۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب کہتا ہے

وَحِيْلَةُ الْمِصْرِيِّ إِذَا أَرَادَ التَّعْجِيْلَ أَنْ يَّبْعَثَ بِهَا إِلٰى خَارِجِ الْمِصْرِ فَيُضَحّٰى بِهَا كَمَا طَلَعَ الْفَجْرُ

یعنی شہری لوگ اگر جلدی سے قربانی کر لینا چاہیں تو وہ یہ حیلہ کر لیں کہ اپنی قربانی کے جانور کو شہر کے آس پاس کہیں بھیج دیں اور وہاں طلوع فجر کے بعد ہی قربانی ہو جائے۔

کہو حنفی بھائیو حیلے سے حکم حدیث کو باطل کرنا منظور؟ یا حکم حدیث کے خلاف حیلوں کو کچل ڈالنا منظور؟ (شمع محمدی ص ۱۰۳، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۶۲)

جواب:

اس کا جواب اعتراض نمبر۸۴ کے جواب میں گزر چکا ہے۔ یہاں پر مسئلہ مجبوری کا ہے۔ عام حالات اور مجبوری کے احکام الگ الگ ہوتے ہیں۔ غلط ملط نہیں کرنے چاہییں۔اس اعتراض کا جواب فتح المبین ص ۱۶۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔

مجبوری کی مثال ملاحظہ فرمائیں۔

فرض کریں کسی نے قربانی کا جانور خریدا اور وہ اتنا سخت بیمار پڑ گیا کہ ڈاکٹر کہتا ہے کہ اسے جلد از جلد ذبح کرلیں۔مگر یہ سحری کا ٹائم ہے اور نماز عید کا وقت صبح ۹ بجے کا ہے تو اب کیا کریں اگر نماز عید کا انتظار کرتے ہیں تو خطرہ ہے کہ جانور مر نہ جائے۔آپ کے عزیز کسی قریبی گاؤں میں رہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ یہاں لے آئیں۔آپ وہاں پر بھیج دیتے ہیں وہ اسے طلوع فجر کے فوراً بعد ذبح کردیتے ہیں تو اس طرح کرنے سے قربانی ہوگی۔اس میں کیا حرج ہے۔یہ عام حکم نہیں بلکہ مجبوری کا ہے۔

(مثال نمبر۲) آپ بیرونِ ملک جارہے ہیں آپ کی فلائیٹ تیار ہے وقت بہت کم ہے آپ چاہتے ہیں کہ اپنی قربانی میں سے کچھ کھالو اگر نماز عید کا انتظار کرو گے تو دیر ہو جائے گی یا قصائی وغیرہ نہیں ملتا اور گاؤں میں قصائی بھی موجود ہو اور آپ کی بیٹی یا ہمشیرہ یا اور کوئی آپ کا عزیز کہتا ہے کہ آپ گاؤں میں ہمارے پاس جانور بھیج دو سب کام آپ کے جانے تک ہو جائیں گے آپ قربانی کا گوشت بھی کھالیں گے اور دیر بھی نہیں ہوگی اگر آپ اس طرح کرتے ہیں تو فقہ حنفی میں اس مجبوری کا جواز موجود ہے۔

فقہ حنفی یہ نہیں کہتی کہ عام حالات میں ایسا کرو فقہ حنفی نے تو مجبور کے لیے شرعی حیلہ بتایا ہے۔ حیلے کی دو قسمیں ہیں ایک شرعی اور ایک غیر شرعی۔غیر شرعی کو تو فقہ حنفی بھی ناجائز کہتی ہے مگر شرعی حیلہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اس لیے فقہ حنفی اس کو مانتی ہے۔دیکھئے حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ۔

اعتراض نمبر ۸۶:

فعل رسول ﷺ کو مکروہ کہنا

(یعنی ھدی کے جانور کو زخم لگانا (اشعار کرنا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الظُّھْرَ بِذِی الْحُلَیْفَۃِ ثُمَّ دَعَا بِنَاقَتِہٖ فَاَشْعَرَھَا فِیْ صَفْحَۃِ سِنَامِھَا الْاَیْمَنِ (رواہ مسلم)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے حج کے موقعہ پر ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھ کر اپنی قربانی کی اونٹنی کے کوہان کے دائیں جانب اشعار کیا۔

یہ حدیث مسلم میں ہے بھی ہے بخاری میں بھی اشعار کی حدیث ہے۔ اشعار اس لیے ہوتا ہے کہ یہ نشان ہے قربانی کے جانور کا اونٹ کی کوہان کے دائیں جانب زخم کر کے لہو پونچھ ڈالا جاتا ہے۔ یہ کام حضور ﷺ نے کیا۔ بخاری مسلم میں موجود ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب اسے مکروہ کہتا ہے ہدایہ جلد اول کتاب الحج فصل ص ۲۳۶ میں ہے **والاشعار مکروہ عند ابی حنفیۃ** یعنی یہ اشعار امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے کہو مقلد بھائیو! اب آپ امام صاحب کی مان کر فعل رسول ﷺ کو مکروہ کہو گے؟ یا رسول اللہ ﷺ کی مان کر اس مسئلے کو مکروہ کہو گے؟

(شمع محمدی ص ۱۰۳، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۵۹)

جواب:

اس کا تفصیلی جواب تو فتح المبین ص ۱۶۲ پر ملاحظہ فرمائیں مختصراً یہاں لکھا جاتا ہے۔

درحقیقت اس مسئلے میں امام صاحب کے موقف میں کچھ تفصیل ہے جس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ اعتراض پیدا ہوا ہے۔

صحیح احاد . میں آنحضرت ﷺ سے اشعار یعنی قربانی کے جانور کو علامتی زخم لگانا ثابت ہے سلف وخلف کا اس پر عمل رہا ہے اس لیے اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اصول تو یہ ہے کہ آپ ضعیف حدیث اور صحابی کے عمل کے مقابلے میں بھی اپنی رائے کو ترک کردیتے ہیں۔ اس لیے اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ امام صاحب اشعار کو حضور ﷺ سے ثابت مانتے ہوئے اس کو مکروہ یا مثلہ قرار دیتے ہوں بلکہ ان کی رائے کا صحیح پس منظر یہ ہے کہ وہ اصلاً تو اشعار کو جائز اور درست قرار دیتے ہیں لیکن ان کے زمانے میں ناواقف لوگوں نے زخم لگانے میں بہت مبالغہ کرنا شروع کردیا (یعنی جانور کی کھال کے بجائے اس کے گوشت تک کو زخمی کرنے لگے) جس سے جانور کو تکلیف ہوتی۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے لوگوں کو اس غلط طریقہ سے اشعار کرنے سے روکنے کے لیے اشعار نہ کرنے کا فتویٰ دیا۔ ان کا اصل منشاء ایک جائز اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت عمل سے منع کرنا نہیں بلکہ لوگوں کو اس عمل میں ناجائز مبالغہ سے روکنا تھا۔

دوسرے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اشعار، ہدی (قربانی کے جانور) کے لیے علامت مقرر کرنے کا حکم بھی کوئی فرض یا واجب کے درجہ کا نہیں بلکہ اس کا درجہ محض جواز کا ہے کیوں کہ دوسری طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے کرنے یا نہ کرنے میں تخییر منقول ہے دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ طبع کراچی روایت نمبرا ۱۰۶۴، ۱۰۶۹۔ نیز حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جن سو اونٹوں کی قربانی کی تھی، ان میں سے صرف ایک اونٹ کا اشعار کرنا ثابت ہے باقی سب اونٹوں کی علامت ان کے گلوں میں پٹہ لٹکا کر مقرر کی گئی تھی۔

اس سے واضح ہے کہ امام صاحب کی طرف اس عمل کو مثلہ قرار دینے کی نسبت بالکل اور من گھڑت ہے۔ چنانچہ احناف نے یہی نہیں بلکہ دوسرے مسالک کے اہل علم نے ان کی رائے کا وہی مفہوم قبول کیا ہے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے امام طحاوی حنفی کے حوالہ سے یہ توجیہ نقل کر کے لکھا ہے۔

اس معاملے میں امام طحاوی کی توجیہہ ہی کی طرف رجوع متعین ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے فقہاء کے اقوال کے مفہوم و مطلب دوسروں کی نسبت زیادہ واقف ہیں۔

(فتح الباری شرح بخاری ج ۳/ ۲۳۵)

اعتراض نمبر ۸۷:

جنازہ میں فاتحہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ طلحة بن عبدالله بن عوف قال صليت خلف ابن عباس على جنازة فقرا فاتحة الكتاب فقال لتعلموا انها سنة

(رواه البخاری، مشکوة جلد اول ۱۴۵ کتاب الجنائز باب المشى الخ)

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جنازے کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا تا کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔ حدیث میں عام طور پر آ چکا ہے کہ بغیر سورہ فاتحہ کے کوئی نماز نہیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب جنازے کی نماز میں امام مقتدی کسی کے لیے بھی سورہ فاتحہ کا قائل نہیں۔ ہدایہ میں ہے **والبداية بالثناء الخ (جلد اول كتاب الصلوٰة فى فصل الصلوٰة على الميت)** یعنی جنازے کی نماز میں ثناء پڑھا کر درود پڑھ کر پھر میت کے لیے

استغفار کرے۔ کہو حنفی بھائیو! یوں تو فاتحہ خوانی کی دھوم مچی رہتی ہے۔ قبر پر فاتحہ، گھر پر فاتحہ، چالیس قدم پر فاتحہ، نماز جنازہ کے بعد فاتحہ لیکن جہاں سورہ فاتحہ پڑھنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے وہاں سے تم نے فاتحہ کا خاتمہ ہی کر دیا۔ اب حدیث سن لی، اب کیا کرو گے؟ اب کیا کہو گے؟ اسی پرانی روش پر چل کر غیر جگہ تو فاتحوں کی بھرمار کرو گے؟ اور حدیث کی مسنون جگہ نام بھی نہ لو گے؟ یا اب وہ کرو گے جو سنت ہے؟

(شمع محمدی ص ۱۰۴، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۵۱)

جواب:

یہ اعتراض جونا گڑھی نے ظفر المبین حصہ اول ص ۱۵۱ سے لیا ہے۔ اس کا جواب فتح المبین ص ۱۴۹ پر دیا گیا تھا۔ ناظرین کے لیے مختصراً ہم یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ جنازہ کی نماز میں قرأت ہے یا نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جنازہ کی نماز میں کسی قسم کی قرأت نہیں ہے۔ جب کہ غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ہے کہ جنازہ میں قرأت ہے۔ اور سورہ فاتحہ پڑھنا تو فرض ہے۔ کیوں کہ حدیث لاصلوٰۃ میں جنازہ کی نماز بھی شامل ہے۔

دلائل احناف:

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اور دوسری سورہ بطور قرأت پڑھنا جائز نہیں۔

(۱) عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء. (ابو داؤد ج۲ ص۱۰۰، ابن ماجۃ ص۱۰۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیے اخلاص کے ساتھ دعا کرو۔

(۲) مَالِكٌ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ؛ أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ، كَيْفَ تُصَلِّي عَلَى الْجَنَازَةِ؟ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَا، لَعَمْرُ اللهِ، أُخْبِرُكَ أَتَّبِعُهَا مِنْ أَهْلِهَا فَإِذَا وُضِعَتْ كَبَّرْتُ وَحَمِدْتُ اللهَ وَصَلَّيْتُ عَلَى نَبِيِّهِ ثُمَّ

اول اللّٰهُمَّ عَبْدُكَ، وَابْنُ عَبْدِكَ، وَابْنُ أَمَتِكَ كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ وان مُحَمَّداً عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ مُحْسِناً، فَزِدْ فِي احسانه وَإِنْ كَانَ مُسِيئاً، فَتَجَاوَزْ عَنْ سَيِّئَاتِهِ اللّٰهُمَّ لاَ تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلاَ تَفْتِنَّا بعده (موطا امام مالك ج١ ص٢٠٩)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت سعید مقبری سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا بخدا میں تمہیں ضرور بتلاؤں گا، میں جنازہ والے گھر سے ہی جنازہ کے ساتھ ہولیتا ہوں جب جنازہ (نماز کے لیے) رکھا جاتا ہے تو میں تکبیر کہہ کر اللہ کی حمد و ثناء کرتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا ہوں۔

اللّٰهُمَّ عَبْدُكَ، وَابْنُ عَبْدِكَ، وَابْنُ أَمَتِكَ كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ وان مُحَمَّداً عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ مُحْسِناً، فَزِدْ فِي احسانه وَإِنْ كَانَ مُسِيئاً، فَتَجَاوَزْ عَنْ سَيِّئَاتِهِ اللّٰهُمَّ لاَ تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلاَ تَفْتِنَّا بعده.

(٣) مالك عن نافع ان عبد الله بن عمر كان لا يقرأ في الصلاة على الجنازة. (موطا امام مالك ج١ ص٢١٠)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

(٤) روى عن ابن مسعود انه سئل عن صلاة الجنازة هل يقرأ فيها فقال لم يوقت لنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قولا ولا قرأة وفي رواية دعاءً ولا قرأة كبر ما كبر الامام واختر من اطيب الكلام ما شئت، وفي رواية واختر من الدعاء اطيبه. (بدائع الصنائع ج١ ص٣١٣، مغنى ابن قدامة ج٢ ص٤٨٥)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے نماز جنازہ میں قرأت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے کوئی خاص کلام اور قرأت مقرر نہیں فرمائی۔ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جو اچھے سے اچھا کلام (ثناء و دعا وغیرہ) چاہو اختیار کرو اور ایک روایت میں ہے کہ جو بہتر سے بہتر دعا ہو وہ اختیار کرو۔

(۵) روی عن عبدالرحمن بن عوف و ابن عمر انهما قالا ليس فيها قراءة شيء من القرآن. (بدائع الصنائع ج۱ ص۳۱۲)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے فرمایا نماز جنازہ میں قرآن کے کسی حصہ کی بھی قرأت نہیں ہے۔

(٦) عن علی انه کان اذا صلی علی میت یبدأ بحمد الله ویصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم ثم یقول اللهم اغفر لاحیائنا واموتنا والف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا واجعل قلوبنا علی قلوب خیارنا.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۳ ص۲۹۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ جب کسی میت کی نماز جنازہ پڑھاتے تو اللہ کی حمد و ثناء سے ابتداء کرتے پھر نبی علیہ السلام پر درود پڑھتے پھر یہ دعا مانگتے

اللهم اغفر لاحیائنا واموتنا والف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا واجعل قلوبنا علی قلوب خیارنا.

(۷) عن الشعبی قال فی التکبیرة الاولیٰ یبدأ بحمد الله والثناء علیه والثانیة صلوٰة علی النبی صلی الله علیه وسلم والثالثة دعاء للمیت والرابعة للتسلیم.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۳ ص۲۹۵، مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۴۹۱)

حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نماز جنازہ میں پہلی تکبیر میں اللہ کی حمد و ثناء سے

اور دوسری تکبیر کے بعد نبی ﷺ پر درود پڑھے، تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعا کرے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرے۔

(۸) عن عبداللہ بن ایاس عن ابراھیم وعن ابی الحصین عن الشعبی قالا لیس فی الجنازۃ قرأۃ. (مصنف ابن ابی شیبۃ ج۳ ص۲۹۹)

حضرت ابراہیم نخعی اور امام شعبی فرماتے ہیں نماز جنازہ میں قرأت نہیں ہے۔

(۹) عن ایوب عن محمد انہ کان لا یقرأ علی المیت.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج۳ ص۲۹۸، مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۴۹۱)

حضرت ایوب حضرت محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

(۱۰) عن حجاج قال سألت عطاء عن القرأۃ علی الجنازۃ فقال ما سمعنا بھذا. (مصنف ابن ابی شیبۃ ج۳ ص۲۹۹)

حضرت حجاج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے نماز جنازہ میں قرأت کرنے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا ہم نے یہ نہیں سنا۔

(۱۱) عن ابی طاؤس عن ابیہ وعطاء انھما کانا ینکران القرأۃ علی الجنازۃ. (مصنف ابن ابی شیبۃ ج۳ ص۲۹۹)

حضرت ابو طاؤس اپنے والد طاؤس اور حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ نماز جنازہ میں قرأت کا انکار کرتے تھے۔

(۱۲) عن بکر بن عبداللہ قال لا اعلم فیھا قرأۃ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج۳ ص۲۹۹)

حضرت بکر بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نماز جنازہ میں قرأت کو نہیں جانتا۔

(۱۳) عن مفضل قال سألت میمونا علی الجنازۃ قرأۃ او صلوۃ علی

النبی صلی الله علیه وسلم قال ما علمت.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۳ ص۲۹۹)

حضرت مفصل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت میمون رحمہ اللہ سے نماز جنازہ میں قرأت اور درود سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔

(١٤) عن محمد بن عبدالله بن ابی سارة قال سألت سالمًا فقلت القرأة على الجنازة فقال لا قرأة على الجنازة على الجنازة.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۳ ص۲۹۹)

حضرت محمد بن عبداللہ بن ابی سارۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سالم رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ نماز جنازہ میں قرأت کروں تو آپ نے فرمایا نماز جنازہ میں قرأت نہیں ہے۔

(١٥) عن ابی المنهال قال سألت ابا العالية عن القرأة فی الصلٰوة على الجنازة بفاتحة الكتاب فقال ما كنت احسب ان فاتحة الكتاب تقرؤ الا فی صلٰوة فيها ركوع و سجود. (مصنف ابن ابی شیبة ج۳ ص۲۹۹)

حضرت ابو المنہال فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو العالیہ الریاحی سے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میرا تو یہی خیال ہے کہ سورہ فاتحہ صرف رکوع و سجود والی نماز ہی میں پڑھی جاتی ہے۔

(١٦) عن موسى بن على عن ابيه قال قلت لفضالة بن عبيدة هل يقرؤ على الميت شیء قال لا. (مصنف ابن ابی شیبة ج۳ ص۲۹۹)

حضرت موسیٰ بن علی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت فضالہ بن عبیدہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا میت پر (نماز جنازہ میں) قرأت کی جاتی ہے آپ نے فرمایا، نہیں۔

(١٧) عن سعيد بن ابی بردة عن ابيه قال قال له رجل اقرؤ علی الجنازة بفاتحة الكتاب قال لا تقرأ. (مصنف ابن ابی شيبة ج٣ ص٢٩٩)

حضرت سعید اپنے والد ابو بردہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا میں نماز جنازہ میں قرأت کرلیا کروں تو آپ نے فرمایا نہیں۔

(١٨) عن حماد عن ابراهيم قال سألته ايقرأ على الميت اذا صلى عليه؟ قال لا. (مصنف عبدالرزاق ج٣ ص٤٩١)

حضرت حماد کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا نماز جنازہ میں قرأت کی جاسکتی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

قال سحنون قلت لعبد الرحمن بن القاسم ای شیء يقال على الميت فی قول مالك قال الدعاء للميت قلت فهل يقرأ على الجنازة فی قول مالك قال لا .... ابن وهب عن رجال من اهل العلم عن عمر بن الخطاب وعلی ابن ابی طالب وعبدالله بن عمر و عبيد بن فضالة وابی هريرة وجابر بن عبدالله وواثلة بن الاسقع والقاسم وسالم بن عبدالله وابن المسيب وربيعة وعطاء ويحيى بن سعيد انهم لم يكونوا يقرؤن فی الصلوة على الميت وقال مالك ليس ذالك بمعمول به انما هو الدعاء ادركت اهل بلادنا على ذالك. (المدونة الكبرى ج١ ص١٧٤)

حضرت سحنون فرماتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں میت پر کیا پڑھنا چاہیے؟ فرمایا میت کے لیے دعا میں نے کہا، کیا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق نماز جنازہ میں قرأت ہوتی ہے؟ فرمایا نہیں۔ ابن وہب کہتے ہیں کہ بہت سے اہل علم مثلاً حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبیدہ بن فضالہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر بن

عبداللہ، حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم اور حضرت قاسم بن محمد، حضرت سالم بن عبداللہ، حضرت سعید بن میسب، حضرت عطاء بن ابی رباح، حضرت یحییٰ بن سعید رحمہم اللہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کیا کرتے تھے، ابن وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہمارے شہر (مدینہ طیبہ) میں اس پر عمل نہیں، نماز جنازہ صرف دعا ہے، میں نے اپنے شہر کے اہل علم کو اسی پر پایا ہے۔

مذکورہ احادیث وآثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ نماز جنازہ میت کے حق میں درحقیقت دعا واستغفار ہے اس لیے اس میں اللہ کی حمد وثناء نبی علیہ السلام پر درود پھر میت کے لیے دعا ہونی چاہیے جیسا کہ دعا کا طریقہ ہے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اور دوسری سورت بطور قرأت پڑھنا صحیح نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میت کے لیے خود بھی دعا فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اخلاص کے ساتھ دعا مانگنے کا حکم دیتے تھے، لیکن کسی ایک بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں قرأت کرتے تھے یا دوسروں کو قرأت کا حکم دیتے تھے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومقصود الصلوٰة على الجنازة هو الدعاء للميت وكذالك حفظ عن النبي صلى الله عليه وسلم ونقل عنه مالم ينقل من قرأة الفاتحة والصلوٰة عليه صلى الله عليه وسلم." (زاد المعاد ج۱ ص۱٤۱)

نماز جنازہ سے مقصود میت کے لیے دعا کرنا ہے اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ کی دعائیں اس کثرت کے ساتھ نقل کی گئی ہیں کہ فاتحہ یا درود شریف کا پڑھنا اس طرح نقل نہیں کیا گیا، موصوف مزید لکھتے ہیں۔

"ويذكر عن النبي صلى الله عليه وسلم انه امر ان يقرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب ولا يصح اسناده" (زاد المعاد ج۱ ص۱٤۱)

اور نبی علیہ السلام سے ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ا ما ہے، لیکن اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین جو آنحضرت ﷺ کی سنتوں کے امین ہیں ان میں سے کسی بھی خلیفہ راشد سے نماز جنازہ میں قرأت فاتحہ منقول نہیں جب کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا قرأت نہ کرنا صراحتاً منقول ہے جیسا کہ مدونہ کبریٰ کی عبارت سے واضح ہے، حدیث نمبر ۶ سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب نماز جنازہ پڑھاتے تو شروع میں اللہ کی حمد و ثنا کرتے پھر نبی علیہ السلام پر درود بھیجتے پھر میت کے لیے دعا کرتے، اسی طرح دیگر جلیل القدر صحابہ کرام مثلاً حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت فضالہ بن عبید، تابعین عظام، تبع تابعین۔ جنازہ میں قرأۃ نہیں کرتے۔

رہی وہ روایت جو جونا گڑھی نے پیش کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

(۱) اصول یہ ہے کہ جس خبر واحد میں کسی مسئلہ کے مسنون ہونے کی تصریح ہو اس خبر واحد سے اس مسئلہ کی فرضیت پر استدلال کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ جب کہ یہ امر بھی قطعی نہیں ہے کہ اس سے مراد سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ یا سنت صحابہ اور چونکہ دیگر دلائل سے نماز جنازہ میں بطور قرأۃ قرآن پڑھنے کی ممانعت ثابت ہے اس لیے یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کو بعد بطور ثناء اور دعا کے پڑھا ہوگا۔

جواب نمبر۲:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف بھی روایات مروی ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی فتح الباری میں ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں جس سے واضح طور پر ثبوت ملتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک نماز جنازہ صرف تکبیر اور

٦

اخرجه عمر بن شبه في كتاب مكة من طريق حماد عن ابی حمزة عن ابن عباس ﷺ قلت له كيف اصلي في الكعبة قال كما تصلي في الجنازة تسبح وتكبر ولا تركع ولا تسجد ثم عند اركان البيت تسبح و كبر و تضرع واستغفر ولا تركع وتسجد وسنده صحيح.

(فتح الباری ج۳ ص۴۷۶)

اس حدیث کوعمر بن شبہ کتاب مکہ میں بطریق حماد نقل کرتے ہیں کہ ابوحمزہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ بیت اللہ میں کیسے نماز پڑھوں، تو انہوں نے فرمایا کہ اس طرح پڑھ جس طرح نماز جنازہ کی پڑھتا ہے کہ تسبیح اور تکبیر کہہ اور رکوع وسجود نہ کر پھر بیت اللہ کے ارکان کے پاس تسبیح وتکبیر کہہ اور عاجزی اور استغفار کر رکوع سجدہ نہ کر اور سند اس کی صحیح ہے۔

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب ابوحمزہ کو نماز جنازہ کا طریقہ بتاتے ہیں تو اس میں سورہ فاتحہ کا ذکر نہیں کرتے تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک سورہ فاتحہ پڑھنا نماز جنازہ میں نہ فرض ہے اور سنت ورنہ اس موقعہ پر آپ ضرور ان کو بتا دیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک اور روایت:

عن ابن عباس ان النبی صلى الله عليه وسلم كان اذا صلى على الميت قال اللهم اغفر لحينا وميتنا الحديث (مجمع الزوائد ج۳ ص۳۳)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ جب نماز جنازہ پڑھاتے تو فرماتے اے اللہ بخش دے ہمارے زندوں کو اور مردوں کو۔ الخ

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اسناده حسن کہ اسناد اس کی حسن ہے۔

حضرت ابن عباس کی اس روایت سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ نے جب بھی نماز جنازہ پڑھی تو آپ ﷺ نے اس میں دعائے مغفرت کی، اگر آپ سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے تو حضرت ابن عباس یہ فرماتے کہ جب بھی نبی کریم ﷺ

نے نماز جنازہ پڑھی تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے لیکن ایسا نہیں کہا لہٰذا حضرت ابن عباس سے دونوں قسم کی روایات منقول ہیں اس لیے دونوں قسم کی روایات میں تطبیق ممکن ہے وہ اس طرح کہ آپ کبھی کبھار بطور حمد وثنا کی پڑھ لیتے ہوں گے۔ اور کبھی نہیں پڑھتے ہوں گے اس طریقہ کو اگر اختیار کیا جائے تو دونوں قسم کی روایتوں پر عمل ہوگا ورنہ ایک پر عمل ہوگا اور دوسری کو چھوڑنا پڑے گا۔

جواب نمبر۳:

اس حدیث سے یہ بھی پتہ نہیں لگتا کہ کس تکبیر کے بعد پڑھی اگر تکبیر بھی مقرر کرلو تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ بنیت حمد وثنا پڑھی یا بنیت قرأۃ بنیت حمد وثناء کہ پڑھنے کہ تو ہم احناف بھی قائل ہیں۔

جواب نمبر۴:

آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ وتابعین کو سخت تعجب ہوا تب ہی تو آپ نے یہ کہا کہ میں نے یہ عمل اس لیے کیا تا کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔ پتہ چلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ تو خود پڑھتے تھے اور نہ ہی اسے سنت جانتے تھے اسی لیے آپ کو یہ کہنا پڑا۔

جواب نمبر۵:

آپ نے جو یہ فرمایا کہ یہ سنت ہے اس جملہ سے سنت رسول ﷺ مراد نہیں ہے بلکہ یہاں پر لغوی معنیٰ مراد ہیں۔ یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے بجائے دوسری ثناء اور دعا کے سورہ فاتحہ پڑھ لی جائے۔ کیوں کہ آپ ﷺ کا کوئی فرمان کسی صحیح حدیث میں نہیں آیا کہ آپ نے فرمایا ہو کہ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھو اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں آپ ﷺ خود پڑھنا ثابت ہوتا ہے جب یہ دونوں چیزیں دلائل سے ثابت نہیں ہوسکتیں تو سنت رسول ﷺ کیسے ثابت ہوگی۔

اعتراض نمبر ۸۸:

جنازہ کی نماز میں پانچ تکبیریں

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن عبدالرحمن بن ابی لیلی قال کان زید بن ارقم یکبر علی جنائزنا اربعا وانہ کبر علی جنازۃ خمسا فسألناہ فقال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبرھا.

یعنی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ جنازے کی نماز چار تکبیروں سے پڑھاتے تھے۔ایک مرتبہ پانچ تکبیروں سے پڑھائی تو ہم نے سوال کیا آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی پانچ تکبیروں سے پڑھائی ہے۔الحمدللہ اہل حدیث کا سب حدیثوں پر عمل ہے وہ چار سے جائز مانتے ہیں اور پانچ کو فعل رسول سمجھ کر سرآنکھوں پر چڑھاتے ہیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا وہ پانچ تکبیروں سے اس قدر بیزار ہیں ہے کہ ہدایہ میں حکم ہے **ولو کبر الامام خمسا لم یتالعہ الموتم** یعنی اگر کوئی امام پانچویں تکبیر کہے تو مقتدی ہرگز اس کی تابع داری نہ کرے (ملاحظہ ہو **کتاب الصلاۃ، فصل الصلاۃ علی المیت ص۱۲۰ ج اول ھدایہ**) کہو حنفی بھائیو کیا ارادہ ہے؟ حدیث رسول مانو گے؟ یا فقہ حنفی؟ (شمع محمدی ص۱۰۵، ظفر المبین حصہ اول ص۱۵۰)

جواب:

اس اعتراض کا تفصیلی جواب تو فتح المبین ص ۱۴۷ تا ۱۴۹ پر ملاحظہ فرمائیں مختصراً یہاں پر لکھا جاتا ہے۔اس مسئلہ میں احادیث و آثار مختلف ہیں کسی حدیث میں تین، کسی میں چار،

چار سے لے کر نو تک کی روایات کتب حدیث میں ملتی ہیں۔ دیکھئے **تلخیص الحبیر** ج ۲ ص ۱۱۹ تا ۱۲۲ کتاب الجنائز نو تکبیروں کی روایت کے لیے دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰۴۔

تمام روایات کو دیکھ کر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ پر اتفاق نہیں ہوا تھا یہ اختلاف اس وقت سے پہلے کا ہے بعد میں چار پر اتفاق ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ کا آخری عمل بھی چار تکبیروں کا ہی ہے۔ اگر کسی روایت میں چار سے زائد تکبیروں کا ذکر ملتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو وہ کسی خصوصیت کی وجہ سے ہے یا پھر پہلے دور سے تعلق رکھتا ہے۔

چار تکبیروں کا ثبوت ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں: حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی جنازہ ادا کی تھی انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام پر چار تکبیریں پڑھی تھی۔

(سنن دارمی کتاب الجنائز باب مکان قبر ادم والتکبیر علیه اربعا)

دوسری حدیث:

حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ ادا کی تھی انہوں نے ان پر چار تکبیریں پڑھی تھیں اور انہوں نے یہ کہا تھا اے اولاد آدم تمہارا (نماز جنازہ ادا کرنے کا) یہ طریقہ ہے۔

(سنن دارمی کتاب الجنائز باب مکان قبر آدم)

تیسری حدیث:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام پر چار تکبیریں کہی

تھیں۔(دار قطنی کتاب الجنائز باب مکان قبر آدم)

چوتھی حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے آخری مرتبہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھیں۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھیں۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھیں اور فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھیں۔
(سنن دار قطنی کتاب الجنائز باب مکان قبر آدم)

پانچویں حدیث:

عبداللہ بن عامر اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: مجھے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بات اچھی طرح یاد ہے جب آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کو دفن کروایا (تو اس سے پہلے) آپ نے ان کی نماز جنازہ ادا کرتے ہوئے ان پر چار مرتبہ تکبیر کہی (دفن کے بعد) آپ ﷺ نے دونوں مٹھیوں میں تین مرتبہ مٹی لے کر ان کی قبر پر ڈالی آپ ﷺ ان کے سرہانے کی طرف کھڑے تھے۔

(دار قطنی باب حثی التراب علی المیت)

چھٹی حدیث:

مسروق بیان کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم کی ایک زوجہ محترمہ کی نماز جنازہ پڑھائی تو میں نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا میں اس خاتون کی نماز جنازہ اس طرح پڑھاؤں گا جس طرح نبی اکرم ﷺ نے آخری مرتبہ نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ پھر حضرت عمر نے چار

مرتبہ تکبیر کہی۔(دار قطنی کتاب الجنائز باب حثی التراب علی المیت)

ساتویں حدیث:

امام شعبی بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے جس صاحب قبر کو کچھ عرصہ پہلے دفن کیا گیا تھا نبی اکرم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ ادا کی اور آپ نے نماز جنازہ میں چار مرتبہ تکبیر کہی۔(دار قطنی کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی القبر)

آٹھویں حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے جو الگ تھلگ تھی آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ ادا کرتے ہوئے چار مرتبہ تکبیر کہی۔

امام دار قطنی یہ روایت نقل کرنے کے بعد نقل کرتے ہیں۔

وكذالك رواه مسلم بن ابراهيم عن شعبة وابو حذيفة عن زائدة وعبدالله بن جعفر عن ابى معاوية عن الشيبانى وتابعهم منصور بن ابى الاسود وعبدالواحد بن زياد عن الشيبانى كلهم قال فكبر اربعا.

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ ان سب حضرات نے یہی بات نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چار مرتبہ تکبیر کہی تھی۔

(دار قطنی کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی القبر)

نویں حدیث:

ابو وائل کہتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کبھی سات، کبھی چھ، کبھی پانچ اور کبھی چار تکبیریں کہتے تھے اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو چار تکبیروں پر جمع کر دیا جیسے کہ سب سے لمبی نماز ہوتی ہے۔(لمبی نماز سے مراد چار رکعتوں والی نماز ہے۔)

(بیھقی ج٤ ص٣٧ کتاب الجنائز باب ما یستدل به علی ان اکثر الصحابة اجتمعوا علی اربع و رأی بعضهم الزیادة منسوخة.)

(فتح الباری ج٣ ص١٦٢)

دسویں حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس روز نجاشی کا انتقال ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسی روز بتادیا تھا اور لوگوں کے ساتھ نمازِ جنازہ کے لیے نکلے تو انہوں نے صفیں بنالیں اور آپ نے چار تکبیریں کہیں۔(موطا امام مالك التکبیر علی الجنائز)

گیارہویں حدیث:

حضرت ابراہیم نخعی (تابعی کبیر) نے فرمایا پہلی تکبیر کے بعد اللہ جل شانہ کی حمد وثناء بیان کی جائے گی دوسری کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا جائے گا تیسری کے بعد میت کے لیے دعا ہوگی اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دیا جائے گا۔امام محمد فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار باب الصلاة علی الجنازة)

بارہویں حدیث:

حضرت ابراہیم سے مروی ہے کہ لوگ جنازوں پر پانچ، چھ اور چار تکبیرات کہا کرتے تھے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات فرما گئے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں لوگ اسی طرح تکبیر کہتے رہے حتی کہ وہ بھی وفات پا گئے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گے اور ان کے دورِ خلافت میں بھی لوگوں نے یہی کیا۔جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ اختلاف دیکھا تو فرمایا آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی جماعت ہیں جب خود آپ لوگوں ہی میں اختلاف ہوگا تو آپ کے بعد آنے والوں میں اس سے زیادہ اختلاف ہوگا،لوگ

ابھی ابھی دورِ جاہلیت سے نکلے ہیں اس لیے آپ لوگ کسی ایک ایسی بات پر اتفاق کر لیں ں پر آپ کے بعد آنے والے سب متفق ہو جائیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے آپ کے پڑھائے ہوئے آخری نازے کی تکبیرات کو دیکھا جائے اس پر آپ ﷺ نے جتنی تکبیرات کہی ہوں انہیں اختیار کر لیا جائے اور اس کے علاوہ دوسری کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری جنازہ پر چار تکبیرات کہی تھیں۔

امام محمد نے فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار، باب الصلاۃ علی الجنازۃ)

تیرہویں حدیث:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یزید بن اعکف پر نماز جنازہ پڑھی تو چار تکبیرات کہیں اور یہ آپ کی آخری نماز جنازہ تھی جس پر چار تکبیرات تھیں۔

(کتاب الآثار باب الصلاۃ الجنازۃ)

چودہویں حدیث:

حضرت سعید بن المرزبان حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیٹی کے جنازہ پر چار تکبیرات کہیں۔

(کتاب الآثار باب الصلاۃ علی الجنازۃ)

پندرہویں حدیث:

سلیمان بن ابی حثمہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنازہ پر کبھی چار تکبیریں کہتے اور کبھی پانچ کبھی چھ کبھی سات کبھی آٹھ یہاں تک کہ ان کو نجاشی کے انتقال کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ عیدگاہ تشریف لے گئے اور لوگ ان کے پیچھے صف بستہ ہوئے اور اس پر چار

تکبیریں کہیں اس کے بعد آپ ﷺ آخر وقت تک چار تکبیروں پر قائم رہے۔

(تلخیص الحبیر ج۲ ص۱۲۱، ۱۲۲ کتاب الجنائز، نصب الرایہ ج۱ ص۲۴۸، ابو داؤد کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی المسلم)

سولہویں حدیث:

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ پہلے تکبیریں چار بھی تھیں اور پانچ بھی اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو چار تکبیروں پر متفق کر دیا۔

(ابن المنذر بحوالہ فتح الباری ج۳ ص۱۶۲)

سترہویں حدیث:

اس حدیث کا خلاصہ اور مفہوم اس طرح ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ (یعنی اپنی چچی (فاطمہ بنت اسد کی نماز جنازہ میں چار تکبیرات کہیں۔ اس اجتماع میں حضرات شیخین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرت عباس، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر حضرات صحابہ بھی موجود تھے۔

(مجمع الزوائد ج۹ ص۲۵۶، ۲۵۷، باب مناقب فاطمہ بن اسد)

اٹھارویں حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن نجاشی فوت ہوئے اس دن رسول اللہ ﷺ نے ان کی موت کی خبر دی۔ آپ ﷺ عیدگاہ کی طرف نکلے آپ نے مسلمانوں کی صفیں بنائیں اور چار تکبیریں پڑھیں۔

(بخاری کتاب الجنائز باب التکبیر علی الجنازۃ اربعا)

انیسویں حدیث:

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اصحمہ النجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی

۱۰ ۱ چار تکبیرات پڑھیں۔

(بخاری کتاب الجنائز باب التکبیر علی الجنازة اربعا)

۱۰۱ یں حدیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ صحابہ کرام کی اکثریت کا چار تکبیرات جنازہ پر اتفاق ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبة ج۳ ص۳۰۱، ۳۰۲)

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

صدر اول میں تکبیر کی تعداد میں بڑا اختلاف تھا صحابہ کرام کے درمیان تین سے سات تکبیروں کی روایت موجود ہے۔ مگر فقہا کہتے ہیں کہ جنازہ کی تکبیریں چار ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ اور جابر بن زید پانچ تکبیروں کے قائل ہیں۔ اختلاف کا سبب احادیث کا اختلاف ہے۔ حدیث ابو ہریرہ کے الفاظ ہیں کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ کو نجاشی کی وفات کی اطلاع اسی دن مل گئی تھی جس دن اس کا انتقال ہوا چنانچہ آپ لوگوں کے ساتھ عیدگاہ نکل گئے۔ ان کی صف بندی کی اور چار تکبیریں کہیں۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اس لیے جمہور فقہا نے اس پر عمل کیا ہے۔

(بداية المجتهد و نهاية المعتصد اردو باب نمبر۵ نماز جنازہ کا بیان ص۳۲۶)

امام ترمذی لکھتے ہیں:

اور عمل اسی پر ہے اکثر اہل علم کا آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات وتابعین وغیرہ) کا جنازہ پر چار تکبیرات ہیں اور یہی قول ہے حضرت امام سفیان ثوری اور امام مالک اور حضرت عبداللہ بن مبارک امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا۔

(ترمذی ص۱۶۶)

امام شوکانی فرماتے ہیں:

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جنازہ چار تکبیرات پر مشتمل ہے۔

(نیل الاوطار اردو غائبانہ نماز جنازہ)

رہی وہ روایت جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہے۔ اس کے متعلق امام نووی شافعی فرماتے ہیں۔

یہ حدیث علماء کے نزدیک منسوخ ہے اور ابن عبدالبر وغیرہ نے اس کے منسوخ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور کہا کہ اب کوئی شخص چار تکبیروں سے زیادہ نہ کہے اور یہ دلیل ہے اس پر کہ ان لوگوں نے زید بن ارقم کے بعد چار پر اجماع کر لیا اور فقہاء کا صحیح قول یہ ہے کہ اجماع بعد اختلاف کے صحیح ہے۔

(شرح مسلم نووی کتاب الجنائز تحت حدیث حضرت زید بن ارقم)

اعتراض نمبر ۸۹:

عورت کے جنازے کی نماز

(یعنی جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہونے کی جگہ)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن سمرة بن جندب قال صليت وراء رسول الله صلى الله عليه وسلم على امرأة ماتت في نفاسها فقام وسطها.

(متفق علیه مشکوٰة جلد اول ص١٤٥ کتاب الجنائز باب المشي بالجنازة)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے نفاس میں مری ہوئی ایک عورت کے جنازے کی نماز پڑھائی تو اس کے درمیان کی جگہ کھڑے ہوئے۔ ظاہر ہے کہ امام کو عورت کے جنازے کی نماز

امام نے کے لیے جنازے کے درمیان کی جگہ کھڑا ہونا چاہیے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا۔ وہ کہتا ہے **ویقوم الذي يصلي على الرجل والمراة بحذاء الصدر (هدايه جلد اول ص١٦١ كتاب الصلاة فصل فى الصلاة على الميت)** یعنی مرد و عورت دونوں کے جنازے کی نماز میں امام کو ان کے سینے کے بالمقابل کھڑا ہونا چاہیے۔ (شمع محمدی ص ۱۰۵، ظفر المبین حصہ دوم ص ۷۸)

جواب:

جونا گڑھی نے ہدایہ کی عبارت مکمل نقل نہیں کی۔ اگر وہ پوری عبارت نقل کر دیتے۔ تو امام کے سینہ کے سامنے کھڑے ہونے کی وجہ بھی لکھی تھی جس کی وجہ سے اعتراض خود بخود ختم ہو جاتا۔ ہدایہ کی مکمل عبارت اس طرح ہے۔

و يقوم الذى يصلى على الرجل والمرأة بحذاء الصدر لانه موضع القلب وفيه نور الايمان فيكون القيام عنده اشارة الى الشفاعة لايمانه وعن ابى حنيفة انه يقوم من الرجل بحذاء راسه ومن المرأة بحذاء وسطها لان انسا فعل كذالك وقال هو السنة)

جو شخص مرد و عورت کی نماز جنازہ پڑھتا ہے وہ سینہ کے مقابل کھڑا ہو کیوں کہ سینہ دل کی جگہ ہے اور دل میں نورِ ایمان ہے پس اس کے پاس کھڑا ہونا اشارہ ہوگا کہ شفاعت اس کے ایمان کی وجہ سے ہے۔

ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ مرد کے جنازہ کے سر کے مقابل کھڑا ہو اور عورت کے وسط میں کھڑا ہو کیوں کہ حضرت انس نے اسی طرح کیا ہے اور کہا کہ یہی سنت ہے۔

(هدايه فصل فى الصلوٰة على الميت)

ناظرین آپ نے دیکھ لیا کہ مولانا جونا گڑہی نے کس طرح قطع و برید کی ہے۔اصل میں بات یہ ہے کہ حنفی مسلک میں دو قول ہیں اور دونوں دلائل سے ثابت ہیں فرق یہ ہے کہ بہتر کون سا ہے۔امام طحاوی نے ج ا ص ۳۲۷ میں علامہ انور شاہ کشمیری العرف الشذی شرح ترمذی ج ا ص ۹۹ میں اس قول کو اختیار کیا ہے جس میں مرد کے سر کے سامنے اور عورت کے درمیان میں کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔احناف اس مسئلہ حدیث کے خلاف کیسے ہوئے اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں۔ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت سمرہ بن جندب کی حدیث جو مولانا جونا گڑھی نے بھی نقل کی ہے اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ امام عورت کے جنازہ پر درمیان میں کھڑا ہو۔

اس میں مرد کا سرے سے ذکر ہی نہیں۔بعض روایت میں مرد کا سر کے سامنے اور عورت کے درمیان کسی روایت میں عورت کے کولہے کے سامنے کا ذکر ہے۔

(۲) عن ابی غالب قال صلیت خلف انس علی جنازة فقال حیال صدره (فتح القدیر ج۲ ص۸۹، شرح نقایه ج۱ ص۱۲۵)

ابو غالب سے روایت ہے کہ میں نے انس کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو آپ میت کے سینے کے برابر کھڑے ہوئے۔

(۳) عن ابراهیم قال یقوم الرجل الذی یصلی علی الجنازة عند صدرها.

ابراہیم نخعی نے فرمایا مرد کے جنازہ میں نماز کے لیے سینہ کے برابر کھڑا ہونا چاہیے۔

(طحاوی باب الرجل یصلی علی المیت این ینبغی ان یقوم منه)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ روایات میں اختلاف ہے اس واسطے بعض احناف نے سینہ کے برابر کھڑا ہونے کو ترجیح دی اور ساتھ ترجیح کی وجہ بھی بیان کردی کہ اس میں ایمان ہوتا ہے۔

اعتراض نمبر۹۰:

مرد کے جنازے کی نماز

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن نافع ابی غالب قال صلیت مع انس بن مالك علی جنازة رجل فقام حیال راسه الخ (رواه الترمذی و ابن ماجة مشکوٰة جلد اول ص ۱۴۷ باب المشی بالجنازة کتاب الجنائز)

یعنی حضرت انس ؓ مرد کے جنازے کی نماز پڑھاتے ہوئے اس کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حنفی مذہب اس حدیث کو بھی نہیں مانتا اوپر کے نمبر میں ہدایہ کی عبارت موجود ہے پڑھ لیجئے حکم مذہب حنفی یہ ہے کہ سینے کے مقابل کھڑا ہو۔ پس اے حنفی بھائیو اب کیا مانو گے؟ حدیث کا حکم؟ یا فقہ کا حکم؟ (شمع محمدی ص ۱۰۶، ظفر المبین حصہ دوم ص ۷۵)

جواب:

جوناگڑھی نے کوئی مرفوع حدیث نقل نہیں فرمائی صرف حضرت انس کا عمل نقل کیا ہے۔ حالانکہ غیر مقلدین کے ہاں صحابہ کرام کے اقوال وافعال دین میں حجیت نہیں ہیں۔ جنازہ پڑھاتے وقت امام میت کے کس حصہ کے مقابل کھڑا ہو۔ اس بارہ میں ہمارے علم کے مطابق حضور علیہ السلام کا کوئی فرمان صحیح موجود نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا عمل مبارک موجود ہے اور صحابہ کرام کے کچھ آثار مروی ہیں جو کہ مختلف ہیں۔ اس لیے ائمہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ حضرت انس کی روایت کو لے لیجیے۔ ان سے بھی دونوں قسم کی دو روایات مروی ہیں۔

حضرت انس کا ایک عمل جو مولانا جونا گڑھی نے نقل کر دیا ہے۔

دوسرا عمل جو احناف کے مطابق ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔ ملا علی القاری لکھتے ہیں۔

ابو غالب کی روایت میں ہے کہ میں حضرت انس کے پیچھے نماز پڑھی۔ **فقام حیال صدره** تو آپ میت کے سینہ کے برابر کھڑے ہوئے۔

(شرح نفایہ ج ۱ ص ۱۳۵، فتح القدیر ج ۲ ص ۸۹)

ناظرین کرام! حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایات میں عمل مختلف ہے تو ایک عمل کو نقل کر کے مولانا جونا گڑھی کا احناف کے طریقہ کو حدیث کے مخالف کہنا درست نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۹۱:

بے جنازے کی میت

(یعنی جو بچہ مردہ پیدا ہو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن المغيرة بن شيبة ان النبى صلى الله عليه وسلم قال والسقط يصلى عليه و يدعى لوالديه بالمغفرة والرحمة.

(رواه ابو داؤد ومشكوة شريف جلد اول ص ۱۴۶ كتاب الجنائز باب المشى الخ)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو کچا بچہ ماں کے پیٹ سے گر پڑا ہو (جس میں جان نہ ہو) اس کے جنازے کی بھی نماز پڑھی جائے اور اس کے ماں باپ کے لیے دعائے مغفرت و رحمت کی جائے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے ومن لم یستھل ادرج فی خرقة کرامة لبنی ادم ولم یصل علیه.

یعنی جو بچہ پیدا ہو کر چلائے نہیں اسے چونکہ وہ انسان ہے ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور اس کی جنازے کی نماز نہ پڑھی جائے۔ کہو حنفی بھائیو! اب اپنے بچوں کو بے نماز ہی دفنانی بنو گے؟ یا ان پر نماز ان کے ماں باپ کے لیے دعا مانگ کر محمدی بنو گے؟

(شمع محمدی ص ۱۰۷)

جواب:

اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں۔ مولانا جونا گڑھی نے اپنے مطلب کی حدیث نقل کر دی اور حنفی مسلک کو حدیث کے خلاف کہہ دیا۔ مولانا نے حدیث مشکوٰۃ سے نقل کی ہے۔ مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہماری دلیل بھی تھی جس کا انہوں نے ذکر تک نہیں کیا۔ ہم پہلے مشکوٰۃ سے وہ حدیث نقل کرتے ہیں جس پر ہمارا عمل ہے۔

پہلی حدیث:

عن جابر ان النبی صلی الله علیه وسلم قال الطفال لا یصلی علیه ولا یرث ولا یورث حتی یستھل.

رواه الترمذی و ابن ماجة الا انه لم یذکر ولا یورث

(مشکوٰۃ باب المشی کتاب الجنائز)

روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا بچے پر نہ نماز پڑھی جائے نہ وہ وارث ہو اور نہ موروث حتی کہ چیخے۔ اس روایت کو ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے مگر ابن ماجہ نے اپنی روایت میں لا یورث نقل نہیں کیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ترمذی ابواب الجنائز باب ما جاء فی ترك

الصلوة علی الطفل حتی یستهل میں موجود ہے۔(ترمذی مترجم جلد اول ص ۳۸۵)

علامہ بدیع الزماں غیر مقلد نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

روایت ہے جابر سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا لڑکے کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ اور نہ لڑکا کسی کا وارث ہوتا ہے اور نہ اس کا کوئی وارث ہوتا ہے جب تک وہ بعد پیدا ہونے کے رووے چلاوے نہیں۔

ابن ماجة باب ما جاء فی الصلاة علی الطفل میں یہ روایت موجود ہے۔

(طحاوی مترجم جلد اول ص ۷۵۲ باب الطفل بموت یصلی علیه یموت بهم میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

حضرت جابر کی یہ روایت سنن دارمی کتاب الفرائض باب میراث الصبی میں اس طرح ہے۔

اخبرنا یزید بن هارون اخبرنا الاشعث عن ابی الزبیر عن جابر بن عبدالله قال اذا الصبی ورث وصلی علیه

حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں جب بچہ (پیدائش کے وقت) چلا کر روئے تو اس کی وراثت تقسیم ہوگی اور اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔

دوسری حدیث:

حدثنا ابو نعیم حدثنا شریك عن ابی اسحاق عن عطاء عن ابن عباس قال اذا استهل ورث وورث وصلی علیه.

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں جب بچہ (پیدائش کے وقت) چلا کر روئے تو وہ وارث بنے گا اور وراثت تقسیم ہوگی اور اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔

(سنن دارمی باب میراث الصبی)

تیسری حدیث:

حدثنا مالك بن اسماعيل حدثنا اسرائيل عن سماك عن عكرمة عن ابن عباس قال ليس من مولود الا استهل واستهلاله بعصر الشيطن بطنه فيصيح الا عيسى ابن مريم.

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں بچے کی پیدائش کا حکم، چلا کر رونے سے ثابت ہوتا ہے اور شیطان اس کے پیٹ میں کچھ چبھوتا ہے جس کی وجہ سے وہ روتا ہے البتہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ ایسا نہیں ہوا تھا۔ **(سنن دارمی باب میراث الصبی)**

چوتھی حدیث:

حدثنا يحيى بن حسان حدثنا هو ابن حمزة عن زيد بن واقد عن مكحول قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يرث المولود حتى يستهل صارخا وان وقع حيا.

مکحول بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے پیدا ہونے والا بچہ اس وقت تک وارث نہیں بن سکتا جب تک وہ چلا کر نہ روئے اگر چہ وہ زندہ ہی باہر آیا ہو۔

(سنن دارمی باب میراث النبی)

پانچویں حدیث:

حدثنا يعلى حدثنا محمد بن اسحاق عن عطاء عن جابر قال اذا استهل المولود صلى عليه وورث.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب بچہ چلا کر روئے تو اس کی نماز جنازہ بھی ادا کی جائے گی اور اس کی وراثت کا حکم بھی لاگو ہوگا۔ **(سنن دارمی باب میراث الصبی)**

چھٹی حدیث:

حدثنا ابو النعمان حدثنا ابو عوانة عن مغيرة عن ابراهيم قال لا يورث

المولود حتى يستهل ولا يصلى عليه حتى يستهل فاذا يستهل صلى عليه وورث وكملت الدية

ابراہیم بیان کرتے ہیں نومولود شخص کی وراثت کا حکم اس وقت تک جاری نہیں ہوگا جب تک وہ چلا کر نہ روئے اور جب تک وہ چلا کر نہ روئے تو اس کی نماز جنازہ بھی ادا نہیں کی جائے گی۔ اگر وہ روئے تو اس کی نماز جنازہ بھی ادا کی جائے گی اور اس کی وراثت کا بھی حکم جاری ہوگا اور اس کی دیت بھی مکمل ہوگی۔ **(سنن دارمی باب میراثت الصبی)**

ساتویں حدیث:

حدثنا عبداللہ بن صالح حدثنی اللیث حدثنی یونس عن ابن شهاب وسالناه عن السقط فقال لا یصلی علیه ولا یصلی علی مولود حتی یستهل صارخا.

یونس بیان کرتے ہیں ہم نے ابن شہاب سے (پیٹ سے) گر جانے والے بچے کے بارے میں دریافت کیا (یعنی مردہ پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں دریافت کیا) تو انہوں نے جواب دیا اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی جائے گی چونکہ جب تک بچہ چلا کر نہ روئے اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی جاتی۔ **(سنن دارمی باب میراث الصبی)**

امام شوکانی کا حوالہ

جمہور فقہاء کا اس بارے میں مسلک یہ ہے کہ حمل کے ساقط ہو جانے کے بعد اس میں زندگی کے آثار پائے جانے لازمی ہیں اگر اس میں یہ آثار نہیں ہوں گے تو پھر اس کی نماز جنازہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ **(نیل الاوطار اردو جلد دوم ص ۲۵۴)**

علامہ وحید الزماں غیر مقلد کا حوالہ

ف: کچا بچہ وہ ہے جس کی مدت حمل پوری نہ ہوئی ہو لیکن جان پڑ گئی ہو اور زندہ پیدا ہوا ہو، اس پر نماز پڑھنا چاہیے اور جو جان نہ پڑی ہو یا مردہ پیدا ہو تو نماز جنازہ پڑھنا ضروری

نہیں بلکہ یوں ہی دفن کر دینا چاہیے۔(سنن ابو داؤد مترجم جلد۲ ص ۵۶۶)

ناظرین ان روایات سے امام ابوحنیفہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے جس کو جونا گڑھی نے حدیث کے خلاف کہا ہے باقی رہی وہ روایت جو جونا گڑھی نے نقل کی ہے وہ ان دلائل کے مقابلہ میں مرجوع کے حکم میں ہے۔اس لیے قابل عمل نہیں اور نہ امت کا اس پر عمل ہے۔

اعتراض نمبر۹۲:

توہین رسول ﷺ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن علی رضی اللہ عنہ ان یھودیة کانت تشتم النبی صلی اللہ علیه وسلم ونقع فیه فخنقھا رجل حتی ماتت فابطل النبی صلی اللہ علیه وسلم دمھا.

(رواہ ابو داؤد)

یعنی ایک یہودیہ عورت آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتی تھی اور آپ ﷺ کی شان میں گستاخی سے پیش آتی تھی ایک صحابی نے اس کا گلا گھونٹ کر اس کو مار ڈالا۔رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی سے کوئی قصاص نہ لیا بلکہ اس کا خون برباد کر دیا اور صحابی کو معاف فرما دیا۔بلکہ اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا **الا اشھدوا ان دمھا ھدء** یعنی اے لوگو تم گواہ رہو اس کا خون رائیگاں ہے کوئی قصاص نہیں۔اس حدیث کے مطابق اہل حدیث کا مذہب ہے کہ پیغمبر انس وجن حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو جو ذمی کافر گالیاں دے آپ کی شان میں بے ادبی کرے اس کا ذمہ ٹوٹ جاتا ہے بلکہ وہ شرعاً واجب القتل ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن آہ اس حرمت کو حنفی مذہب نے توڑ دیا ہے۔وہ صاف لکھتا ہے **ومن امتنع من**

الجزية او قتل مسلما او سب النبی علیه السلام او زنی بمسلمة لم ینتقض عهده. (ہدایہ جلد دوم ص ۵۵۷ فصل فی ما ینبغی الذمی)

یعنی جو ذمی کافر جزیے سے انکار کر دے یا کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے یا آنحضرت ﷺ کو گالیاں دے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے۔تو بھی اس کا ذمہ نہیں ٹوٹتا۔حنفی بھائیو! دونوں مذہب ومسلک آپ کے سامنے ہیں فرمائیے کون سامقبول اور کون سامردود؟ (شمع محمدی ص ۱۰۷، ظفر المبین حصہ اول ص ۲۱۲، ۲۱۳)

جواب:

صاحب شمع نے یہ مسئلہ اصل میں ظفر المبین سے لیا ہے اس کا جواب اسی زمانہ میں فتح المبین ص ۲۴۸ تا ۲۵۰ ونصرۃ المجتہدین ص ۵۱ میں دیا گیا تھا۔تفصیل وہاں پر ملاحظہ فرمائیں۔مختصر یہاں بھی لکھا جاتا ہے۔

یہ مسئلہ ہدایہ کے علاوہ فقہ حنفی کی دیگر کتب مثلاً فتاویٰ عالمگیری، درمختار میں بھی ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حاکم اسلام کسی ملک کفار کو فتح کرے اور پھر ان سے عہد و پیمان لے کر ان کو اپنے ظل حمایت میں جگہ دیوے تو تاوقتیکہ وہ اپنے عہد و پیمان کا خلاف نہ کریں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کا معاہدہ بدستور قائم رکھیں ہاں اگر منکرات شرعیہ میں سے کسی جرم کا ارتکاب کریں تو حسب قانون شرع اس پر حد جاری کریں سو اگر کسی مسلمان عورت سے کوئی ذمی زنا کرے یا رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اور اس کے عہد نامہ میں اس قسم کی شرائط کا کچھ ذکر نہ تھا تو گو اس کا معاملہ معاہدہ جوں کا توں باقی ہے ان دونوں جرموں کی سزا اس کو دی جائے گی۔یعنی زنا کی صورت میں حد زنا اس پر جاری ہوگی۔چنانچہ درمختار میں ہے۔

قوله ولا بالزنا بمسلمة بل يقام عليه موجبه وهو الحد

یعنی زنا مسلمہ سے عہد تو نہ ٹوٹے گا پر اس پر زنا کی سزا جاری کی جائے گی اور نبی ﷺ

ئے برا کہنے میں اگر خفیہ طور سے ایک دو دفعہ اپنی گمت کے آدمیوں میں برا کہا ہے اور عہدنامہ میں اس قسم کی شرائط کا کچھ ذکر نہ ہوتب بھی اگرچہ معاہدہ اس کا بدستور باقی ہے لیکن تعزیراً اور زجراً سزا دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر مصلحت وقت ہو تو اس کو قتل کر دینا تک بھی جائز ہے۔

چنانچہ درمختار میں ہے۔

ویؤدب الذمی ویعاقب علی سبه دین الاسلام والقرآن والنبی صلی الله علیه وسلم قال العینی واختیاری فی السب ان یقتل وتبعه ابن الهمام قلت وبه افتی شیخنا الخیر الرملی وهو قول الشافعی

یعنی ذمی دین اسلام یا قرآن یا نبی ﷺ کے برا کہنے میں تادیب وتعزیر دیا جائے۔ علامہ عینی نے فرمایا ہے کہ میرا مذہب یہ ہے کہ وہ قتل کیا جائے۔ اسی مذہب کے ابن ہمام تابع ہوئے ہیں اور شیخ رملی نے بھی اسی کا فتویٰ دیا ہے۔ اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

پھر یہ بھی جب ہے کہ اس قسم کی شرائط وقت عہد اس سے نہ کی گئی ہوں۔ اور اگر اس سے شرط کی گئی ہو کہ مذہب اسلام اور قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کو برا نہ کہے یا فلاں فلاں کام نہ کرے اور وہ پھر اس نے اس کا خلاف کیا تو اس کا معاہدہ بھی باقی نہ رہے گا۔ بلکہ مباح الدم ہو جائے گا چنانچہ درمختار میں ہے۔

اقول هذا ان لم یشرط انتقاضه به اما اذا شرط انتقض به کما هو ظاهر

یعنی عہد کا نہ ٹوٹنا جب ہے کہ اس قسم کی شرط نہ کی گئی ہو ورنہ برا کہنے سے اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔

علی ہذا اگرچہ معاہدہ میں ایسی شرائط نہ کی گئی ہوں پر وہ کھلم کھلا نبی ﷺ کو برا کہتا پھرتا

ہے تب بھی اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اس کے صلہ میں قتل کیا جائے گا۔

چنانچہ درمختار میں ہے:

قوله وسب النبی صلی الله علیه وسلم ای اذ لم یعلن فلوا علن بشتمه او اعتاده قتل ولو امرأة وبه یفتی الیوم

یعنی عہد کا نہ ٹوٹنا اس وقت ہے کہ علی الاعلان برا نہ کہا ہو اگر کھلم کھلا برا کہا ہے۔ یا اس کی عادت کر لی ہے تو قتل کر دیا جائے گا اگر چہ عورت ہی کیوں نہ ہو اسی پر اب فتویٰ ہے۔ یہ عبارات تو کتب فقہ کی تھیں اب حدیث کا حال بھی سنیے۔ سو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر بار بار نبی ﷺ کے برا کہنے کی عادت کر لی تو اس کا خون معاف ہے۔

ابوداؤد میں ہے:

ان عمی کانت له ام ولد تشتم النبی صلی الله علیه وسلم وتقع فیها فینها ها فلا تنتهی ویزجرها فلا تنزجر قال فلما کانت ذات لیلة جعلت تقع فی النبی صلی الله علیه وسلم وتشتمه فاخذ المغول فوضعه فی بطنها واتکاء علیها فقتلها. الحدیث

یعنی ایک نابینا کی باندی تھی اور نبی علیہ السلام کو برا بھلا کہا کرتی تھی وہ نابینا اس کو منع کیا کرتا تھا اور جھڑکا کرتا تھا سو وہ باز نہ آتی تھی۔ اتفاقاً ایک رات کو پھر برا کہنے لگی تو نابینا نے ایک چھرا لے کر اس کے پیٹ میں جھونک دیا اور اس کو جان سے مار ڈالا۔ جب شدہ شدہ اس امر کی رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: **الا اشهدوا وان دمها هدد**

یعنی گواہ رہو کہ خون اس باندی کا معاف ہے۔ اب صاحب انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ کتب فقہ اور حدیث شریف کس طرز سے موافق و مطابق ہیں پھر کوئی ان دشمنان دین و دانش سے پوچھے کہ تم نے کس کرتوت پر اور کس منہ سے کہہ دیا کہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ اس کو مارنا نہیں چاہیے۔

اعتراض نمبر۹۳:

خون مسلم کی ارزانی

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا لا یقتل مسلم بکافر.

(رواہ ابوداؤد والنسائی، مشکوۃ جلد دوم، کتاب القصاص ص۳۰۱)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کوئی مسلمان کسی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔ یہ حدیث بخاری شریف میں بھی ہے اس میں صاف ہے کہ کافر کے بدلے مسلمان مارا نہ جائے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حکم محمدی کو نہیں مانتا۔ وہ اپنا حکم اس کے خلاف جاری کرتا ہے۔ کہتا ہے **والمسلم بالذمی (ھدایہ جلد چھارم ص۵۴۶ باب ایوجب القصاص)**

یعنی ذمی کافر کے بدلے مسلمان کو قتل کر دیا جائے۔ کہو حنفی بھائیو تم حکم محمدی مانو گے یا علم حنفی؟ (شمع محمدی ص۱۰۸، ظفر المبین حصہ دوم ص۱۴۸)

جواب:

اس اعتراض کا جواب پہلے (مسئلہ نمبر۳۳ خون مسلم کی بے قدری) میں گذر چکا ہے وہاں پر ملاحظہ فرمائیں مولانا جونا گڑھی نے تعداد بڑھانے کے لیے اسے دوبارہ نقل کر دیا ہے۔

اعتراض نمبر۹۴:

غلاموں سے بے انصافی

(مسئلہ قصاص)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن الحسن عن سمرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قتل عبده قتلناه. و من جدع عبده جدعناه. (رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجة والدارمی وزاد النسائی فی روایة اخری ومن خصی عبده خصیناه، مشکوٰة جلد دوم ص۳۰۱ کتاب القصاص)

یعنی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے غلام کو قتل کر ڈالے ہم اسے اس کے بدلے قتل کر دیں گے اور جو اس کے اعضا کاٹ دے ہم بھی اس کے بدلے میں اس کے وہی اعضا کاٹ دیں گے اور جو اپنے غلام کو خصی کر ڈالے اس کا بدلہ بھی اس سے یہی لیا جائے گا۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سرکار مدنی کا فیصلہ سن چکے اب کوفی سلطنت کا فیصلہ ملاحظہ ہو۔ ہدایہ جلد چہارم ۵۳۸ باب مایوجب القصاص میں ہے **ولا یقتل الرجل بعبده ولا مدبره ولا مکاتبه ولا بعبد ولده** یعنی کسی کو اس کے غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔ اس غلام کے بدلے بھی نہیں جسے اس نے اپنے مرنے کے بعد آزاد ہونے کی کہہ دی ہو اس کے بدلے بھی نہیں جس نے اسے لکھ دیا ہو کہ جب میں اپنی رقم ادا کر دوں تو آزاد ہوں اور اس کے بیٹے کے غلام کے قتل کے بدلے بھی اسے قتل نہ کیا جائے سنا آپ نے؟

حدیث میں تو ہے کہ اپنے غلام کے قتل کے بدلے بھی قتل کر دیا جائے۔ حنفی مذہب کہتا ہے اپنی اولاد کے غلام کے قتل کے بدلے بھی قتل نہ کیا جائے۔

(شمع محمدی ص۱۰۹، ظفر المبین حصہ اول ص۲۰۵)

جواب:

اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں صاحب مدنی نے اپنے نظریہ کے مطابق جو روایت تھی وہ تو نقل کر دی اور حنفی مسلک کے دلائل کا ذکر نہیں کیا۔ امام ابوحنیفہ کا یہ مسلک خود

آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے طرز اور عمل کے عین مطابق ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

دلیل نمبر۱:

حضرت عمر رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ مالک کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (بیہقی ج۸ ص ۳۶)

دلیل نمبر۲:

عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنے غلام کو عمداً قتل کر دیا تو حضور ﷺ نے اس کو سو کوڑے لگائے۔ اس کو ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا اور غنیمت میں سے اس کا حصہ ختم کر دیا آپ ﷺ نے اسے قصاص میں قتل نہیں کیا بلکہ اسے حکم دیا کہ وہ ایک غلام کو آزاد کر دے۔ (سنن دار قطنی ج۳ ص ۱۴۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج۹ ص ۳۰۴)

دلیل نمبر۳:

اسی طرح کا واقعہ حضرت علی نے بھی نقل کیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۹ ص۳۰٤، دار قطنی ج۳ ص۱٤٤، بیہقی ج۸ ص۳٦)

دلیل نمبر۴:

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کسی آدمی کو اپنے غلام کو قتل کرنے کے جرم میں قتل نہیں کرتے تھے بلکہ سو کوڑے لگاتے اسے ایک سال کے لیے قید کر دیتے اور ایک سال کے لیے مال غنیمت میں سے اس کا حصہ ختم کر دیتے تھے۔ جب کہ اس نے عمداً قتل کا ارتکاب کیا ہوتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۹ ص۳۰۵، سنن بیہقی ج۸ ص۳۷، مصنف عبدالرزاق ج۹ ص٤۹۱)

رہی وہ روایت جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہے۔ ان تمام دلائل کی روشنی میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ بات محض آقاؤں کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے فرمائی ہوگی۔ تاکہ وہ اپنے غلاموں کو قتل کرنے کے معاملے میں بے لگام نہ ہو جائیں۔ اس کا مقصد اس جرم کی قانون سزا بیان کرنا نہیں تھا۔ ورنہ خود حضور اکرم ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین یہ سزا دینے سے گریز نہ کرتے علاوہ ازیں اس روایت کی سند بھی کمزور ہے۔ کیوں کہ یہ روایت حسن بصری نے حضرت سمرہ سے نقل کی ہے اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ان کی حضرت سمرہ سے نقل کردہ روایات کو ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ امام بیہقی اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

قتادہ کہتے ہیں کہ حسن بصری یہ روایت بیان کرنے کے بعد بھول گئے اور کہنے لگے کہ آزاد آدمی کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

شیخ کہتے ہیں کہ غالباً حسن بصری روایت کو بھولے نہیں تھے بلکہ انہوں نے اس حدیث کے ضعف کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کیا، اور اکثر ائمہ حدیث نے ان کی حضرت سمرہ سے نقل کردہ روایتوں سے اعراض کیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے سمرہ سے سوائے ایک حدیث عقیقہ کے اور کوئی روایت نہیں سنی۔

شعبہ کہتے ہیں کہ حسن نے سمرہ سے سماع نہیں کیا۔ اور میں نے یحییٰ ابن معین کو کہتے سنا کہ حسن نے سمرہ سے سماع نہیں کیا، بلکہ وہ ایک کتاب سے روایت کرتے ہیں اور اس حدیث (یعنی مالک کو غلام کے بدلے میں قتل کرنے کی حدیث) کے بارے میں یحییٰ نے فرمایا کہ حسن نے سمرہ سے یہ نہیں سنی۔ (بیہقی ج ۸ ص ۳۵)

اور امام بیہقی باب بیع الحیوان بالحیوان میں فرماتے ہیں۔

اکثر حفاظ حدیث عقیقہ کی حدیث کے علاوہ سمرہ سے حسن کے سماع کی ثابت نہیں مانتے۔ (بیہقی ج ۵ ص ۲۸۸)

نوٹ:

ائمہ حنفی صرف قصاص کی نفی کرتی ہے باقی دیگر سزاؤں کی نفی نہیں کرتی۔

اعتراض نمبر ۹۵:

اسلامی مساوات پر ضرب

(عورت اور مرد کے قصاص کا مسئلہ)

صاحب شمع محمدی نقل کرتے ہیں۔

اسی نمبر ۹۴ کی حدیث کو دوبارہ پڑھ جایئے اور پھر ہدایہ کھول کر اس کی چوتھی جلد نکال کر پانچ سو تریپن نکالیے۔ وہاں باب ہے باب القصاص فیما دون النفس اس باب کے اس صفحہ کی آخری سطر دیکھئے وہاں لکھا ہوا ہے ولا قصاص بین الرجل والمراۃ فیما دون النفس ولا بین الحر والعبد ولا بین العبدین یعنی عورت اور مرد کے درمیان جان لینے کے علاوہ اور باتوں میں قصاص نہیں ہے نہ آزاد اور غلام کے درمیان ہے نہ دو غلاموں کے درمیان ہے۔ آپ نے خیال فرمایا؟ حدیث میں تو ہے کہ جو آزاد جس غلام کا ہاتھ کاٹ دے یا پاؤں کاٹ دے تو اس کا بھی ہاتھ پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس فرمان رسول ﷺ کو توڑ دیتا ہے وہ کہتا ہے کہاں غلام کہاں آزاد؟ غلام اور آزاد میں فرق کرو غلام کے ہاتھ کے بدلے آزاد کا ہاتھ نہ کاٹو۔ کہو مسلمانو! وہ مساوات جس پر تمہیں ناز تھا کیا ہوئی؟ اب بتاؤ حنفی مذہب اچھا یا محمدی مذہب اچھا؟

(شمع محمدی ص ۱۰۹)

جواب:

صاحب شمع محمدی جس حدیث کا حوالہ دے رہے ہیں اس میں سرے سے یہ مسئلہ ہی نہیں ہے۔ پہلے کوئی ایسی حدیث پیش کریں جس سے ہدایہ کے مسئلے کو حدیث کے خلاف ثابت کیا جا سکے۔ اگر اس مسئلہ کا حکم قرآن میں ہے تو وہ آیت پیش کریں اگر حدیث میں ہے تو حدیث پیش کریں جس میں اس مسئلہ کی وضاحت ہو پھر ہم ہدایہ کے مسئلہ کو دیکھیں گے کہ کیا وہ واقعی حدیث کے خلاف ہے۔ صاحب ہدایہ نے تو پھر بھی ایک عقلی دلیل نقل کی ہے۔

اعتراض نمبر۹۶:

غلاموں پر ظلم

صاحب شمع محمدی نقل کرتے ہیں۔

آپ نے ۹۴ کی حدیث میں پڑھا کہ خصی کرنے کا قصاص خصی کرنا ہے گو آقا اور غلام کے درمیان ہو۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس قانون محمدی کی بھی قانون شکنی کر کے کہتا ہے کہ یہی نہیں بلکہ سرے سے اس میں قصاص ہی نہیں چنانچہ ہدایہ جلد چہارم ص **۵۵۵ کتاب الجنایات باب القصاص** میں ہے **ولا قصاص فی اللسان ولا فی الذکر** یعنی زبان اور پیشاب گاہ میں قصاص نہیں ہے۔

حنفی دوستو حدیث کا حکم ہے کہ دوسرے کو خصی کرنے والے کو خصی کر دیا جائے گا اور فقہ کا حکم کہ خصی کرنے والے سے قصاص نہ لیا جائے۔ یہ دونوں آپ کے سامنے ہیں اور دونوں میں نالفت ہے اب آپ کو اختیار ہے اقرار کا بھی اور انکار کا بھی؟ (شمع محمدی ص ۱۱۰)

جواب:

اس اعتراض کا جواب اعتراض نمبر۹۴ میں گزر چکا ہے۔

اعتراض نمبر ۹۷:

مسلمانوں کو کافر کے برابر کردیا

(یعنی مسلمان اور ذمی کافر کی دیت برابر ہے)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن عمرو بن شعب عن ابيه عن جده قال خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الفتح ثم قال ...... دية الكافر نصف دية المسلم.

(رواه ابو داؤد مشكوة شريف جلد دوم ص۳۰۳ كتاب القصاص باب الديات) یعنی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کافر کی دیت مسلمان سے آدھی ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا وہ کہتا ہے **دية المسلم والذمی سواء (هدايه جلد چہارم كتاب الديات ص۵۶۹)** یعنی مسلمان اور ذمی کافر کی دیت یکساں اور برابر ہے۔ لہو دوستو اب آپ جس وقت جج کی کرسی سنبھالیں گے اور کسی مسلمان کے ہاتھ سے کسی ذمی کافر کی آنکھ پھوٹ گئی یا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ تو محمدی مذہب کے مطابق آدھی دیت اس کو دلوائیں گے؟ یا حنفی مذہب کے مطابق پوری دیت؟ حدیث کے مطابق اسلام وکفر میں فرق کریں گے؟ یا فقہ کے مطابق دونوں کو ایک درجہ دیں گے؟

(شمع محمدی ص۱۱۱، ظفر المبین حصہ دوم ص۱۶۳)

جواب:

ہدایہ کا مسئلہ مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہے۔

حدیث نمبر۱:

اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے معاہد کی دیت مسلمان کی دیت جیسی مقرر کی (یعنی مسلمان اور کافر دونوں دیت میں برابر ہیں)

(نصب الرایہ ج۴ ص۳۶۷)

حدیث نمبر۲:

سعید بن میسب فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر ذی عہد (ذمی) کی دیت آپ ﷺ کے زمانے میں ایک ہزار دینار تھی۔(نصب الرایه ج٤ ص٣٦٦)

حدیث نمبر۳:

حضرت ہیثم بن ابی الہیثم سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم نے فرمایا معاہد کی دیت آزاد مسلمان کی دیت ہے۔(كتاب الآثار باب دية المعاهد)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حنفی مسلک حدیث کے مطابق ہے حدیث کے خلاف نہیں۔ رہا احادیث کا مختلف ہونا تو ہم ترجیح ان روایات کو دیتے ہیں کیوں کہ خلفاء راشدین کا عمل ہماری روایات کے مطابق ہے۔

رہی وہ روایت جو جونا گڑھی نے نقل کی ہے۔ اس میں عام کافر کا ذکر ہے، ذمی کافر کا نہیں اور ہدایہ میں مسئلہ ذمی کافر کا لکھا ہوا ہے۔ عام کافر کا نہیں اس لیے یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۹۸:

قصر نماز کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن عائشة قالت كل ذلك قد فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم قصر الصلاة واتم.

(رواه فی شرح السنة مشکٰوة جلد اول کتاب الصلاة باب صلاة السفر ص۱۱۸)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے سفر میں نماز قصر بھی کی ہے اور پوری بھی پڑھی ہے اسی لیے سفر میں نماز پوری پڑھ لینا اہل حدیث کے نزدیک گناہ نہیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے فرض المسافر فی الرباعية رکعتان لا یزید علیهما (هدایه جلد ۱ کتاب الصلاة باب صلاة المسافر ص۱٤٥) یعنی مسافر پر چار رکعت والی نماز میں دو ہی فرض ہیں ان پر زیادتی نہ کرے۔ کہو حنفی بھائیو! اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ (شمع محمدی ص۱۱۱)

جواب:

حنفی مسلک کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) عن عیسی بن حفص بن عاصم قال حدثنی ابی انه سمع ابن عمر یقول صحبت رسول الله صلی الله علیه وسلم فکان لا یزید فی السفر علی رکعتین وابا بکر و عمر و عثمان کذالك. (بخاری ج۱ ص۱٤۹)

حضرت عیسی بن حفص فرماتے ہیں کہ میرے والد حفص نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا۔ آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا وہ بھی ایسے ہی کہتے تھے۔

(۲) عن عبداللہ بن عمر (فی حدیث طویل) انی صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السفر فلم یزد علی الرکعتین حتی قبضہ اللہ وصحبت ابا بکر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ وصحبت عمر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ ثم صحبت عثمان فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ وقد قال اللہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ.

(مسلم ج۱ ص۲۴۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا آپ نے نماز دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا لیا اور میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا انہوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں حتی کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے بلا لیا۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا انہوں نے بھی دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھیں حتی کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے بلا لیا۔ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا انہوں نے بھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں حتی کہ انہیں بھی اللہ نے بلا لیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اچھا نمونہ ہے۔

(۳) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ السفر رکعتان من ترک السنۃ فقد کفر.

(رواہ ابن حزم بسند صحیح، عمدۃ القاری ج۷ ص۱۳۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں جس نے سنت (یعنی اس طریقہ) کو چھوڑا تحقیق اس نے کفر کیا۔

(٤) عن مورق قال سألت ابن عمر عن الصلوٰۃ فی السفر فقال رکعتین رکعتین من خالف السنۃ کفر. (مجمع الزوائد ج۲ ص۱۵٤)

حضرت مورق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دوران سفر نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا دو دو رکعتیں ہیں جس نے سنت (اس طریقے) کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔

(۵) عن ابی الکنود قال سألت ابن عمر عن صلٰوۃ السفر فقال رکعتان نزلتا من السماء فان شئتم فردوھما. (مجمع الزوائد ج۲ ص۱۵٤)

حضرت ابوالکنود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سفر کی نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا دو رکعتیں ہیں جو آسمان سے اتری ہیں چاہو تو ان کو رد کردو۔

(٦) عن السائب بن یزید الکندی ابن اخت النمر قال فرضت الصلٰوۃ رکعتین ثم زید فی صلٰوۃ الحضر واقرت صلٰوۃ السفر.

(مجمع الزوائد ج۲ ص۱۵٤)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نمر کے خواہر زادے فرماتے ہیں کہ نماز دو دو رکعت فرض ہوئی تھی پھر حضر کی نماز میں اضافہ ہوگیا اور سفر کی نماز یونہی برقرار رکھی گئی۔

(۷) عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت الصلٰوۃ اول ما فرضت رکعتان فاقرت صلٰوۃ السفر واتممت صلٰوۃ الحضر، الحدیث.

(بخاری ج۱ ص۱٤۸)

نبی علیہ السلام کی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نماز ابتداءً دو رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں سفر کی نماز برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز پوری کردی گئی۔

(۸) عن عمر قال صلٰوۃ السفر رکعتان وصلٰوۃ الجمعۃ رکعتان والفطر والاضحٰی رکعتان تمام غیر قصر علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم. (ابن ماجۃ ص۷٦، نسائی ج۱ ص۱٦۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سفر کی نماز دو رکعات ہیں جمعہ کی نماز دو رکعات ہیں، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز دو دو رکعات ہیں جو پوری ہیں کم نہیں محمد ﷺ کی زبانی۔

(۹) عن یعلی بن امیة قال قلت لعمر بن الخطاب لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاة ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا فقد امن الناس فقال عجبت مما عجبت منه فسألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذالك فقال صدقة تصدق الله بها علیکم فاقبلوا صدقته.

(مسلم ج۱ ص۲۴۱)

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ **لیس علیکم جناح الایة** کے بارے میں عرض کیا اب تو لوگ امن میں ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں عجیب لگی ہے وہ بات جو مجھے عجیب لگی تھی میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ اللہ نے تم پر صدقہ کیا ہے لہٰذا تم اس کے صدقے کو قبول کرو۔

(۱۰) عن ابن عباس قال فرض الله الصلوٰة علی لسان نبیکم صلی الله علیه وسلم فی الحضر اربعا وفی السفر رکعتین وفی الخوف رکعة.

(مسلم ج۱ ص۲۴۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبانی حضر میں چار رکعتیں، سفر میں دو رکعتیں اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔

(۱۱) عن ابن عباس قال صلیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم حین سافر رکعتین رکعتین وحین اقام اربعا قال و قال ابن عباس فمن صلی فی السفر اربعا کمن صلی فی الحضر رکعتین. الحدیث.

(مجمع الزوائد ج۲ ص۱۵۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سفر کیا تو دو دو رکعتیں پڑھیں اور جب آپ مقیم ہوئے تو چار پڑھیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو شخص دوران سفر چار رکعتیں پڑھتا ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ شخص جو حضر میں دو رکعت پڑھے۔

(۱۲) عن موسیٰ بن سلمة الهذلی قال سألت ابن عباس کیف اصلی اذا کنت بمکة اذا لم اصلی مع الامام فقال رکعتین سنة ابی القاسم صلی الله علیه وسلم. (مسلم ج۱ ص۲۴۱)

حضرت موسیٰ بن سلمہ ہذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ جب میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور میں نے امام کے ساتھ نماز نہ پڑھی ہو تو کیسے نماز پڑھوں آپ نے فرمایا دو رکعتیں ہی سنت ہے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

(۱۳) عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم خرج من المدینة الی مکة لا یخاف الا رب العالمین فصلی رکعتین. (ترمذی ج۱ ص۱۲۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ گئے اس حال میں کہ آپ سوائے رب العالمین کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور آپ نے دو ہی رکعتیں پڑھیں۔

(۱٤) عن ابی هریرة قال سافرت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم ومع ابی بکر وعمر کلهم صلی من حین یخرج من المدینة الی ان یرجع الیها رکعتین فی المسیر والمقام بمکة. (مجمع الزوائد ج۲ ص۱۵٦)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر کیا ہے، سب نے مدینہ طیبہ سے جاتے اور واپس مدینہ طیبہ آنے تک دو رکعتیں ہی پڑھیں سفر کے دوران بھی اور مکہ مکرمہ اقامت کے دوران بھی۔

(١٥) عن خلف بن حفص عن انس انطلق بنا الى الشام الى عبدالملك ونحن اربعون رجلا من الانصار ليفرض لنا فلما رجع وكنا بفج الناقه صلى بنا الظهر ركعتين ثم دخل فسطاطه وقام القوم يضيفون الىٰ ركعتيهم ركعتين اخريين فقال قبح الله الوجوه فوالله ما اصابت السنة ولا قبلت الرخصة فاشهد لسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان قوما يتعمقون فى الدين يمرقون كما يمرق السهم من الرمية.

(مجمع الزوائد ج٢ ص١٥٥)

حضرت خلف بن حفص حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ (انہوں نے فرمایا) ہمیں ملک شام عبدالملک بن مروان کے پاس لے جایا گیا ہم چالیس انصاری مرد تھے، مقصد یہ تھا کہ وہ ہمارا وظیفہ مقرر کردے، جب ہم واپس ہوئے اور فج الناقہ پہنچے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں اور اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے لوگ اٹھے اور (پڑھی ہوئی) دو رکعتوں کے ساتھ دوسری دو رکعتوں کا اضافہ کرنے لگے، آپ نے فرمایا خدا ان کا برا کرے اللہ کی قسم یہ سنت کو نہ پہنچے نہ انہوں نے رخصت کو قبول کیا، گواہ رہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے کہ بہت سے لوگ دین میں خوب گہرائی میں جائیں گے لیکن وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے۔

(١٦) عن عطاء بن يسار قال ان ناسا قالوا يا رسول الله كنا مع فلان فى السفر فابىٰ الا ان يصلى لنا اربعا اربعا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا والذى نفسى بيده تضلون. (المدونة الكبرىٰ ج١ ص١٢١)

حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم فلاں صاحب کے ساتھ سفر میں تھے انہوں نے ہمیں نماز پڑھانے سے انکار کیا بجز اس

صورت کے وہ چار چار رکعت پڑھائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ایسی صورت میں تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

(۱۷) عن ابراھیم ان ابن مسعود قال من صلی فی السفر اربعا اعاد الصلوٰۃ. (معجم طبرانی کبیر ج۹ ص۲۸۹)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے سفر میں چار رکعتیں پڑھیں وہ اپنی نماز لوٹائے۔

مذکورہ احادیث وآثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ دورانِ سفر نماز میں قصر کرنا عزیمت ہے نہ کہ رخصت، نیز قصر کرنا واجب اور ضروری ہے نہ کہ افضل۔

رہی وہ روایت جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر۱:

اس روایت میں قصر سے مراد وہ نماز ہے جن میں قصر ہوتی ہے مثلاً ظہر، عصر، عشاء کہ آپ ﷺ ان میں سفر کے اندر قصر کرتے تھے یعنی دو دو رکعات پڑھتے تھے۔ اور پوری پڑھنے سے مراد وہ نمازیں ہیں جن میں قصر نہیں ہوتی مثلاً مغرب اور صبح کی نماز تو اب مطلب یہ ہوگا کہ جن نمازوں میں قصر ہوتی تھی آپ قصر کرتے تھے اور جن میں قصر نہیں ہوتی تھی ان کو سفر میں پوری پڑھتے تھے۔

جواب نمبر۲:

یہ روایت ہے بھی ضعیف اس کی سند میں ایک راوی ہیں ابراہیم بن یحیٰ جو ضعیف ہیں۔

جواب نمبر۳:

صاحب سفرِ سعادت علامہ مجدالدین فیروز آبادی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں

کہ یہ حدیث صحت کی حد کو نہیں پہنچی لہٰذا حالت سفر میں پوری چار رکعتیں پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

جواب نمبر۴:

حضرت عروہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ سب سے پہلے نماز دو رکعت فرض کی گئی۔ پس سفر کی نماز برقرار رہی اور حضر کی نماز پوری پڑھی گئی۔ امام زہری نے کہا: میں نے عروہ سے پوچھا حضرت عائشہ جو (منیٰ میں) نماز پوری پڑھتی تھیں اس کا کیا سبب تھا؟ انہوں نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہی تاویل کی تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تاویل کی تھی۔ (بخاری کتاب تقصیر الصلوٰة باب یقصر اذا خرج من مواضعه)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اجتہاد سے ایسا کرتی تھیں اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جواز اتمام میں کوئی حدیث مرفوع ہوتی تو حضرت عروہ یہ نہ فرماتے کہ وہ تاویل کرتی تھیں بلکہ اس حدیث کا حوالہ دیتے حضرت عروہ کے قول سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ کے پاس اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث نہ تھی بلکہ ان کا اپنا اجتہاد تھا۔ لہٰذا مذکورہ روایت جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کی گئی ہے یا تو صحیح نہیں ہے یا اس کا مطلب کچھ اور ہے۔ اسی لیے علامہ ابن تیمیہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔

(دیکھئے معارف السنن ج۴ص۴۵۹)

اعتراض نمبر۹۹:

کتنے دن تک ٹھہرنا ہو تو قصر کرے

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابن عباس قال سافر النبی صلی الله علیه وسلم فاقام تسعة عشر یوما یصلی رکعتین قال ابن عباس فنحن نصلی فیما بیننا وبین مکة تسعة عشر رکعتین فاذا اقمنا اکثر من ذلك صلینا اربعا.

(رواه البخاری مشکوٰة جلد اول ص۱۱۸، کتاب الصلاة باب صلاة السفر)

یعنی رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ
،ول اللہ ﷺ اپنے سفر میں ایک جگہ انیس دن تک ٹھہرے رہے اور نماز قصر کرتے رہے
ٹی بجائے چار رکعت کے دو رکعت پڑھتے رہے۔ آپ فرماتے ہیں ہم لوگ مکے مدینے
ے درمیان انیس دن تک تو نماز قصر کیا کرتے ہیں جب اس سے ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو پوری
ڑھتے ہیں۔ یہ حدیث بہت صاف ہے کہ جو مسافر کسی جگہ انیس دن یا اس سے کم رہنا چاہتا
وہ نماز انیس دن تک قصر کرسکتا ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا وہ کہتا ہے **ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوی الاقامة فی بلدة او قریة خمسة عشر یوما او اکثر.**

یعنی پندرہ دن یا اس سے زیادہ کہیں ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو پھر وہ مسافر کے حکم میں نہیں۔
اسے پوری نماز پڑھنی چاہیے آپ نے خیال فرمایا حدیث میں انیس دن کا حکم ہے لیکن حنفی مذہب پندرہ دن کا حکم دیتا ہے۔ اب فرمائیے کہ اس مسئلے سے ناواقف رہ کر رسول اللہ ﷺ نے غلطی کر کے انیس دن تک نماز قصر کی یہ مانو گے؟ یا یہ مانو گے کہ حکم انیس دن کا ہی ہے لیکن فقہ کے ان مصنفین نے غلطی کر کے پندرہ کا حکم دیا؟

(شمع محمدی ص ۱۱۲، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۱۴۷)

جواب:

اس مسئلہ میں روایات بہت مختلف ہیں ہم پہلی حنفی مسلک کے دلائل نقل کرتے ہیں پھر صاحب شمع محمدی جو روایت نقل کی ہے اس کا جواب عرض کریں گے۔

حنفی مسلک کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

دلیل نمبر ۱:

عن مجاهد قال كان ابن عمر اذا اجمع على اقامة خمس عشرة سرح ظهره وصلى اربعا.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص٤٥٥، مصنف عبدالرزاق ص۳٥۲، ترمذی ص۱۲۲)

حضرت مجاہد ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ جب پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ فرمالیتے تو گھوڑے سے زین اتار دیتے اور چار رکعت ادا کرتے۔

دلیل نمبر ۲:

عن مجاهد عن ابن عمر انه اذا اراد ان يقيم بمكة خمسة عشر يوم سرح ظهره وصلى اربعا. (كتاب الحجة للامام محمد ج۱ ص۱۷۰)

حضرت مجاہد ؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ جب مکہ مکرمہ میں پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ فرمالیتے تو گھوڑے سے زین اتار دیتے اور چار رکعت ادا کرتے۔

دلیل نمبر ۳:

عن مجاهد عن عبدالله بن عمر قال اذا كنت مسافرا فوطنت نفسك على اقامة خمسة عشر يوما فاتمم الصلاة وان كنت لا تدرى فاقصر.

(كتاب الآثار للامام ابى حنيفة بروايت الامام محمد ص۳۹)

حضرت مجاہد ؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے فرمایا جب تم مسافر ہو اور اپنے لیے کسی جگہ کو پندرہ دن ٹھہرنے کے لیے وطن بنالو تو نماز پوری پڑھو اور اگر تمہیں معلوم نہ ہو (کہ کتنے دن ٹھہرنا ہے) تو قصر کرو۔

دلیل نمبر ۴:

عن مجاهد عن ابن عمر و ابن عباس رضى الله عنهم قال اذا هممت

الاقامة خمسة عشر يوما فاتم الصلاة. (جامع المسانيد ج١ ص٤٠٤)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جب تم پندرہ دن اقامت کا ارادہ کرلو تو پھر نماز پوری پڑھو۔

دلیل نمبر۵:

عن سعید بن المسیب قال اذا قدمت بلدة فاقمت خمسة عشر (یوما) فاتم الصلاة. (کتاب الحجة ج١ ص١٧١)

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تم کسی شہر میں آؤ اور اس میں پندرہ دن ٹھہرو تو نماز پوری پڑھو۔

دلیل نمبر۶:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں فتح کے سال پندرہ دن تک نماز قصر کرتے رہے۔ **(ابو داؤد باب متی یتم المسافر)**

مذکورہ آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ مسافر اگر کسی مقام پر پندرہ یا پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کر لے تو پھر نماز پوری پڑھے گا قصر نہیں کرے گا ورنہ قصر کرے گا۔ جلیل القدر صحابہ کرام حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا اسی پر عمل تھا اور وہ دوسروں کو یہی فتویٰ دیا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ تعیین کوئی ایسی چیز تو ہے نہیں جس میں عقل ورائے کو دخل ہو اور ان حضرات نے خود ہی یہ تعیین کر لی ہو اس لیے یہی کہا جائے گا کہ ضرور ان حضرات نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سن کر یا آپ کے عمل کو دیکھ کر ہی یہ تعیین کی ہے لہٰذا ان کے یہ فتاویٰ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوں گے۔ اسی طرح جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ بھی صحیح روایت کے مطابق اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔

رہی وہ روایت جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہے اس کی کئی جواب ہیں۔

جواب نمبرا:

یہ روایت مضطرب ہے، صاحب شمع محمدی نے انیس دن والی روایت تو نقل کر دی دوسری کا ذکر نہیں کیا۔

اٹھارہ (۱۸) دن والی روایت:

عمران بن حصین سے روایت ہے کہ میں نے جہاد کیا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور حاضر ہوا فتح مکہ میں آپ مکے میں ٹھہرے رہے اور اٹھارہ راتوں تک دو ہی رکعتیں پڑھتے (قصر کرتے رہے) اور فرماتے تھے اے مکے والو تم چار پڑھو کیوں کہ ہم مسافر ہیں۔
(ابو داؤد باب متی یتم المسافر)

سترہ (۱۷) دن والی روایت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سترہ راتوں تک مکے میں رہے نماز کو قصر کرتے تھے ابن عباس نے کہا جو سترہ (۱۷) دن ٹھہرے وہ قصر کیا کرے جو اس سے زیادہ ٹھہرے وہ پوری نماز پڑھے۔ **(ابو داؤد باب متی یقم المسافر)**

سترہ (۱۷) دن والی ابن عباس کی ایک اور روایت۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکے میں سترہ دن تک رہے اور دو رکعتیں پڑھتے رہے۔ **(ابو داؤد باب متی یتم المسافر)**

دس (۱۰) والی روایت:

انس بن مالک سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے مدینہ سے مکے کو آپ دو رکعتیں پڑھتے تھے، یہاں تک کہ ہم پھر مدینہ کو لوٹ آئے لوگوں نے پوچھا تم مکے میں کتنے دن ٹھہرے تھے انہوں نے کہا دس دن ٹھہرے تھے۔

(ابو داؤد باب متی یتم المسافر، بخاری، باب ما جاء فی التقصیر و کم یقیم حتی یقصر)

۱۰۱ دن کی روایت:

امام ترمذی نے (باب ماجاء فی کم تقصر الصلاة) حضرت ابن عمر کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور مروی ہے ان سے بارہ دن بھی۔

۴ دن کی روایت:

امام ترمذی نے (باب ما جاء فی کم تقصر الصلاة) میں نقل کیا ہے۔ سعید بن ۱ب سے کہ انہوں نے کہا جب چار دن ٹھہرے تو چار پڑھے۔

ناظرین ان روایات سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں روایات میں اختلاف ہے ہم نے ۱۵ دن والی روایات کو ترجیح دی ہے۔ کیوں کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی روایات میں واضح طور پر نیت اور ارادہ کا ذکر ہے۔

صاحب شمع محمدی کا یہ کہنا کہ حنفی مسلک حدیث کے خلاف ہے ظلم ہے۔ ہمارے نظریہ کے مطابق انیس دن والی روایت میں نیت اور ارادے کا ذکر نہیں ہے اگر کوئی بغیر نیت کے ۱۵ دن سے بھی زیادہ رہے تو وہ قصر ہی کرے گا اور یہ حدیث اس پر ہی محمول ہے۔

اعتراض نمبر ۱۰۰:

حد سفر میں حدیث وفقہ کا اختلاف

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن یحیی بن یزید الهنائی قال سألت انس بن مالك عن قصر الصلاة فقال كان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا خرج مسیرة ثلاثة امیال او ثلاثة فراسخ شعبة الشاك صلی رکعتین.

(رواه مسلم جلد اول مع نووی ص۲۴۲ کتاب الصلاة المسافرین)

یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نماز کو قصر کرنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا

کہ رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فرسخ (شعبہ راوی کو شک ہے) کے سفر کو نکلتے تو نماز قصر کرتے۔ اس صحیح حدیث کے مطابق اہل حدیث کا مذہب ہے کہ تین فرسخ یعنی نو میل کا سفر جسے کرنا ہو وہ نماز قصر پڑھ سکتا ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی اسے نہیں مانتا وہ لکھتا ہے **السفر الذی یتغیر بہ الاحکام ان یقصد مسیرۃ ثلاثۃ ایام و لیالھا**) یعنی سفر کے احکام اس سفر پر مرتب ہوتے ہیں جس میں تین دن تین راتوں کی مسافرت طے کرنے کا قصد ہو۔ حنفی بھائیو! اب فرمایئے آپ حدیث کے مطابق نو میل معتبر مانیں گے؟ یا تین دن رات؟

جواب:

اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں صاحب شمع محمدی نے اپنی دلیل کا ذکر کر دیا اور احناف کے دلائل کا ذکر نہیں کیا۔ ہم پہلے احناف کے دلائل نقل کرتے ہیں بعد میں اس روایت کا جواب عرض کریں گے اس مسئلہ میں اصل دنوں کا اعتبار ہے۔ دنوں کے بارے میں جو زیادہ صحیح اور راجح بات قرآن وسنت سے ثابت ہوتی ہے وہ تین دن اور تین رات ہی ہے۔ اسی کو بنیاد بنا کر میلوں کا تعین کر لیا گیا ہے۔

دلائل احناف ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عن شریح بن ھانیء قال اتیت عائشۃ اسألھا عن المسح علی الخفین فقالت علیک بابن ابی طالب فاسئلہ فانہ کان یسافر مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسألناہ فقال جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ ایام ولیالیھن للمسافر ویوما ولیلۃ للقیم. (مسلم ج۱ ص۱۳۵)

حضرت شریح بن ہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر موزوں پر مسح کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تم ابن ابی طالب (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھو کیوں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے، چنانچہ ہم نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسافر کے لیے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن ایک رات مقرر فرماتے تھے۔

(۲) عن عبدالرحمن بن ابی بکرة عن ابیه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم وقت فی المسح علی الخفین ثلاثة ایام ولیالیهن للمسافر وللمقیم یوما ولیلة. (صحیح ابن حبان ج۲ ص۳۱۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ اپنے والد حضرت ابوبکر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کی مدت مسافر کے لیے تین دن تین رات اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر فرمائی ہے۔

(۳) عن ابن عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لا تسافر المرأة ثلاثة ایام الا مع ذی محرم. (بخاری ج۱ ص۱۴۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا نہ سفر کرے عورت تین دن کا محرم کے بغیر۔

(٤) عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یحل لامرأة ان تسافر ثلثا الا و معها ذو محرم منها. (مسلم ج۱ ص٤۳٤)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بھی عورت کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ تین دن کا سفر کرے اپنے محرم کے بغیر۔

(۵) عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر ان تسافر سفرا یکون ثلثة ایام

فصاعدا الا ومعها ابوها او ابنها او زوجها او اخوها او ذو محرم منها.

(مسلم ج۱ ص۱۲٤)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال نہیں ہے کسی بھی ایسی عورت کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے کہ وہ تین دن یا تین دن سے زیادہ مسافت کا سفر کرے گا مگر اس حال میں کہ اس کا باپ یا بیٹا، یا شوہر یا بھائی یا کوئی محرم اس کے ساتھ ہو۔

(٦) عن علی ربیعة الوالبی، الولبة بطن من بنی اسد بن خزیمة قال سألت عبدالله بن عمر الی کم تقصر الصلوٰة؟ فقال اتعرف السویداء قال قلت لا ولکنی قد سمعت بها قال هی ثلاث لیال قواصد فاذا خرجنا الیها قصرنا الصلوٰة.

(کتاب الآثار للامام ابی حنیفة بروایت الامام محمد ص۳۹)

حضرت علی بن ربیعہ والبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کتنی مسافت پر نماز قصر کرنی چاہیے۔ آپ نے فرمایا سوایداء کو جانتے ہو میں نے عرض کیا کہ جانتا تو نہیں لیکن اس کے بارے میں سنا ہے فرمایا وہ تین درمیانی راتوں کی مسافت پر ہے۔ جب ہم وہاں جاتے ہیں تو نماز میں قصر کرتے ہیں۔

(۷) حدثنا ابراهیم بن عبدالاعلی قال سمعت سوید بن غفلة الجعفی یقول اذا سافرت ثلاثا فاقصر. (کتاب الحجة ج۱ ص۱٦۸)

حضرت ابراہیم بن عبدالاعلیٰ فرماتے ہیں کہ میں سوید بن غفلہ جعفی رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تو تین دن کا سفر کرے تو قصر کر۔

(۸) عن عمر قال تقصر الصلوٰة فی مسیرة ثلٰث لیال.

(کنز العمال ج۸ ص۲۲٤)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین رات کی مسافت (کے سفر) میں نماز قصر کی جائے۔

(۹) عن سالم بن عبداللہ عن ابیہ انہ رکب الی ریم فقصر الصلوٰۃ فی مسیرہ ذالک قال یحیی قال مالک و ذالک نحو من اربعۃ برد.

(مؤطا امام مالک ج۱ ص۱۳۰)

حضرت سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ریم تک سفر کیا تو اپنے اس سفر کے دوران نماز میں قصر کیا۔ یحیٰ کہتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ریم مدینہ طیبہ سے تقریباً ۴ برید کے برابر فاصلہ ہے۔

(۱۰) عن سالم بن عبداللہ ان عبداللہ ابن عمر رکب الی ذات النصب قصر الصلاۃ فی میسرۃ ذالک قال یحیی قال مالک و بین ذات النصب والمدینۃ اربعۃ برد. (مؤطا امام مالک ج۱ ص۱۳۰)

حضرت سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ذات نصب تک سفر کیا تو اپنے اس سفر کے دوران نماز میں قصر کیا۔ یحیٰ کہتے ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مدینہ طیبہ اور ذات نصب کے درمیان ۴ برید کا فاصلہ ہے۔

(۱۱) عن سالم ان ابن عمر خرج الی ارض لہ بذات النصب فقصر وھی ستۃ عشر فرسخا. (مصنف ابن ابی شیبۃ ج۲ ص۴۳۴)

حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی اس زمین کی طرف سفر کے لیے نکلے جو ذات نصب میں تھی تو آپ نے قصر کیا۔ مدینہ طیبہ سے اس کا فاصلہ سولہ فرسخ ہے۔

(۱۲) عن عطاء بن ابی رباح ان ابن عمر وابن عباس کانا یصلیان رکعتین ویفطران فی اربعۃ برد فما فوق ذالک. (بیہقی ج۲ ص۱۳۷)

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم دو رکعت پڑھتے تھے (قصر کرتے تھے) اور روزہ افطار کرتے تھے چار یا اس سے زیادہ برید پر۔

(۱۳) وکان ابن عمر وابن عباس یقصران ویفطران فی اربعة برد وھی ستة عشر فرسخا. (بخاری ج۱ ص۱۴۷)

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقًا ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نماز میں قصر کرتے تھے اور روزہ افطار کرتے تھے ۴ برید پر جو ۱۶ فرسخ کے ہوتے ہیں۔

(۱۴) عن عطاء بن ابی رباح قال قلت لابن عباس اقصر الی عرفة فقال لا قلت اقصر الی مر قال لا قلت اقصر الی الطائف والی عسفان قال نعم وذالك ثمانية واربعون ميلا وعقد بيده.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص۴۴۵، ومسند امام شافعی ج۱ ص۱۸۵)

حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میں عرفہ کی مسافت میں قصر کر سکتا ہوں فرمایا نہیں میں نے عرض کیا کہ مر کی مسافت میں قصر کر سکتا ہوں فرمایا نہیں میں نے عرض کیا طائف اور عسفان کی مسافت میں قصر کر سکتا ہوں فرمایا ہاں، ان کی مسافت اڑتالیس میل ہے، ہاتھ سے گرہ لگا کر (شمار کر کے) دکھایا۔

(۱۵) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یا اھل مکة لا تقصر والصلوٰة فی ادنیٰ من اربعة برد من مکة الی عسفان.

(معجم طبرانی کبیر بحواله مجمع الزوائد ج۲ ص۱۵۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اہل مکہ تم

چار برید سے کم کے سفر میں قصر نہ کیا کرو چار برید مکہ مکرمہ سے عسفان تک ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسافر کے لیے موزوں پر مسح کی مدت تین دن و تین رات مقرر فرمائی ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۱۔۲ سے واضح ہے اور آپ نے عورت کو محرم کے بغیر تین دن کے سفر سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۳۔۴ سے ظاہر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں تین دن و رات کو ضرور دخل ہے اور مسافر کہلانے کا مستحق وہی ہے جو تین دن و رات کی مسافت کے سفر کے ارادہ سے گھر سے چلے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور جلیل القدر تابعی حضرت سوید بن غفلہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال سے اس کی صراحت بھی ہوگئی اور معلوم ہوا کہ نماز میں قصر کے لیے مسافت سفر تین دن و رات کا سفر ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۶۔۷۔۸ سے ظاہر ہے۔ مگر جس زمانہ میں قافلے پیادہ یا اونٹوں وغیرہ پر چلا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں اس مسافت کا اندازہ لگانا آسان تھا موٹر ریل اور ہوائی جہاز کے اس دور میں تین دن کی پیدل مسافت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے شاید آئندہ اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری کا زمانہ آئے۔ لہٰذا احکام شرح میں سہولت کے پیش نظر اب میلوں کی تعیین ضروری ہے چنانچہ محققین علماء احناف نے ۴۸ میل کو مسافت قصر قرار دیا ہے جیسا کہ یہ ائمہ ثلاثہ حضرت امام مالک، حضرت امام احمد اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام شافعی رحمہم اللہ کا بھی مسلک ہے اور مندرجہ بالا احادیث و آثار بھی اس کے موید ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے مسافت سفر کی تحدید چار برد = ۱۶ فرسخ = ۴۸ میل ثابت ہو رہی ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۱۵ سے ظاہر ہے اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے اقوال و اعمال سے بھی مسافت سفر کی تحدید چار برد = ۱۶ فرسخ = ۴۸ میل ہی ثابت ہو رہی ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴ سے واضح ہے، حضرت امام مالک، حضرت ابو بکر بن ابی شیبہ، حضرت امام بخاری، حضرت امام بیہقی رحمہم اللہ سب یہی نقل کر رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ

بن عباس رضی اللہ عنہ کا عمل اور فتویٰ اسی پر تھا کہ مسافت قصر اڑتالیس میل ہے۔

رہی وہ روایت جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر۱:

اس روایت کا مطلب یہ نہیں کہ صرف تین میل کے سفر میں قصر فرمالیتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ سفر تو تین میل سے زیادہ کا ہوتا تھا لیکن تین میل یا تین فرسخ ہی کے فاصلہ پر قصر پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔

جواب نمبر۲:

اس روایت میں تین میل کا ذکر بھی ہے اور تین فرسخ کا بھی راوی کو شک ہے۔ علی التعیین تین فرسخ یا تین میل کیسے ثابت ہو سکتے ہیں جس سے مولانا جونا گڑھی نو میل کے نظریہ کا تعین کر لیا ہے۔

اعتراض نمبر۱۰۱:

سینے پر ہاتھ باندھنا

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن وائل بن حجر قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضع يده اليمنى على اليسرى على صدره.

(صحيح ابن خزيمة وبلوغ المرام)

یعنی رسول اللہ ﷺ نماز میں اپنا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر اپنے سینے پر باندھتے تھے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس کا منکر ہے چنانچہ ہدایہ جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ ص ۸۲ میں ہے۔ **ویعتمد بیدہ الیمنی علی الیسری تحت السرۃ** یعنی دائیں ہاتھ سے بایاں ہاتھ تھام لے ناف کے نیچے۔ اب دیکھیں موجودہ حنفی اس حدیث کو مانتے ہیں؟ یا اپنی فقہ کو؟ (شمع محمدی ص ۱۱۶، ظفر المبین حصہ دوم ۴۹)

جواب:

صاحب شمع محمدی نے اپنی دلیل نقل کی ہے۔ احناف کے دلائل کا ذکر نہیں کیا ہم پہلے احناف کے دلائل ذکر کرتے ہیں بعد میں اس روایت کا جواب عرض کریں گے۔

احناف کے دلائل:

(۱) اخبرنا حجاج بن حسان قال سمعت ابا مجلز او سألته قال قلت کیف یضع قال یضع باطن کف یمینه علی ظاهر کف شماله ویجعلهما اسفل من السرة. (مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۳۹۱)

حجاج بن حسان فرماتے ہیں کہ میں ابومجلز سے سنا یا ان سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیوں کر باندھے جائیں؟ انہوں نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے اندر کے حصہ کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے اوپر کے حصہ پر رکھے اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے۔

(۲) عن ابراهیم قال یضع یمینه علی شماله فی الصلوٰة تحت السرة. (مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۳۹۱)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ نمازی نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

(۳) عن ابراهیم النخعی انه کان یضع یده الیمنیٰ علی یده الیسریٰ تحت السرة.

(کتاب الآثار للامام ابی حنیفة بروایت الامام محمد ص۲۸)

حضرت امام نخعی سے مروی ہے کہ وہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔

(٤) عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابيه قال رأيت النبى صلى الله عليه وسلم يضع يمينه على شماله فى الصلٰوة تحت السرى.

(مصنف ابن ابى شيبة ج١ ص٣٩٠)

حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد وائل بن حجر سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا میں نے نبی علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔

(٥) عن ابى جحيفة ان عليا قال السنة وضع الكف على الكف فى الصلٰوة تحت السرة.

(ابو داؤد نسخة ابن الاعرابى، بيهقى ج٢ ص٣١، مسند احمد ج١ ص١١٠، مصنف ابن ابى شيبة ١ ص٣٩١، دار قطنى ج١ ص٢٨٦)

حضرت ابو جحیفہ سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز میں ہتھیلی پر ہتھیلی ناف کے نیچے رکھنا مسنون ہے۔

(٦) عن ابى وائل قال قال ابو هريرة رضى الله عنه اخذ الاكف على الاكف فى الصلٰوة تحت السرة.

(ابو داؤد نسخة ابن الاعرابى ومحلى ابن حزم ج٣ ص٣٠)

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں ہتھیلیوں کو ہتھیلیوں پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔

(٧) عن على قال ثلٰثة من اخلاق الانبياء تعجيل الافطار وتاخير السحور ووضع الاكف تحت السرة فى الصلاة.

(منتخب كنز العمال برمسند احمد ج٦ ص٣٥٠)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہیں
(۱) افطار جلدی کرنا (۲) سحری دیر سے کھانا (۳) ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا

(۸) عن انس قال ثلث من اخلاق النبوة تعجيل الافطار وتاخير السحور ووضع اليد اليمنٰى على اليسرى فى الصلوٰة تحت السرة.

(محلى ابن حزم ج۳ ص۳۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں نبوت کے اخلاق میں سے ہیں۔
(۱) افطار جلدی کرنا (۲) سحری دیر سے کھانا (۳) اور دورانِ نماز دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

قال ابن قدامة الحنبلى

"وروى ذالك عن على وابى هريرة وابى مجلز والنخعى والثورى واسحاق لما روى عن على انه قال من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرة رواه الامام احمد وابوداؤد وهذا ينصرف الى سنة النبى صلى الله عليه وسلم." (المغنى ج۱ ص۴۷۲)

ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو مجلز، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری اور اسحٰق بن راہویہ سے مروی ہے کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت میں سے ہے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ناف کے نیچے، روایت کیا اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور ابوداؤد نے اور سنت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

رہی وہ روایت جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر ۱:

یہ روایت نہ بخاری کی اور نہ مسلم کی اور نہ ہی صحاح ستہ کی کسی کتاب کی، صاحب شمع

محمدی نے حافظ ابن حجر عسقلانی مقلد امام شافعی کی کتاب بلوغ المرام سے نقل کی ہے یہ کتاب بے سند ہے اور حافظ صاحب آٹھویں صدی کے شافعی محدث ہیں ان کی تقلید کرتے ہوئے صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہے۔ صاحب شمع محمدی نے خود صحیح ابن خزیمہ دیکھی بھی نہیں کیوں کہ اس زمانہ میں صحیح ابن خزیمہ مطبوعہ نہیں تھی۔ اب صحیح ابن خزیمہ چھپ چکی ہے۔ ہر آدمی اس کی سند دیکھ سکتا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ہے۔ مومل ابن اسماعیل ہے جس پر محدثین نے بہت سخت جرح کی ہے۔

صحیح ابن خزیمہ کی پہلی چار جلدوں کا ترجمہ خود غیر مقلدین نے شائع کیا ہے۔

اس حدیث کے حاشیہ میں مترجم لکھتے ہیں۔

(۴۷۹) اس کی اسناد ضعیف ہے کیوں کہ مؤمل وہ ابن اسماعیل ہیں جو کہ برے حافظہ والے ہیں۔ (صحیح ابن خزیمة مترجم جلد اول ص٤٥٤)

اس مسئلہ پر کافی کتابیں اور رسالے شائع ہو چکے ہیں تفصیل ان میں دیکھ لی جائے خاص کر علامہ ظہیر احسن شوق نیموی حنفی صاحب آثار السنن کا رسالہ جو اس بحث میں کافی عمدہ ہے۔

اعتراض نمبر ۱۰۲:

بلند آمین کہنا

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن وائل بن حجر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ غير المغضوب عليه ولا الضالين فقال امين مدها صوته.

(مشکوة نظامی ص٦٢)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پڑھ کر بآواز بلند

امین کہی۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن افسوس کہ حنفی اس حدیث کو نہیں مانتے، ہدایہ ص ۸۷ میں لکھا ہے ویخفونها یعنی آمین کو پست آواز سے مخفی پوشیدہ کہے۔ دیکھیں اب ہمارے حنفی بھائی مذہب پر رہتے ہیں یا حدیث پر آتے ہیں۔ (شمع محمدی ص ۱۱۸)

جواب:

جونا گڑھی نے اپنی مطلب کی حدیث ذکر کر دی اور حنفی مسلک کے دلائل کا ذکر نہیں کیا۔ ہم یہاں پر پہلے حنفی مسلک کے دلائل نقل کریں گے۔ بعد میں اس حدیث کا جواب عرض کریں گے۔

حنفی مسلک کے دلائل:

قال الله تعالٰی: قَدْ اُجِیْبَتْ دَعْوَتُکُمَا. (الآیة:۸۹:۱۰)
قبول ہو چکی دعا تمہاری۔

اخرج ابو الشیخ عن ابی هریرة رضی الله عنه قال کان موسٰی علیه السلام اذا دعا امن هارون علی دعائه یقول امین.

ابو الشیخ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب دعا کرتے تو ہارون علیہ السلام آمین کہتے۔

اخرج ابن جریر عن ابن زید رضی الله عنه قال کان هارون علیه السلام یقول آمین فقال الله قد اجیبت دعوتکما فصار التامین دعوة صار شریکه فیها. (الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ج۳ ص۳۱۵)

ابن جریر نے ابن زید سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہارون علیہ السلام (چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر) آمین کہتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قد اجیبت دعوتکما قبول ہو چکی دعا تمہاری لہٰذا آمین کہنا بھی دعا ہوا جس میں ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شریک ہوئے۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطیت آمین فی الصلاۃ وعند الدعاء لم یعط احد قبلی الا ان یکون موسی کان موسی یدعو وھارون یومن فاختموا الدعاء بآمین فان اللہ یستجیبہ لکم۔

(تفسیر القرآن العظیم للامام ابن الکثیر ج۱ ص۳۱)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے آمین عطا کی گئی ہے۔ نماز میں بھی اور دعا کے وقت بھی یہ مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملی سوائے موسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ دعا مانگتے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے لہٰذا تم لوگ دعا کو آمین کے ساتھ ختم کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دعا کو قبول فرمائیں گے۔

قال عطاء آمین دعاء (بخاری ج۱ ص۱۰۷)

حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے۔

وقال اللہ تعالیٰ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً.

تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو عاجزی ظاہر کر کے اور چپکے چپکے۔

وقال تعالیٰ: اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا. (۱۹:۳)

جب کہ انہوں نے اپنے رب کو پوشیدہ طور پر پکارا۔

روی القرطبی عن مجاھد وجعفر الصادق وھلال بن یساف ان آمین اسم من اسماء اللہ تعالیٰ. (تفسیر القرآن العظیم ج۱ ص۳۱)

امام قرطبی نے حضرت مجاہد، امام جعفر صادق اور ہلال بن یساف رحمہم اللہ سے روایت کیا

لہ آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيْفَةً وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ. (۷: ۲۰۵)

اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو پکار کر بولنے سے کم ہو۔

۱. عن ابی هريرة قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا يقول لا تبادروا الامام اذا كبر فكبروا اذا قال ولا الضالين فقولوا آمين واذا ركع فاركعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد. (مسلم ج۱ ص۱۷۷)

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تعلیم دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ امام پر سبقت نہ کرو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع، جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو۔

۲ عن ابی موسى الاشعرى (فى حديث طويل) ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبنا فبين لنا سنتنا وعلمنا صلوتنا فقال اذا صليتم فاقيموا صفوفكم ثم ليؤمكم احدكم فاذا كبر فكبروا واذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين يجبكم الله الحديث.

(مسلم ج۱ ص۱۷٤)

حضرت ابوموسیٰ اشعری ایک طویل حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اس میں آپ نے سنتیں بیان فرمائیں اور نماز (باجماعت) کا طریقہ سکھلایا آپ نے فرمایا جب تم نماز پڑھنے لگو تو پہلے صفیں قائم کرو، پھر تم میں سے ایک تمہاری

امامت کرائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائیں گے۔

۳ عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا قال القارى غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال من خلفه آمين فوافق قوله قول اهل السماء غفر له ما تقدم من ذنبه. (مسلم ج۱ ص۱۷۶)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قرأت کرنے والے (امام) نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہا۔ اور اس کے مقتدی نے آمین کہا پس مقتدی کا آمین کہنا آسمان والوں (فرشتوں) کی آمین کہنے کے موافق ہو جائے تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

٤ عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين فان الملائكة تقول آمين وان الامام يقول آمين فمن وافق تامينه تامين الملائكة غفرله ما تقدم من ذنبه.

(مسند احمد ج۲ ص۲۳۳، نسائی ج۱ ص۱۰۷، دارمی ج۱ ص۲۸۸، صحيح ابن خزيمة ج۱ ص۲۸۹)

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو کیوں کہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے پس جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

۵ عن الحسن ان سمرة بن جندب وعمران بن حصين تذاكر فحدث سمرة بن جندب انه حفظ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم سكتتين سكتة اذا كبر وسكتة اذا فرغ من غير المغضوب عليهم ولا

الضالين فحفظ سمرة وانكر عليه عمران بن حصين فكتبا في ذالك الى ابى بن كعب فكان في كتابه اليهما او في رده عليهما ان سمرة قد حفظ.

(ابو داؤد ج۱ ص۱۱٤، ترمذی ج۱ ص۵۹)

حضرت حسن سے مروی ہے کہ حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت عمران بن حصین کا آپس میں مذاکرہ ہوا۔ حضرت سمرہ نے بیان کیا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کا (نماز میں) دو مرتبہ خاموش ہونا یاد رکھا ہے۔ ایک جب کہ آپ تکبیر تحریمہ کہہ چکتے دوسرے جب آپ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ کر فارغ ہوتے۔ حضرت عمران بن حصین نے اس کا انکار کیا۔ پھر ایسا ہوا کہ ان دونوں حضرات نے یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے حضرت ابی بن کعب کو خط لکھا۔ حضرت ابی بن کعب نے اپنے جوابی خط میں لکھا کہ سمرہ نے صحیح یاد رکھا ہے۔

٦ عن وائل بن حجر قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين واخفى بها صوته الحديث. (مسند احمد ج٤ ص٣١٦)

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی جب آپ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ چکے تو آمین کہا اور آمین کہتے ہوئے آپ نے اپنی آواز آہستہ کر دی۔

٧ عن وائل بن حجر قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فسمعته حين قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين واخفى بها صوته الحديث. (دار قطنی ج۱ ص٣٣٤)

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، میں نے سنا کہ جب آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہا تو آپ نے آمین کہا اور آمین کہتے ہوئے آپ نے اپنی آواز آہستہ کر دی۔

۸ علقمة بن وائل يحدث عن وائل (وقد سمعت من وائل) انه صلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين خفض بها صوته الحديث.

(منحة المعبود في ترتيب مسند الطيالسي ابي داؤد ص۹۲

حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد حضرت وائل سے حدیث بیان کرتے ہیں (حضرت علقمہ کے شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے خود حضرت وائل کی زبانی بھی سنا ہے) کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو آپ نے آمین کہا اور آمین کہتے ہوئے آپ نے اپنی آواز پست کردی۔

۹ عن علقمة بن وائل عن ابيه انه صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم حين قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين يخفض بها صوته. (مستدرك حاكم ج۲ ص۲۳۲)

حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد حضرت وائل سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی جب آپ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہہ چکے تو آمین کہا اور آمین کہتے ہوئے آپ نے اپنی آواز پست رکھی۔

۱۰ علقمة بن وائل يحدث عن وائل وقد سمعته من وائل انه صلى مع رسول الله صلى الله عليه فلما قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين خفض بها صوته. (بيهقي ج۲ ص۵۷)

حضرت علقمہ بن وائل حضرت وائل سے حدیث نقل کرتے ہیں (حضرت علقمہ کے شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے خود حضرت وائل کی زبانی بھی سنا ہے) کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب آپ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو آپ نے آمین کہا اور آمین کہتے ہوئے اپنی آواز پست کردی۔

۱۱ عن علقمة بن وائل عن ابيه ان النبی صلی الله علیه وسلم قرأ ... المغضوب علیهم ولا الضالین فقال آمین وخفض بها صوته.

(ترمذی ج۱ ص۵۸)

...ضرت علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے (نماز میں) ... المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو آپ نے آمین کہا اور آمین کہتے ہوئے اپنی آواز ... کی۔

...ت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آہستہ آواز سے آمین کہتے تھے:

۱ عن ابراهیم قال قال عمر اربع یخفین عن الامام التعوذ ...بسم الله الرحمن الرحیم وآمین واللهم ربنا لك الحمد.

(کنز العمال ج۸ ص۲۷٤)

...ضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ ... (۱) اعوذ بالله (۲) بسم الله (۳) آمین (٤) اللهم ربنا لك الحمد.

۲ روی ابو معمر عن عمر بن الخطاب انه قال یخفی الامام اربعا ...ذ بسم الله الرحمن الرحیم وآمین وربنا لك الحمد.

(البنایه فی شرح الهدایه ج۱ ص٦۲۰)

حضرت ابو معمر (حضرت ابراہیم نخعی کے استاذ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ... ہیں کہ آپ نے فرمایا امام چار چیزوں کو آہستہ کہے۔ (۱) اعوذ بالله (۲) بسم ... (۳) آمین (٤) ربنا لك الحمد.

۳ وروینا عن عبدالرحمن بن ابی لیلٰی ان عمر بن الخطاب قال ...یخفی الامام اربعا التعوذ و بسم الله الرحمن الرحیم وآمین وربنا لك الحمد. (محلی ابن حزم ج۲ ص۲۰٦)

(ابن حزم کہتے ہیں کہ) ہم نے روایت کیا ہے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ کہے۔ (۱) اعوذ بالله (۲) بسم الله (۳) آمین (٤) ربنا لك الحمد.

٤ عن ابی وائل قال کان عمرو علی لا یجهران بسم الله الرحمن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بالتامین.

(شرح معانی الآثار للطحاوی ج۱ ص ۱۴۰)

ابو وائل کہتے کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نہ تو بسم اللہ اور اعوذ باللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اور نہ ہی آمین اونچی آواز سے کہتے تھے۔

٥ عن ابی وائل قال لم یکن عمرو علی یجهران بسم الله الرحمن الرحیم ولا بآمین. (الجوهر النقی ج۱ ص٤٨)

حضرت ابو وائل کہتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نہ تو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اور نہ ہی آمین اونچی آواز سے سنتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی آہستہ آواز سے آمین کہتے تھے:

٦ عن ابی وائل قال کان علی وابن مسعود لا یجهران بسم الله الرحمن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بآمین. (معجم طبرانی ج۹ ص۲۶۳)

حضرت ابو وائل کہتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نہ تو اعوذ باللہ، بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔ اور نہ آمین اونچی آواز سے کہتے تھے

٧ عن علقمة والاسود کلیهما عن ابن مسعود قال یخفی الامام ثلاثا التعوذ وبسم الله الرحمن الرحیم وآمین.

(محلی بن حزم ج۲ ص۲۰۶)

حضرت علقمہ اور اسود دونوں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ آپ

نے فرمایا امام تین چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے۔(۱) اعوذ باللہ (۲) بسم اللہ (۳) آمین۔

حضرت ابراہیم نخعی خود بھی آہستہ آواز سے آمین کہتے تھے اور فتویٰ بھی آمین کے آہستہ آواز سے کہنے کا دیتے تھے:

۸ عن ابراهيم قال خمس يخفين سبحانك اللهم وبحمدك والتعوذ وبسم الله الرحمن الرحيم وآمين واللهم ربنا لك الحمد.

(مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۸۷، مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص۵۳۶)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں آہستہ کہی جاتی ہیں(۱) **سبحانك اللهم وبحمدك (۲) اعوذ بالله (۳) بسم الله (٤) آمين (٥) ربنا لك الحمد.**

۹ عن ابراهيم قال اربع يخفيهن الامام بسم الله الرحمن الرحيم الاستعاذة وآمين واذا قال سمع الله لمن حمده قال ربنا لك الحمد.

(مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۸۷، مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۵۳۶)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ امام چار چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے۔(۱) **بسم الله (۲) اعوذ بالله (۳) آمين (٤) سمع الله لمن حمده** کے بعد **ربنا لك الحمد.**

۱۰ عن ابراهيم انه كان يسر آمين.

(مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۹٦)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ وہ آمین سرا کہتے تھے۔

حضرت امام شعبی اور حضرت ابراہیم تیمی بھی آہستہ آواز سے آمین کہتے تھے:

۱۱ قال الطبری وروی ذالك عن ابن مسعود وروی عن النخعی والشعبی وابراهيم التيمی كانوا يخفون بآمين. (الجوهر النقی ج۲ ص۵۸)

امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی یہی مروی ہے اور

روایت کیا گیا ہے کہ امام نخعی، امام شعبی اور ابراہیم تیمی بھی آمین آہستہ آواز سے ہی کہتے تھے۔

حضرت سفیان ثوری کا مسلک بھی آمین آہستہ آواز سے کہنے کا ہے:

۱۲ وقال سفیان الثوری وابو حنیفة یقولها الامام سرًا ذهبوا الی تقلید عمر بن الخطاب وابن مسعود رضی الله عنهما.

(محلی ابن حزم ج۳ ص۲۰۶)

حضرت سفیان ثوری اور حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ امام آمین سراً کہے اس میں انہوں نے حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی تقلید کی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ آواز سے آمین کہیں:

اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم قال اربع یخافت بهن الامام سبحانك اللهم وبحمدك والتعوذ من الشیطن الرجیم وبسم الله الرحمن الرحیم وآمین قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابی حنیفة.

(کتاب الآثار للامام ابی حنیفة بروایت الامام محمد ص۲۲)

(امام محمد فرماتے ہیں) ہمیں خبر دی حضرت امام ابوحنیفہ نے بروایت حماد حضرت امام نخعی سے انہوں نے فرمایا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے۔(۱) سبحانك اللهم وبحمدك (۲) اعوذ بالله (۳) بسم الله (٤) آمین. امام محمد فرماتے ہیں اسی کو ہم لیتے ہیں اور یہی قول ہے حضرت امام ابوحنیفہ کا۔

قال النووی وقال ابو حنیفة والثوری یسرون بالتامین وکذا قاله مالك فی الماموم الخ (المجموع شرح المهذب ج۳ ص۳۷۳)

امام نووی فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری کا قول ہے کہ مقتدی آمین سراً کہیں مقتدی کے بارے میں حضرت امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی م۶۰۶ کی تحقیق:

قال ابو حنيفة رحمه الله اخفاء التامين افضل وقال الشافعي رحمه الله اعلانه افضل واحتج ابو حنيفة علٰى صحة قوله قال في قوله آمين وجهان احدهما انه دعاء والثاني انه من اسماء الله فان كان دعاء وجب اخفاؤه لقوله تعالٰى (ادعوا ربكم تضرعا وخفية) وان كان اسما من اسماء الله تعالٰى وجب اخفاؤه لقوله تعالٰى (واذكر ربك في نفسك تضرعا وخيفة) فان لم يثبت الوجوب فلا اقل من الندبيته ونحن بهذا القول نقول.

(تفسير الكبير للامام الفخر الرازي ج١٤ ص١٣١)

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ آمین آہستہ آواز سے کہنا افضل ہے اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اونچی آواز سے کہنا افضل ہے، امام ابوحنیفہ نے اپنے قول کی صحت پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ آمین کی دو حیثیتیں ہیں: ایک تو یہ کہ آمین دعا ہے، دوسری یہ کہ آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، اگر آمین دعا ہے تو پھر اس کا اخفا واجب ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **(ادعوا ربكم تضرعا وخفية)**

تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو، تذلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے، اور اگر آمین اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے تو بھی اس کا اخفاء واجب ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **(واذكر رب في نفسك تضرعا وخيفة)**

اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اگر اخفاء کا وجوب ثابت نہ بھی ہو تو کم از کم مندوب و مستحب ہونا تو ثابت ہوتا ہی ہے اور ہم بھی یہی قول کرتے ہیں (کہ آمین آہستہ ہی کہنی چاہیے)

رہی وہ روایت جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہے۔اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبرا:

اگر یہ روایت تسلیم بھی کر لی جائے تو ہمارا ہاں اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بعض اوقات امت کو تعلیم دینے کے لیے بلند آواز سے آمین کہی ہو گی لیکن اس حدیث پر عام حالات میں عمل نہیں کیا گیا۔

ہماری اس بات کی تائید حضرت وائل بن حجر کی ایک ضعیف روایت سے ہوتی ہے۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ

حضور اکرم ﷺ نے ولا الضالین پڑھنے کے بعد بلند آواز سے آمین کہی اور اس کا مقصد محض ہمیں تعلیم دینا تھا۔(کتاب الاسماء والکنی، حافظ ابو بشر الدولابی)

نیز اس کی تائید حضرت وائل کی اس روایت سے بھی ہوئی جس میں وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے آہستہ آواز سے آمین کہی (یہ روایت احناف کے دلائل میں پہلے گزر چکی ہے) جس کا مطلب یہی ہے کہ حضور ﷺ نے مواظبت کے ساتھ آمین بالجہر پر عمل نہیں کیا۔

باقی صاحب شمع محمدی کا احناف کے اس مسئلہ کو حدیث کے خلاف کہنا تو کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

اعتراض نمبر۱۰۳:

سورہ فاتحہ پڑھنا

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوۃ شریف نظامی ص ۶۳ میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ صبح کی نماز پڑھائی، فارغ ہو کر مقتدیوں سے دریافت فرمایا کیا تم اپنے امام کے پیچھے پڑھا کرتے ہو؟ مقتدیوں

نے عرض کیا کہ ہاں حضور ﷺ پڑھا کرتے ہیں آپ نے فرمایا لا. **تفعلوا الا بفاتحة الکتاب فانه لا صلوٰة لمن لم یقرأ بها.**

یعنی سوائے الحمد شریف کے اور کچھ نہ پڑھو۔ کیوں کہ بغیر الحمد شریف کے نماز نہیں ہوتی۔ یہ حدیث بالکل صاف ہے مقتدیوں کو اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم میرے پیچھے نماز پڑھو اور میں بلند آواز سے قرأت پڑھوں، پھر بھی تم الحمد کا پڑھنا نہ چھوڑو اگر الحمد نہ پڑھو گے تو تمہاری نماز نہیں ہوگی۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن افسوس کہ حنفیہ اس حدیث کو نہیں مانتے ان کی کتاب ہدایہ ص ۱۰۰ میں لکھا ہے **ولا یقرأ المؤتم خلف الامام** یعنی مقتدی امام کے پیچھے نہ پڑھے۔ دیکھیں اب ہمارے حنفی بھائی حدیث کو مانتے ہیں؟ یا فقہ ہی پر جمے رہتے ہیں؟ نمازیں چھوڑنی اور مذہب رکھنا کسے پسند ہوگا؟ (شمع محمدی ص ۱۱۸، ظفر المبین حصہ دوم ص ۱۳۷)

جواب:

افسوس کہ صاحب شمع محمدی نے حنفیہ کے دلائل کا ذکر ہی نہیں کیا ہم پہلے حنفیہ کے دلائل قرآن وسنت صحابہ کرام، تابعین عظام ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین سے نقل کرتے ہیں پھر صاحب شمع محمدی نے جو حدیث نقل کی ہے اس کا جواب بھی عرض کریں گے۔

حنفیہ کے دلائل

قرآن سے دلیل:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اعراف:۲۰۴)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم

ہو۔

اس آیت کی تفسیر مفسرین سے ملاحظہ فرمائیں۔

١...... عن یسیر بن جابر قال صلی ابن مسعود رضی الله عنه فسمع ناسا یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما آن لکم ان تفقهوا اما آن لکم ان تعقلوا واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کما امر کم الله.

(تفسیر طبری ج٩ ص١١٠)

حضرت یسیر بن جابر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور چند آدمیوں کو امام کے ساتھ قرأت کرتے سنا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کیا وہ وقت ابھی نہیں آیا کہ تم سمجھ اور عقل سے کام لو جب قرآن کریم کی قرأۃ ہوتی ہو تو تم اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

٢...... عن ابن عباس فی قوله تعالٰی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا یعنی فی الصلٰوة المفروضة. (کتاب القرأة البیهقی ص٨٨)

حضرت ابن عباس سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد (**واذا قرئ القرآن الایة**) کے متعلق مروی ہے کہ یہ فرض نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

٣...... عن ابن عمر قال کانت بنو اسرائیل اذا قرأت ائمتهم جاوبوهم فکره الله ذالك لهذه الامة قال واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا.

(الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ج٣ ص١٥٦)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے امام جب قرأت کرتے تھے تو بنی اسرائیل ان کی مجاوبت کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ کام اس امت کے لیے ناپسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو۔

٤...... عن عبدالله بن المغفل فی هذه الآیة واذا قرئ القرآن فاستمعوا

له وانصتوا قال في الصلوٰة. (كتاب القرأة للبيهقى ص ٨٧)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ آیت کریمہ (واذا قرئ القرآن) کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

قال ابن تيمية الحراني وذكر أحمد بن حنبل الاجماع على انها نزلت فى ذالك (فى الصلوٰة) وذكر الاجماع على انه لا تجب القرأة على المأموم حال الجهر. (فتاوىٰ كبرى ج٢ ص ١٦٨)

ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے اس بات پر اجماع ذکر کیا ہے کہ یہ آیت (واذا قرئ القرآن الآية) نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے نیز اس پر بھی اجماع نقل کیا ہے کہ جب امام اونچی آواز سے قرأت کر رہا ہو تو مقتدی پر قرأت واجب نہیں ہے۔

٥...... عن ابى موسى الاشعرى قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبنا فبين لنا سنتنا وعلمنا صلوتنا فقال اقيموا صفوفكم ثم ليؤمكم احدكم فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا واذ قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين. (مسلم ج١ ص١٧٤)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی اور نماز کا طریقہ بتلایا اور یہ فرمایا کہ نماز پڑھنے سے قبل اپنی صفوں کو درست کرلو، پھر تم میں سے ایک تمہارا امام بنے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

٦...... عن ابى موسىٰ قال علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا قمت الى الصلوٰة فليؤمكم احدكم واذا قرأ الامام فانصتوا.

(مسند احمد ج٤ ص٤١٥)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز سکھائی.
فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے کھڑے ہو تو تم میں سے ایک تمہارا امام بنے اور جب وہ امام
قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

۷...... عن حطان بن عبدالله ان ابا موسیٰ قال خطبنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فعلمنا سنتنا وبین لنا صلوٰتنا فقال اذا کبر الامام فکبروا واذا قرأ فانصتوا. (صحیح ابی عوانة ج۲ ص۱۳۳)

حضرت حطان بن عبداللہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ
آنحضرت ﷺ نے ہم سے خطاب کیا اور سنت کی تعلیم دی اور نماز کا طریقہ بتلایا اور فرمایا کہ
جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

۸...... عن ابی موسیٰ الاشعری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قرأ الامام فانصتوا واذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقولوا آمین. (صحیح ابی عوانة ج۲ ص۱۳۳)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام قرأت
کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین کہے تو تم آمین
کہو۔

۹...... عن ابی موسیٰ الاشعری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قرأ الامام فانصتوا فاذا کان عند القعدة فلیکن اول ذکر احدکم التشهد. (ابن ماجة ص۶۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام
قرأت کرے تو تم خاموش رہو پھر جب قعدہ میں بیٹھے تو تم میں سے ہر ایک کا پہلا ذکر تشہد
ہونا چاہیے۔

۱۰...... عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد. (نسائی ج۱ ص۱۰۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللہم ربنا لک الحمد کہو۔

۱۱...... عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انما الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا. (نسائی ج۲ ص۱۰۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

۱۲...... عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا قرأ فانصتوا واذا قال غیر المغضوب علیه ولا الضالین فقولوا آمین الحدیث. (ابن ماجة ص۶۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

۱۳...... عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انما الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال ولا الضالین فقولوا آمین، الحدیث. (مسند احمد ج۲ ص۳۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ امام اسی لیے (مقرر) ہوتا ہے کہ اس کی اقتد

کی جائے سو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

۱۴...... عن انس ان النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا قرأ الامام فانصتوا. (کتاب القرأ للبیهقی ص۱۱۳)

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

۱۵...... عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم یوما صلٰوة الظهر فقرأ معه رجل من الناس فی نفسه فلما قضٰی صلاته قال هل قرأ معی منکم احد قال ذالك ثلٰثا فقال له الرجل نعم یا رسول الله انا کنت اقرأ بسبح اسم رب الاعلٰی قال مالی انازع القرآن امام یکفی احدکم قرءاة امامه انما جعل الامام لیؤتم به فاذا قرأ فانصتوا.

(کتاب القرأة للبیهقی ص۱۱۴)

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ظہر کی نماز پڑھائی تو ایک صاحب اپنے جی ہی جی میں آپ کے ساتھ قرأت کرنے لگے نماز پوری ہوئی تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت کی ہے۔ تین دفعہ آپ نے یہ سوال کیا، ایک صاحب بولے جی ہاں یا رسول اللہ میں سبح اسم ربک الاعلٰی پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا ہو گیا کہ مجھے قرآن کی قرأت میں کشمکش میں ڈالا جاتا ہے کیا تمہیں امام کی قرأۃ کافی نہیں ہے۔ امام تو بنایا ہی اس لیے جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے لہٰذا جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہا کرو۔

۱۶...... عن عطاء الخراسانی قال کتب عثمان رضی الله عنه الی معاویة رحمه الله اذا قمتم الی الصلٰوة فاستمعوا وانصتوا فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول للمنصت الذی لا یسمع مثل اجر السامع

المنصت. (كتاب القرأة للبيهقي ص١١٥)

حضرت عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور خاموش رہو کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص خاموش رہے اور اسے سنائی نہ دے اس کے لیے ایسا ہی اجر ہے جیسا اس شخص کے لیے جسے سنائی دے اور وہ خاموش رہے۔

۱۷...... عن علی رضی الله عنه قال سأل رجل النبی صلی الله علیه وسلم اقرأ خلف الامام ام انصت قال لا بل انصت فانه یکفیك.

(كتاب القرأة للبيهقي ص١٦٣)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام سے پوچھا کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں یا خاموش رہوں آپ نے فرمایا خاموش رہو کیوں کہ تمہیں امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

۱۸...... عن ابی هريرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم انصرف من صلاة جهر فيها بالقرأة فقال هل قرأ معی منکم احد آنفا فقال رجل نعم انا یا رسول الله قال فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم انی اقول مالی انازع القرآن فانتهی الناس عن القرأة مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فیما جهر فیه رسول الله صلی الله علیه وسلم حین سمعوا ذالك من رسول الله صلی الله علیه وسلم. (مؤطا امام مالك ص٦٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ ایک صاحب بولے جی ہاں یا رسول اللہ میں نے قرأت کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبھی تو میں (اپنے جی میں) کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کریم کی

قرأت کی منازعت کیوں ہو رہی ہے اس ارشاد کے بعد جن نمازوں میں آپ جہر سے قرأت کیا کرتے تھے لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت ترک کردی۔

۱۹...... ثنا سفیان بن عیینة عن الزهری عن ابن اکیمة قال سمعت اباهریرة یقول صلّی النبی صلی الله علیه وسلم باصحابه صلاة نظن انها الصبح فقال هل قرأ منکم من احد قال رجل انا قال انی اقول مالی انازع القرآن. (ابن ماجة ص۶۱)

ابن اکیمہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ صبح کی نماز تھی۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے قرأت کی ہے۔ ایک صاحب بولے میں نے کی ہے۔ آپ نے فرمایا میں بھی کہوں کہ میرے ساتھ قرآن کریم کی قرأت میں منازعت کیوں کی جا رہی ہے۔

۲۰...... ثنا معمر عن الزهری عن ابن اکیمة عن ابی هریرة قال صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکر نحوه وزاد فیه قال فسکتوا بعد فیها جهر فیه الامام. (ابن ماجة ص۶۱)

معمر بروایت زہری ابن اکیمہ سے روایت کرتے ہیں اور اکیمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آگے پہلی حدیث کی طرح ذکر کیا اور اس میں یہ زیادہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ لوگوں نے اس کے بعد ان نمازوں میں خاموشی اختیار کرلی جن نمازوں میں امام جہر سے قرأت کرتا۔

۲۱...... عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم انصرف من صلاته جهر فیها بالقراة فقال هل قرأ معی احد منکم آنفا فقال رجل نعم یا

رسول اللہ عن القرأۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما یجھر فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الصلوٰۃ بالقرأۃ حین سمعوا ذالک من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. (ترمذی ج۱ ص۷۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ ایک صاحب بولے جی ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا جبھی تو میں (اپنے دل میں) کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کریم کی قرأت میں منازعت کیوں کی جا رہی ہے۔ اس ارشاد کے بعد جن نمازوں میں آپ جہر سے قرأت کیا کرتے تھے۔ لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت ترک کر دی تھی۔

۲۲...... عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصرف من صلاۃ جھر فیھا بالقرأۃ فقال ھل قرأ معی احد منکم آنفا فقال رجل نعم یا رسول اللہ قال انی اقول مالی انازع القرآن قال فانتھی الناس عن القرأۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما جھر فیہ من الصلوٰۃ حین سمعوا ذالک من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. (ابوداؤد ج۱ ص۱۲۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ ایک صاحب بولے جی ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا جبھی تو میں کہوں کہ قرآن کریم کی قرأت میں مجھ سے منازعت کیوں کی جا رہی ہے۔ اس ارشاد کے بعد جن نمازوں میں آپ جہر سے قرأت کیا کرتے تھے۔ لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت ترک کر دی تھی۔

۲۳...... عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصرف من صلاۃ جھر فیھا بالقرأۃ فقال ھل قرأ معی احد منکم آنفا قال رجل نعم یا رسول اللہ قال انی اقول مالی انازع القرآن قال فانتھی الناس عن القرأۃ فیما

جهر فيه رسول الله صلی الله علیه بالقراۃ من الصلوٰۃ حين سمعوا ذالك.

(نسائی ج۱ ص۱۰۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ ایک صاحب بولے جی ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا جبھی تو میں کہوں کہ قرآن کریم کی قرأت میں مجھ سے منازعت کیوں کی جا رہی ہے۔ اس ارشاد کے بعد جن نمازوں میں آپ جہر سے قرأت کیا کرتے تھے۔ لوگوں نے آپ کے پیچھے قرأت ترک کر دی تھی۔

۲۴...... عن عمران بن حصين ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر فجعل رجل يقرأ خلفه بسبح اسم ربك الاعلى فلما انصرف قال ايكم قرأ او ايكم القارى قال رجل انا فقال قد ظننت ان بعضكم خالجنيها. (مسلم ج۱ ص۱۷۲)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی تو ایک صاحب آپ کے پیچھے سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھنے لگے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا تم میں سے کس نے قرأت کی ہے یا تم میں سے کون قاری ہے۔ ایک صاحب بولے میں۔ آپ نے فرمایا مجھے خیال ہوا کہ تم میں سے کوئی مجھے خلجان میں ڈال رہا ہے۔

۲۵...... عن عمران بن حصين قال صلى النبى صلى الله عليه وسلم صلى الظهر فقرأ رجل خلفه بسبح اسم ربك الاعلى فلما صلى قال من قرأ بسبح اسم ربك الاعلٰى قال رجل انا فقال قد علمت ان بعضكم خالجنيها. (نسائی ج۱ ص۱۰۶)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ظہر کی نماز پڑھی ایک

صاحب نے آپ کے پیچھے سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا سبح اسم ربك الاعلیٰ کس نے پڑھی ہے ایک صاحب بولے میں نے آپ نے فرمایا میں نے جانا تم میں سے کوئی مجھے قرأت میں الجھا رہا ہے۔

۲۶...... عن عمران بن حصین ان النبی صلی الله علیه وسلم صلی صلاة الظهر او العصر ورجل یقرأ خلفه فلما انصرف قال ایکم قرأ بسبح اسم ربك الاعلیٰ قال رجل من القوم انا ولم ارد بها الا الخیر فقال النبی صلی الله علیه وسلم قد عرفت ان بعضکم قد خالجنیها.

(نسائی ج۱ ص۱۰۶)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی۔ ایک صاحب آپ کے پیچھے قرأت کرنے لگے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا تم میں سے کس نے سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی ہے۔ ایک صاحب بولے میں نے اور میری نیت ثواب کے سوا کچھ نہ تھی۔ آپ نے فرمایا میں نے جانا کہ تم میں سے کوئی مجھے قرآن کی قرأت میں الجھا رہا ہے۔

۲۷...... عن عبدالله بن بحینه وکان من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال هل قرأ احد منکم معی آنفا قالوا نعم قال انی اقول مالی انازع القرآن فانتهی الناس عن القرأة معه حین قال ذالك. (مسند امام احمد ج۵ ص۳۴۵)

حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تب ہی تو میں (دل میں) کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کریم کی قرأت میں منازعت اور کشمکش کیوں کی جا رہی ہے۔ آپ نے جب یہ فرمایا تو لوگوں نے آپ کے

ساتھ قرأت ترک کردی۔

۲۸...... عن عبداللہ (بن مسعود) قال کانوا یقرؤن خلف النبی علیہ السلام فقال خلطتم علی القرآن.

(الجوهر النقی ج۲ ص۱٦٦، طحاوی ج۱ ص۱۴۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ نبی علیہ السلام کے پیچھے قرأت کر رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم نے مجھ پر قرآن مجید کی قرأت خلط ملط کردی ہے۔

۲۹...... عن جابر بن عبداللہ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصحابہ الظہر والعصر فلما انصرف قال من قرأ خلفی بسبح اسم ربك الاعلٰی فلم یتکلم احد فردد ذالك ثلاثا فقال رجل انا یا رسول اللہ قال لقد رأیتك تخالجنی او قال تنازعنی القرآن من صلی منکم خلف امام فقرأته له قرأة. (کتاب القرأة للبیهقی ص۱۲۵)

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی۔ آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میرے پیچھے سبح اسم ربک الاعلیٰ کس نے پڑھی ہے؟ کوئی نہ بولا آپ نے تین دفعہ یہ سوال کیا، ایک صاحب بولے میں نے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ تو مجھے قرأت قرآن کے متعلق خلجان میں ڈال رہا ہے یا فرمایا کہ کش مکش میں ڈال رہا ہے۔ تم میں سے جو بھی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے۔

۳۰...... عن جابر بن عبداللہ ان رجلا قرأ خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الظہر او العصر فاومٰی الیه رجل فنهاه فلما انصرف قال اتنهانی ان اقرأ خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتذاکرا ذالك حتی سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی خلف

الامام فان قرأته له قرأة. (كتاب القرأة للبيهقى ص ١٢٦)

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ ظہر یا عصر کی نماز میں ایک شخص نے نبی علیہ السلام کے پیچھے قرأت کی، اثناء نماز میں ایک آدمی نے اشارہ سے اس کو قرأت سے منع کیا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو قرأت کرنے والے نے منع کرنے والے سے کہا کہ تم مجھے نبی علیہ السلام کے پیچھے قرأت کرنے سے کیوں روکتے ہو؟ وہ دونوں یہ باتیں کر رہے تھے کہ نبی علیہ السلام نے ان کی گفتگو سن لی اور ارشاد فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو اس کے لیے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

٣١...... عن جابر بن عبدالله عن النبى صلى الله عليه وسلم قال من صلى خلف الامام فان قرأة الامام له قرأة. (مؤطا امام محمد ص٩٥)

حضرت جابر بن عبداللہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قرأۃ ہی اس کی قرأت ہے۔

٣٢...... عن جابر عن النبى صلى الله عليه وسلم قال من كان له امام فقرأته له قرأة. (مصنف ابن ابى شيبة ج١ ص٢٧٧)

حضرت جابر نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے امام کی اقتدا کی تو امام کی قرأۃ ہی مقتدی کی قرأت ہے۔

٣٣...... عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان له الامام فقرأته الامام له قرأة.

(مسند احمد بن منيع بحواله فتح القدير ج١ ص٢٩٥)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امام کی اقتدا کی تو امام کی قرأۃ ہی مقتدی کی قرأت ہے۔

٣٤...... عن جابر بن عبدالله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

قال من كان له امام فقرأته الامام له قرأة. (كتاب القرأة للبيهقي ص۱۲۸)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امام کی اقتدا کی تو امام کی قرأۃ ہی مقتدی کی قرأت ہے۔

۳۵...... عن عبدالله بن شداد بن الهاد قال ام رسول الله صلى الله عليه وسلم في العصر قال فقرأ رجل خلفه فغمزه الذي يليه فلما ان صلى قال لم غمزتني قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد امك فكرهت ان تقرأ خلفه فسمعه النبي صلى الله عليه وسلم فقال من كان له امام فان قرأته له قرأة. (مؤطا امام محمد ص۹۸)

حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز میں امامت کرائی اور ایک شخص نے آپ کے پیچھے قرأت کی، جو نمازی اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے اس کا ذرا بدن دبایا تا کہ یہ قرأت سے باز آ جائے جب نماز ہو چکی تو اس نے کہا کہ تم نے مجھے کیوں دبایا تھا؟ منع کرنے والے نے کہا کہ چونکہ حضور علیہ السلام آگے قرأت کر رہے تھے۔ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ تم بھی قرأت کرو۔ نبی علیہ السلام نے دونوں باتیں سن کر ارشاد فرمایا جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے۔

۳۶...... عن ابي الدرداء قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم افي كل صلاة قرأة قال نعم فقال رجل من الأنصار وجبت هذه فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم وكنت اقرب القوم اليه ما ارى الامام اذا ام القوم الا كفاهم. (دار قطني ج۱ ص۳۳۲)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، ایک انصاری بولے پھر تو قرأت ضروری ہوگئی، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام اہل مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب میں تھا۔

آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا میں تو یہی جانتا ہوں کہ امام کی قرأت مقتدیوں کو کافی ہے۔

۳۷...... عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان له امام فقرأة الامام له قرأة. (كتاب القرأة ص١٧٠)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امام کی اقتدا لی تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے۔

۳۸...... عن ابن عمر عن النبی صلى الله عليه وسلم قال من كان له امام فان قرأة الامام له قرأة. (كتاب القرأة للبيهقى ص١٥٦)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس کے لیے امام ہو تو امام کی قرأۃ ہی اس کی قرأۃ ہے۔

۳۹...... عن ابن عباس عن النبی صلى الله عليه وسلم قال تكفيك قرأة الامام خافت او جهر. (دار قطنی ج١ ص٣٣١)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تجھے امام کی قرأۃ کافی ہے چاہے وہ آہستہ آواز سے قرأت کرے یا اونچی آواز سے۔

۴۰...... عن انس بن مالك ان النبی صلى الله عليه وسلم قال من كان له امام فقرأة الامام له قرأة. (كتاب القرأة للبيهقى ص١٥٣)

۴۱...... عن انس قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم باصحابه ثم اقبل بوجهه فقال اتقرء ون والامام يقرأ فسكتوا فسألهم ثلثا فقالوا انا لنفعل قال فلا تفعلوا. (طحاوى ج١ ص١٥٠ و كتاب القرأة للبيهقى ص١٥١)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کو نماز پڑھائی (نماز سے فارغ ہو کر) آپ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم قرأت

کرتے ہو جب کہ امام قرأت کر رہا ہوتا ہے۔ صحابہ کرام چپ رہے، آپ نے تین بار یہی سوال کیا تو صحابہ کرام بولے کہ ہم ایسا کرتے ہیں آپ نے فرمایا ایسے مت کرو۔

٤٢...... عن النواس بن سمعان قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الظهر و كان عن يميني رجل من الانصار فقرأ خلف النبي صلى الله عليه وسلم وعلى يساري رجل من مزينة يلعب بالحصا فلما قضى صلوته قال من قرأ خلفي قال الانصاري انا يا رسول الله قال فلا تفعل من كان له امام فان قرأة الامام له قرأة وقال للذي يلعب بالحصا هذا حظك من صلوتك. (كتاب القرأة للبيهقي ص١٧٦)

نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ میری دائیں طرف ایک انصاری صحابی تھے۔ انہوں نے نبی علیہ السلام کے پیچھے قرأت کی اور میری بائیں جانب قبیلہ مزینہ کے ایک صاحب تھے جو کنکریوں سے کھیل رہے تھے۔ جب حضور علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ میرے پیچھے کس نے قرأت کی ہے۔ انصاری بولے میں نے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ایسا مت کرو کیوں کہ جو امام کی اقتدا کرے تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہوتی ہے، جو صاحب کنکریوں سے کھیل رہے تھے ان سے فرمایا تمہیں نماز سے یہی حصہ ملا ہے۔

٤٣...... عن يحيىٰ بن عبدالله بن سالم العمري ويزيد بن ابي عياض ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان منكم له امام فائتم به فلا يقرأن معه فان قرأته له قرأة. (كتاب القرأة للبيهقي ص١٨٣)

یحییٰ بن عبداللہ اور یزید بن ابی عیاض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس کے لیے امام ہو اور وہ اس امام کی اقتدا کرے تو مقتدی اس کے ساتھ ہرگز قرأت نہ کرے کیوں کہ امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے۔

٤٤...... عن جابر بن عبدالله عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال من صلی رکعة فلم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام.

(طحاوی ج۱ ص ۱٤۹، مصنف عبدالرزاق ج۱ ص۱۲۰)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے نماز کی کوئی رکعت پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوئی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

٤٥...... عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کل صلوٰة لا یقرأ فیها بام الکتاب فهی خداج الا وراء الامام.

(کتاب القرأة للبیهقی ص۱۳٦، دار قطنی ج۱ ص۳۲۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے سوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے پڑھی گئی ہو۔

٤٦...... عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کل صلاة لا یقرأ فیها بفاتحة الکتاب فلا صلاة له الا وراء الامام.

(کتاب القرأة للبیهقی ص۱۷۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نہیں ہوتی سوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے پڑھی گئی ہو۔

٤۷...... عن بلال قال امرنی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان لا اقرأ خلف الامام. (کتاب القرأة للبیهقی ص۱۷۵)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں امام کے پیچھے قرأت نہ کروں۔

٤۸...... عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من کان

صلاة يجهر فيها الامام بالقرأة فليس لاحد ان يقرأ معه.

(كتاب القرأة للبيهقي ص۱۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نماز میں امام جہر سے قرأت کرتا ہو اس میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ امام کے ساتھ قرأت کرے۔

۴۹...... عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم كل صلاة لا يقرأ فيها بام الكتاب فهی خداج الا صلاة خلف الامام.

(كتاب القرأة للبيهقي ص۱۷۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوتی ہے سوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے پڑھی جائے۔

۵۰...... عن الشعبی قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم لا قرأة خلف الامام. (دار قطنی ج۱ ص۳۲۰)

امام شعبی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت جائز نہیں۔

۵۱...... عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ لَمَّا مَرِضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَضَهُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ، كَانَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ، فَقَالَ ادْعُوا لِي عَلِيًّا قَالَتْ عَائِشَةُ نَدْعُو لَكَ أَبَا بَكْرٍ؟ قَالَ ادْعُوهُ قَالَتْ حَفْصَةُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ نَدْعُو لَكَ عُمَرَ؟ قَالَ ادْعُوهُ قَالَتْ أُمُّ الْفَضْلِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ نَدْعُو لَكَ الْعَبَّاسَ؟ قَالَ نَعَمْ، فَلَمَّا اجْتَمَعُوا رَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ، فَنَظَرَ فَسَكَتَ، فَقَالَ عُمَرُ قُومُوا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ جَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقِيقٌ حَصِرٌ وَمَتَى لَا يَرَاكَ يَبْكِي، وَالنَّاسُ يَبْكُونَ، فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ، فَخَرَجَ أَبُو بَكْرٍ فَصَلَّى بِالنَّاسِ، فَوَجَدَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفْسِهِ خِفَّةً، فَخَرَجَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ، وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِي الْاَرْضِ، فَلَمَّا رَآهُ النَّاسُ سَبَّحُوا بِأَبِي بَكْرٍ فَذَهَبَ لِيَسْتَأْخِرَ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ مَكَانَكَ، فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ عَنْ يَمِينِهِ، وَقَامَ أَبُو بَكْرٍ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَأْتَمُّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالنَّاسُ يَأْتَمُّونَ بِأَبِي بَكْرٍ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْقِرَاءَةِ مِنْ حَيْثُ كَانَ بَلَغَ أَبُو بَكْرٍ. الحديث

(ابن ماجة ص۸۸، طحاوی ج۱ ص۲۷۶، مسند احمد ج۱ ص۲۳۲، دار قطنیٰ ج۱ ص۲۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم آپ کے لئے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلائیں۔ حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ہم آپ کے لئے عمر رضی اللہ عنہ کو بلائیں۔ ام الفضل رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ہم آپ کے لئے عباس رضی اللہ عنہ کو بلائیں؟ فرمایا ٹھیک ہے۔ جب سب جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر مبارک اٹھا کر دیکھا اور خاموش ہو گئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے اٹھ جائیں۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر اطلاع دی کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ابوبکر رضی اللہ عنہ مرد رقیق القلب اور کم گو ہیں اور جب آپ کو نہ دیکھیں گے تو رونے لگیں گے اور لوگ بھی رونے لگیں گے۔ لہٰذا اگر آپ عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں (تو بہتر ہوگا) سو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور لوگوں کو نماز پڑھانے لگے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طبیعت ہلکی محسوس ہوئی تو آپ دو مردوں کے سہارے باہر تشریف لائے اور آپ کے پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ جب لوگوں نے آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو متوجہ کرنے کے لئے سُبْحَانَ اللّٰہِ کہا وہ پیچھے ہٹنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اشارہ سے فرمایا کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ کر ان کی دائیں طرف بیٹھ گئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے رہے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کر رہے تھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں سے قرآت شروع فرمائی جہاں ابو بکر پہنچے تھے۔

۵۲...... عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا قال القاری غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقال من خلفه آمین فوافق قوله قول اهل السماء غفرله من تقدم من ذنبه. (مسلم ج۱ ص۱۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قاری غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہتا ہے اور اس کے پیچھے اس کا مقتدی آمین کہتا ہے اور مقتدی کا قول اہل آسمان کے قول کے موافق ہو جاتا ہے تو اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

۵۳...... عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا امن القاری فامنوا فان الملائکة تؤمن فمن وافق تامینه تامین الملائکة غفرله من تقدم من ذنبه. (بخاری ج۲ ص۹۴۷، نسائی ج۱ ص۱۰۷، ابن ماجة ص۶۱))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب قاری آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیوں کہ ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں پس جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو جاتی ہے اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

۵۴...... عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قال الامام غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقولوا آمین وان الامام یقول

امین فمن وافق تامینه تامین الملائکة غفر له من تقدم من ذنبه.

(نسائی ج۱ ص۱۰۷، دارمی ج۱ ص۲۲۸، مسند احمد ج۲ ص۲۳۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو کیوں کہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے سو جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو جاتی ہے تو اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

۵۵...... عن الحسن عن ابی بکرة انه انتهی الی النبی صلی الله علیه وسلم وهو راکع فرکع قبل ان یصلی الی الصف فقال زادك الله حرصا ولا تعد. (بخاری ج۱ ص۱۰۸)

حضرت حسن بصری، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جب نبی علیہ السلام کے پاس (مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ میں) پہنچے تو آپ رکوع میں جا چکے تھے چنانچہ یہ صف میں ملنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے (اور آہستہ آہستہ چلتے چلتے صف میں مل گئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے نیکی کرنے پر اور حریص کرے پھر ایسا نہ کرنا۔

۵٦...... عن انس قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم وابو بکر وعمر و عثمان یفتتحون القرأة بالحمد لله رب العالمین.

(ترمذی ج۱ ص۵۷، ابوداؤد ج۱ ص۱۱٤، نسائی ج۱ ص۱۰٤)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم قرأۃ الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔

۵۷...... عن عائشة قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یفتتح الصلوٰة بالتکبیر والقرأة بالحمد لله رب العالمین. الحدیث

(ابوداؤد ج۱ ص۱۱٤

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز اللہ اکبر کہہ کر شروع فرماتے تھے اور قرأت الحمد للہ رب العالمین سے۔

۵۸ ... عن عبادة بن الصامت یبلغ به النبی صلی الله علیه وسلم قال لا صلاة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب فصاعدا قال سفیان لمن یصلی وحده.

(ابوداؤد ج۱ ص۱۱۹)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کی نماز جائز نہیں جو سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید کچھ اور نہ پڑھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ حکم اس شخص کے لیے جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو۔

قال الامام الترمذی واما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی الله علیه وسلم لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب اذا کان وحده.

(ترمذی ج۱ ص۷۱)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے فرمان کہ اس کی نماز جائز نہیں جو سورہ فاتحہ کے ساتھ قرأت نہ کرے کے متعلق حضرت امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب کہ کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا ہو۔

خلفائے راشدین امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے:

عبدالرزاق عن عبدالرحمن بن زید بن اسلم عن ابیه قال نهیٰ رسول الله صلی الله علیهٖ وسلم عن القرأة خلف الامام قال واخبرنی اشیاخنا ان علیا قال من قرأ خلف الامام فلا صلاة له قال واخبرنی موسی بن عقبة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم وابو بکر وعمر وعثمان کانوا ینهون عن القرأة خلف الامام. (مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۱۳۹)

امام عبدالرزاق عبدالرحمٰن بن زید سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید فرماتے ہیں مجھے بہت سے مشائخ نے خبر دی ہے کہ حضرت علی کا ارشاد ہے کہ جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز نہیں ہوئی اور موسیٰ بن عقبہ نے مجھے خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرماتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیان:

۱. عن نافع وانس بن سيرين قال قال عمر بن الخطاب تكفيك قرأة الامام. (مصنف ابن ابی شيبة ج۱ ص۳۷۶)

امام نافع اور انس بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا تمہیں امام کی قرأت کافی ہے۔

۲. عن القاسم بن محمد قال قال عمر بن الخطاب رضی الله عنه لا يقرأ خلف الامام جهرا ولم يجهر. (كتاب القرأة للبيهقی ص۱۸٤)

حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے امام جہر کرے یا نہ کرے۔

۳. اخبرنا محمد بن عجلان ان عمر بن الخطاب قال ليت فی فم الذی يقرأ خلف الامام حجرا. (مؤطا امام محمد ص۹۸)

محمد بن عجلان سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ کاش کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں پتھر ڈال دیئے جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان:

۱. عن عبدالرحمن بن ابی ليلیٰ قال قال علی بن ابی طالب رضی الله

عنه من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة.

(دار قطنی ج۱ ص۳۳۲، مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۲۷۶)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے فطرت کو کھو دیا۔

۲. عن داود بن قیس عن محمد بن عجلان قال قال علی من قرأ مع الامام فلیس علی الفطرة.

(مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۱۳۸، طحاوی ج۱ ص۱۵۰)

محمد عجلان فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا جس نے امام کے ساتھ قرأت کی وہ فطرۃ (اسلام کے طریقہ) پر نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول وعمل:

۱. عن أبی وائل قال جاء رجل الیٰ عبدالله (بن مسعود) فقال یا ابا عبد الرحمن اقرأ خلف الامام؟ قال انصت للقرآن فان فی الصلوٰة شغلا وسیکفیك ذلك الامام.

(مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۱۳۸، مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۲۷۶، کتاب القرأة للبیهقی ص۱٤٦، مؤطا امام محمد ص۹٦)

حضرت ابووائل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ کیا میں امام کے پیچھے قرأت کرسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا (قرأۃ) کے وقت خاموش رہو کیوں کہ نماز میں امام قرأۃ میں مشغول ہے اور تمہیں امام کی قرأۃ کافی ہے۔

۲. عن علقمة بن قیس ان عبدالله بن مسعود کان لا یقرأ خلف الامام فیما یجهر فیه وفیما یخافت فیه فی الاولیین ولا فی الاخریین، الحدیث.

(موطا امام محمد ص۹٦،

حضرت علقمہ بن قیس سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے (قر)ات نہیں کیا کرتے تھے نہ جہری نمازوں میں نہ سری نمازوں میں نہ پہلی رکعتوں میں نہ (دوس)ری رکعتوں میں۔

٣. عن علقمة عن عبدالله قال لان اعض على جمرا لغضا احب الى من ان اقرأ خلف الامام.

(كتاب القرأة للبيهقى ص١٤٥، موطا امام محمد ص٩٨)

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے جنڈ درخت کے جلتے کوئلوں کو منہ میں لے لینا اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں۔

٤. عن علقمة عن ابن مسعود قال ليت الذى يقرأ خلف الامام ملئى فوه ترابا. (طحاوى ج١ ص١٥٠، مصنف عبدالرزاق ج٢ ص١٣٨)

حضرت علقمہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کاش کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔

٥. عن عبدالله بن مسعود انه قال يا فلان لا تقرأ خلف الامام الا ان يكون اماما لا يقرأ. (مجمع الزوائد ج٢ ص١١٠)

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا او فلاں امام کے پیچھے قرأت نہ کیا کر الا یہ کہ کوئی ایسا امام ہو جو قرأت نہ کرتا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول و عمل:

١. مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر كان اذا سئل هل يقرأ احد خلف الامام قال اذا صلى احدكم خلف الامام فحسبه قرأة الامام و اذا صلى وحده فليقرأ قال و كان عبدالله بن عمر لا يقرأ خلف الامام.

(موطا امام مالك ص٦٨)

امام مالک بواسطہ نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ سے سوال کیا جاتا کہ کیا کوئی امام کے پیچھے قرأت کرسکتا ہے تو آپ فرماتے کہ تم میں سے کوئی جب امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے امام کی قرأت ہی کافی ہے اور جب اکیلا نماز پڑھے تو قرأت کرلیا کرے۔ نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے۔

٢. عن نافع عن ابن عمر قال قال من صلى خلف الامام كفته قرأته.

(موطا امام محمد ص٩٤)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے لیے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

٣. عن ابن عمر انه سئل عن القرأة خلف الامام قال تكفيك قرأة الامام. (موطا امام محمد ص٩٤)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا تمہیں امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

٤. عن انس بن سيرين قال سألت ابن عمر اقرأ مع الامام فقال انك لفخم البطن تكفيك قرأة الامام.

(مصنف عبدالرزاق ج٢ ص١٤٠، كتاب القرأة للبيهقى ص١٥٧)

حضرت علامہ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے سوال کیا کہ کیا میں امام کے ساتھ قرأت کرسکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم تو بڑے موٹے پیٹ کے ہو تمہیں امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

٥. عن ابن عمر كان ينهى عن القرأة خلف الامام.

(مصنف عبدالرزاق ج٢ ص١٤٠)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

٦. عن القاسم بن محمد قال كان ابن عمر لا يقرأ خلف الامام جهرا ولم يجهر، الحديث. (كتاب القرأة للبيهقي ص١٨٤)

قاسم بن محمد فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے خواہ امام اونچی آواز سے قرأت کرے یا نہ کرے۔

٧. عن عبيد الله بن مقسم انه سأل عبدالله بن عمر وزيد بن ثابت وجابر بن عبدالله فقالوا لا تقرؤا خلف الامام في شيء من الصلوٰت.

(طحاوی ج١ ص١٥٠)

عبیداللہ بن مقسم سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت اور جابر بن عبداللہ سے امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں سوال کیا تو ان حضرات نے فرمایا کسی بھی نماز میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرو۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول وعمل:

١. عن عطاء بن يسار انه قال اخبره انه سأل زيد بن ثابت عن القرأة مع الامام فقال لا قرأة مع الامام في شيء.

(مسلم ج١ ص٢١٥، نسائی ج١ ص١١١)

حضرت عطاء بن یسار سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت سے امام کے ساتھ قرأت کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا امام کے ساتھ کسی نماز میں کوئی قرأت نہیں کی جاسکتی۔

٢. عن زيد بن ثابت قال لا يقرأ خلف الامام ان جهر ولا ان خافت.

(مصنف ابن ابی شیبة ج١ ص٣٧٦)

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے نہ جب کہ امام

جہر سے قرأت کرے اور نہ جب کہ وہ آہستہ آواز سے قرأت کرے۔

۳. عن ابن ذکوان عن زید بن ثابت و ابن عمر کانا لایقرأن خلف الامام. (مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۱۴۰)

ابن ذکوان سے مروی ہے کہ حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمر دونوں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

٤. عن موسی بن سعد بن زید بن ثابت یحدثه عن جده انه قال من قرا خلف الامام فلا صلاة له.

(موطا امام محمد ۱۰۰، مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۳۷۶، مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۱۳۷)

حضرت زید بن ثابت کے پوتے موسیٰ بن سعد سے مروی ہے کہ ان کے دادا حضرت زید بن ثابت نے فرمایا کہ جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز نہیں ہوئی۔

۵. عن موسی بن سعد عن ابن زید بن ثابت عن ابیه زید بن ثابت قال من قرأ وراء الامام فلا صلاة له. (کتاب القرأة للبیهقی ص۱۸۵)

حضرت موسیٰ بن سعد اپنے والد سے اور وہ اپنے والد حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز نہیں ہوئی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا فرمان:

۱. اخبرنا داود بن قیس الفراء المدنی اخبرنی بعض ولد سعد بن ابی وقاص انه ذکر له ان سعدا قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیه جمرة. (موطا امام محمد ص۹۸)

امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی داود بن قیس فرا مدنی نے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے کسی بیٹے نے ان سے ذکر کیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے فرمایا میرا جی چاہتا

ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں انگارہ ہو۔

۲. عن ابی بخاد عن سعد قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیه جمرة. (مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۲۷۶)

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں انگارہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان:

۱. عن ابی حمزة قال قلت لابن عباس اقرأ والامام بین یدی فقال لا. (طحاوی ج۱ ص۱۵۱)

ابوحمزہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھا کہ کیا میں اس صورت میں قرأت کرسکتا ہوں کہ امام میرے آگے ہو۔ آپ نے فرمایا نہیں۔

حضرت علقمہ بن قیس م ۶۸ ھ کا قول وعمل:

عن ابراهیم قال ما قرأ علقمة بن قیس قط فیما یجهر فیه ولا فیما لا یجهر فیه ولا فی الرکعتین الاخریین ام القرآن ولا غیرهما خلف الامام. (کتاب الآثار بروایت امام محمد ص۲۲)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ علقمہ بن قیس نے امام کے پیچھے کبھی کسی نماز میں قرأت نہیں کی، نہ جہری نمازوں میں نہ سری میں (نہ پہلی رکعتوں میں) اور نہ پچھلی رکعتوں میں نہ سورہ فاتحہ اور نہ کوئی اور سورۃ۔

عن ابراهیم النخعی عن علقمة بن قیس قال لان اعض علی جمرة احب الی من ان اقرأ خلف الامام. (موطا امام محمد ص۹۸)

حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ حضرت علقمہ بن قیس نے فرمایا کہ انگارہ منہ میں

لے لوں یہ مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے امام کے پیچھے قرأت کروں۔

عن معمر عن ابی اسحاق ان علقمة بن قیس قال وددت ان الذی یقرا خلف الامام ملیء فوہ قال احسبه ترابا او رضفا.

(مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۱۳۹)

ابواسحاق سے مروی ہے کہ حضرت علقمہ بن قیس نے فرمایا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کا منہ بھر دیا جائے۔ ابواسحق کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ اس کا منہ مٹی سے یا آگ کے انگارے سے بھر دیا جائے۔

حضرت عمرو بن میمون م۷۴ھ کا فرمان:

عن مالك بن عمارة قال سألت لا ادری کم رجل من اصحاب عبدالله کلهم یقولون لا یقرأ خلف امام منهم عمرو بن میمون.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۳۷۷)

مالک بن عمارہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے بے شمار اصحاب اور تلامذہ سے جن میں عمرو بن میمون بھی ہیں امام کے پیچھے قرأت کرنے کے متعلق سوال کیا تو ان سب نے جواب دیا کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت اسود بن یزید م۷۵ھ کا فرمان:

عن ابراهیم قال قال الاسود لان اعض جمرة احب الی من ان اقرأ خلف الامام اعلم انه یقرأ. (مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۲۷۶)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت اسود بن یزید نے فرمایا کہ میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ اپنے منہ میں آگ کی چنگاری ڈال لوں بجائے اس کے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں جب کہ مجھے علم ہے کہ وہ پڑھتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قول وعمل:

۱. مالك عن ابی نعیم وهب بن کیسان انه سمع جابر بن عبدالله یقول من صلی رکعة لم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام.

(موطا امام مالك ص٦٦، ترمذی ج۱ ص۷۱)

حضرت امام مالک ابونعیم وہب بن کیسان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تو گویا اس نے نماز ہی نہیں پڑھی الا یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔

۲. عن جابر قال لا یقرأ خلف الامام.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۳۷٦)

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔

۳. عن عبید الله بن مقسم قال سألت جابر بن عبدالله اتقرأ خلف الامام فی الظهر والعصر شیئا فقال لا. (مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۱٤۱)

حضرت عبیداللہ بن مقسم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر سے پوچھا کہ کیا آپ ظہر وعصر میں امام کے پیچھے کچھ پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا فرمان:

عن کثیر بن مرة عن ابی الدرداء قال قام رجل فقال یا رسول الله افی کل صلوة قرآن قال نعم فقال رجل من القوم وجب هذا فقال ابوالدرداء یا کثیر وانا الی جنبه لا اری الامام اذا ام القوم الا قد کفاهم.

(طحاوی ج۱ ص۱٤۸، دار قطنی ج۱ ص۳۳۲، مسند احمد ج٦ ص٤٤۸)

حضرت کثیر بن مرہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو درداء نے فرمایا ایک صاحب اٹھے اور کہنے لگے یا رسول اللہ کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، لوگوں میں سے ایک صاحب بولے کہ پھر تو قرأت واجب ہوگئی۔ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ اے کثیر میں اس کے پہلو ہی میں تھا۔ میں نے کہا میرا خیال تو یہی ہے کہ جب امام لوگوں کی امامت کرتا ہے تو اس کی قرأت ہی لوگوں کو کافی ہوتی ہے۔

عن ابراهيم عن الاسود قال وودت ان الذى يقرأ خلف الامام ملئ فوه ترابا. (مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۱۳۸)

حضرت اسود بن یزید فرماتے ہیں کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے۔

حضرت سوید بن غفلہ م ۸۱ھ کا فرمان:

عن الوليد بن قيس قال سألت سويد بن غفلة اقرأ خلف الامام فى الظهر والعصر قال لا. (مصنف ابن ابى شيبة ج۱)

ولید بن قیس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سوید بن غفلہ سے سوال کیا کہ ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں فرمایا نہیں۔

حضرت سعید بن مسیّب م ۹۴ھ کا فرمان:

عن قتادة عن ابن المسيب قال انصت للامام.

(مصنف ابن ابى شيبة ج۱ ص۳۷۷)

حضرت سعید بن میسب نے فرمایا کہ امام کے پیچھے بالکل خاموشی اختیار کرو۔

حضرت سعید بن جبیر م ۹۴ھ کا فرمان:

عن ابى بشر عن سعيد بن جبير قال سالته عن القرأة خلف الامام قال

ليس خلف امام قرأة. (مصنف ابن ابی شيبة ج۱ ص۳۷۷)

ابو بشر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر سے سوال کیا کہ کیا امام کے پیچھے قرأت کی جاسکتی ہے؟ فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت نہیں کی جاسکتی۔

حضرت ابراہیم نخعی م ۹۶ھ کا فرمان:

(۱) عن مغيرة عن ابراهيم انه كان يكره القرأة خلف الامام وكان يقول تكفيك قرأة الامام. (مصنف ابن ابی شيبة ج۱ ص۳۷۷)

حضرت مغیرہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی امام کے پیچھے قرأت کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ تجھے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

(۲) عن ابراهيم قال ان اول من قرأ خلف الامام رجل اتهم.

(مؤطا امام محمد ص۹۸)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ اول وہ شخص جس نے امام کے پیچھے قرأت کی وہ ایسا آدمی تھا جس پر بدعتی ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔

(۳) عن ابراهيم قال الذی يقرأ خلف الامام شاق.

(مصنف ابن ابی شيبة ج۱ ص۳۷۷)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے وہ فاسق ہے۔

(٤) عن ابراهيم قال اول ما احدثوا القرأة خلف الامام وكانوا لا يقرؤن. (الجوهر النقی ج۲ ص۱٦۹)

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ لوگوں نے امام کے پیچھے قرأت کرنے کی بدعت ایجاد کی ہے اور وہ (صحابہ کرام اور تابعین) امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے۔

حضرت محمد بن سیرین م ۱۱۰ھ کا فرمان:

عن محمد قال لا اعلم القرأة خلف الامام من السنة.

(مصنف ابن ابی شيبة ج۱ ص۳۷۷)

حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کو سنت نہیں جانتا۔

حضرت امام ابوحنیفہ م ۱۵۰ھ کا مسلک:

قال محمد لا قرأة خلف الامام فيما جهر فيه ولا فيما لم يجهر وبذالك جاء ت عامة الآثار وهو قول ابى حنيفة. (موطا امام محمد ص ۹٤)

امام محمد فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت جائز نہیں نہ جہری نمازوں میں نہ سری نمازوں میں اس کی تائید میں عام آثار وارد ہوئے ہیں اور یہی حضرت امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

حضرت امام مالک م ۱۷۹ھ امام احمد بن حنبل م ۲۴۱ھ امام زہری م ۱۲۵ھ سفیان ثوری م ۱۶۱ھ سفیان بن عیینہ م ۱۹۸ھ اور اسحٰق بن راہویہ م ۲۳۸ھ رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک:

وجملة ذالك ان القرأة غير واجبة على الماموم فيما جهر به الامام ولا فيما اسر به نص عليه احمد فى رواية الجماعة وبذالك قال الزهرى والثورى وابن عيينة ومالك وابو حنيفة واسحاق.

(مغنى ابن قدامة ج۱ ص ٥٦٦)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مقتدی پر قرأت واجب نہیں ہے نہ جہری نمازوں میں نہ سری میں۔ امام احمد نے صراحت کے ساتھ یہ بیان کیا ہے جیسا کہ علماء کی ایک جماعت نے ان سے نقل کیا ہے اور امام زہری، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور اسحٰق بن راھویہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی م ۶۱ھ کا فرمان:

وكذالك ان كان ماموما ينصت الى قرأة الامام ويفهمها.

(غنية الطالبين مترجم ص ۵۹۲)

ایسے ہی اگر نماز پڑھنے والا مقتدی ہے تو اس کو امام کی قرأت کے لیے خاموش رہنا چاہیے اور اس کی قرأت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

علامہ ابن تیمیہ م ۷۲۸ھ کا فیصلہ:

فالنزاع من الطرفين لكن الذين ينهون عن القرأة خلف الامام جمهور السلف والخلف ومعهم الكتاب والسنة الصحيحة والذين اوجبوها على المامو م فحديثهم ضعفه الائمة.

(تنوع العبادات ص ۸۶ بحواله احسن الكلام ص ۱۶۵)

مسئلہ زیر بحث میں نزاع تو طرفین سے ہے لیکن جو لوگ امام کے پیچھے قرأت سے منع کرتے ہیں وہ جمہور سلف وخلف ہیں، اور ان کے ہاتھ میں کتاب اللہ اور سنت صحیحہ ہے اور جو لوگ امام کے مقتدی کے لیے قرأت کو واجب قرار دیتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (ماخوذ: حدیث اور اہل حدیث **۲۹۹ تا ۳۴۴ تک**)

رہی وہ روایت جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبرا:

ناظرین صاحب شمع محمدی نے حدیث کا ترجمہ مکمل درج نہیں فرمایا۔

ہم پہلے اس حدیث کا مشکوٰۃ شریف سے مکمل ترجمہ نقل کرتے ہیں جس سے آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ واقع صاحب شمع محمدی نے ترجمہ نقل کرنے میں خیانت سے کام لیا ہے۔

مکمل ترجمہ اس طرح ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب قرأۃ شروع کی تو آپ ﷺ کے

لیے پڑھنا مشکل ہو گیا۔ پھر جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ شاید تم لوگ امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں۔ اے اللہ کے رسول۔ آپ ﷺ نے فرمایا سوائے سورۃ فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو اس لیے کہ جو آدمی سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

(رواه ابوداود والترمذی وللنسائی معناه وفی روایة لابی داود قال وانا اقول مالی ینازعنی القرآن فلا تقرأ او بشیء من القرآن اذا جهرت الا بام القرآن)

ابوداؤد، ترمذی، نسائی نے یہ روایت بالمعنی نقل کی ہے اور ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب ہی تو میں کہتا تھا کہ کیا ہو گیا کہ جو قرأت مجھ پر مشکل ہو رہی ہے جب میں قرأت جہر کے ساتھ کروں تو تم لوگ سوائے سورۃ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھا کرو۔

ناظرین آپ نے مکمل حدیث کا ترجمہ پڑھ لیا۔ اس مکمل ترجمہ سے چند باتیں معلوم ہوئی۔

(۱) آپ کے پیچھے اگر کسی نے پڑھا تھا تو آپ کے حکم سے نہیں بلکہ اپنی مرضی سے پڑھا تھا۔ اگر آپ کا حکم ہوتا تو آپ کو پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

(۲) اس کے پڑھنے سے آپ پر پڑھنا مشکل ہو گیا۔

(۳) قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتیں ہیں اس حدیث کے مطابق آپ نے ۱۱۳ سورتیں تو پڑھنے سے منع فرما دیا یعنی ایک سو تیرہ (۱۱۳) میں تو آپ کا اور ہمارا نظریہ ایک ہو گیا کہ مقتدی ۱۱۳ سورتیں نہیں پڑھے گا۔ اب صرف سورہ فاتحہ کا مسئلہ رہ گیا۔

(۴) امام نسائی نے یہ روایت بالمعنی نقل کی ہے۔ اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حدیث بالمعنی بیان کرنا درست ہے اور حدیث بالمعنی محدثین نے بیان بھی کی ہے اور اپنی

کتابوں میں نقل بھی کرتے ہیں۔

یہاں تک تو صرف یہ بتایا گیا ہے کہ صاحب شمع محمدی نے اس لیے مکمل ترجمہ نہیں لکھا تھا کہ اس حدیث میں یہ باتیں بھی تھیں۔ اب حدیث کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) یہ حدیث حضرت ابوہریرہ کی حدیث کے خلاف ہے جو اسی فصل میں اس حدیث کے بعد آرہی ہے اس میں ہے۔

پھر لوگ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ان نمازوں میں قرأت سے باز رہے جن میں بلند قرأت کی جاتی تھی جب سے حضور ﷺ کا یہ فرمان سنا۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث میں جہری نمازوں میں مقتدی کو مطلقاً قرأت سے منع کر دیا گیا۔

جواب نمبر۲:

یہ روایت قرآن اور احادیث اور صحابہ کرام کے ارشادات کے خلاف ہے جن میں امام کے پیچھے مطلق خاموشی کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ احناف کے دلائل میں گزرا۔

جواب نمبر۳:

اس حدیث کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس میں صرف اتنا ہے لا صلوۃ لمن یقرأ بفاتحۃ الکتاب یعنی اس میں مقتدی کا ذکر نہیں لہٰذا یہ حدیث نا قابل عمل ہے۔

جواب نمبر۴:

یہ حکم ابتداء پر محمول ہے ابتداءً لوگ اپنی مرضی سے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھ لیتے تھے بعد میں (جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا جب نماز میں قرآن کی قرأت ہو رہی ہو تو خاموش ہو کر توجہ سے ساتھ سنو۔ میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔

جواب نمبر۵:

اس حدیث کے آخری الفاظ بظاہر صاحب شمع محمدی کے خلاف ہیں۔ کیوں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جہری نماز میں میرے پیچھے صرف الحمد پڑھا کرو اور اخفاء کی نماز میں الحمد اور سورۃ سب کچھ پڑھ لیا کرو۔ حالانکہ صاحب شمع محمدی اور ان کی جماعت کے دوسرے حضرات بھی مقتدی کو سورۃ پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے۔

(خاتمة الکلام از مولانا فقیر اللہ صاحب)

اعتراض نمبر۱۰۴:

خطبہ ہوتے ہوئے سنتیں پڑھنے کا حکم

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

صحیح بخاری صحیح مسلم میں ہے رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں

اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوز فیھما.

یعنی جمعہ کے دن امام کے خطبے کی حالت میں جو آئے وہ بھی ہلکی سی دو رکعت پڑھ لے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن افسوس صحیح حدیث کو حنفی مذہب نہیں مانتا۔ ہدایہ ص ۱۵۱ میں ہے **اذا خرج الامام یوم الجمعة ترك الناس الصلاة والکلام.**

مطلب یہ ہے کہ خطبہ ہوتے ہوئے کوئی آئے تو وہ دو رکعت نماز نہ پڑھے۔ دیکھیں اب حدیث وفقہ کے مقابلے کے وقت موجودہ حنفی بھائی کس فوج میں بھرتی ہوتے ہیں۔ یہ نمازی بنتے ہیں یا بے نمازی؟ (شمع محمدی ص ۱۱۹، ظفر المبین حصہ دوم ص ۶۵)

جواب:

یہ مسئلہ پہلے مسئلہ نمبر۱۴ (جمعہ کے خطبے کے وقت کی نماز کا مسئلہ) کے تحت گزر چکا ہے۔ اس کا وہاں پر مفصل جواب دیا گیا ہے وہاں پر ہی ملاحظہ فرمائیں۔

جونا گڑھی نے ویسے ہی نمبر زیادہ کرنے لیے یہاں عنوان بدل دیا۔

اعتراض نمبر۱۰۵:

رفع الیدین کی حدیث

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوٰۃ نظامی ص۵۹ میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوٰۃ واذا کبر للرکوع واذا رفع رأسہ من الرکوع رفعھما کذالک.

یعنی نبی کریم ﷺ جب کبھی نماز کو شروع کرتے اور جب رکوع میں جاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے رفع الیدین کیا کرتے تھے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس صاف صحیح اور صریح حدیث کو نہیں مانتا چنانچہ ہدایہ جلد اول ص۹۲ میں ہے ولا یرفع یدیہ الا فی التکبیر والاولی. یعنی پہلی تکبیر کے سوا پھر اور رفع الیدین نہ کرے۔ کہے صلوٰۃ محمدی پڑھوائے گا یا نماز حنفی؟

(شمع محمدی، ص۱۲۰، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص۱۳۴)

جواب:

صاحب شمع محمدی نے حنفی مذاہب کے دلائل کا ذکر بالکل نہیں کیا اور اپنے مذہب کی

حدیث لکھ دی ہم پہلے حنفی مذہب کے دلائل ذکر کرتے ہیں پھر اس حدیث کا جواب بھی عرض کریں گے ان شاء اللہ۔

حنفی مذہب کے دلائل

دلیل نمبرا:

عن الزهری عن سالم عن ابیه قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه حتی یحاذی بهما وقال بعضهم حذو منکبیه واذا اراد ان یرکع بعد ما یرفع رأسه من الرکوع لا یرفعهما وقال بعضهم ولا یرفع بین السجدتین والمعنی واحد.

(صحیح ابی عوانة ج۲ ص۹)

حضرت امام زہری، حضرت سالم سے اور وہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے...... مونڈھوں تک اور جب آپ ارادہ فرماتے کہ رکوع کریں اور رکوع سے سر اٹھا لینے کے بعد آپ رفع یدین نہ کرتے بعض راویوں نے کہا ہے کہ آپ دونوں سجدوں کے درمیان بھی رفع یدین نہ کرتے۔ مطلب سب راویوں کی روایت کا ایک ہی ہے۔

دلیل نمبر۲:

اخبرنی سالم بن عبد الله عن ابیه قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه حذو منکبیه واذا اراد ان یرکع بعد ما یرفع رأسه من الرکوع فلا یرفع ولا بین السجدتین.

(مسند حمیدی ج۲ ص۲۷۷)

امام زہری فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت سالم بن عبداللہ نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر کے حوالے سے خبر دی کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے مونڈھوں تک اور جب رکوع میں جانے کا ارادہ فرماتے اور رکوع سے سر اٹھا لیتے تو پھر رفع یدین نہ کرے اور نہ دونوں سجدوں کے درمیان کرتے۔

دلیل نمبر۳:

عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلٰوة ثم لا یعود. (خلافیات بیھقی بحواله نصب الرایه ج۱ ص۴۰۴)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نماز شروع فرماتے وقت رفع یدین کرتے، پھر نہ کرتے۔

دلیل نمبر۴:

عن سالم بن عبداللہ عن ابیه ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیه حذو منکبیه اذا افتتح التکبیر للصلٰوة.

(المدونة الکبرٰی ج۱ ص۶۹)

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رفع یدین کرتے تھے مونڈھوں تک جب کہ آپ نماز کی تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔

دلیل نمبر۵:

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ترفع الایدی فی سبعة مواطن افتتاح الصلٰوة واستقبال البیت والصفا والمروة والموقفین وعند

الحجر. (نصب الرایه ج۱ ص۳۹۰)

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا رفع یدین سات مقامات پر کیا جائے۔ نماز کے شروع میں، بیت اللہ کی زیارت کے وقت، صفا و مروہ پر، عرفات اور مزدلفہ میں وقوف کے وقت اور رمی جمار کے وقت۔

دلیل نمبر ۶:

عن علقمة قال قال عبد الله بن مسعود الا اصلى بكم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى فلم يرفع يديه الا فى اول مرة وفى الباب عن البراء بن عازب قال ابو عيسى حديث ابن مسعود حديث حسن وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم والتابعين وهو قول سفيان واهل الكوفة. (ترمذى ج۱ ص۵۹)

حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کیا میں تمہیں حضور علیہ السلام جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور پہلی مرتبہ (تکبیر تحریمہ کے وقت) رفع یدین کرنے کے علاوہ کسی اور جگہ رفع یدین نہیں کیا، اور ترک رفع یدین کے باب میں حضرت براء بن عازب سے بھی حدیث مروی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کی حدیث حسن ہے اور بے شمار اہل علم صحابہ کرام اور تابعین اسی کے (یعنی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے کے) قائل ہیں اور یہی حضرت سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے۔

دلیل نمبر ۷:

عن علقمة قال قال عبدالله بن مسعود الا اصلى بكم صلٰوة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فصلى فلم يرفع يديه الا مرة واحدة.

(ابو داود ص۱۰۹)

حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ آپ نے نماز پڑھی اور ایک مرتبہ (تکبیر تحریمہ کے وقت) کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔

دلیل نمبر ۸:

عن عبد الله قال الا اخبركم بصلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فقام فرفع يديه في اول مرة ثم لم يعد. (نسائی ج۱ ص۱۱۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ کیا میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی خبر نہ دوں (حضرت علقمہ آپ کے شاگرد) کہتے ہیں کہ آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے پہلی مرتبہ (تکبیر تحریمہ کے وقت) رفع یدین کیا پھر نہیں کیا۔

دلیل نمبر ۹:

عن عبدالله انه قال الا اصلي بكم صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى فلم يرفع يديه الا مرة واحدة. (نسائی ج۱ ص۱۲۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ (تکبیر تحریمہ کے وقت) رفع یدین کیا۔

دلیل نمبر ۱۰:

عن علقمة قال قال ابن مسعود الا اصلي لكم صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فصلى فلم يرفع يديه الا مرة.

(مسند احمد ج۱ ص۳۸۸ و ص ٤٤٢)

حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی طرح نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ رفع

یدین کیا۔

دلیل نمبر ۱۱:

عن عبداللہ قال الا اریکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یرفع یدیہ الا مرۃ. (مصنف ابن ابی شیبۃ ج۱ ص۲۳۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی طرح نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں (چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور) صرف ایک مرتبہ رفع یدین کیا۔

دلیل نمبر ۱۲:

عن عبداللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود. (شرح معانی الآثار للطحاوی ج۱ ص۱۵٤)

حضرت عبداللہ بن مسعود نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ صرف پہلی تکبیر کے موقع پر رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔

دلیل نمبر ۱۳:

عن علقمۃ قال قال عبداللہ یعنی ابن مسعود لاصلین بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فصلی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ.

(السنن الکبری للبیهقی ج۲ ص۷۸)

حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا میں تمہیں ضرور بضرور رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھ کر دکھاؤں گا۔ حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ آپ نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ رفع یدین کیا۔

دلیل نمبر ۱۴:

ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراهیم عن الا٠ ود ان عبداللہ بن مسعود

رضی الله عنه كان يرفع يديه فی اول التكبير ثم لا يعود الی شیء من ذالك وياثر ذالك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(جامع المسانيد ج١ ص٣٥٥)

حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت حماد سے اور وہ حضرت ابراہیم نخعی سے اور وہ حضرت اسود سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے اور اس کے بعد نماز میں کسی اور جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور وہ اس عمل کو رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے تھے۔

دلیل نمبر ١٥:

عن البراء ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا افتتح الصلوٰة رفع يديه الى قريب من اذنيه ثم لا يعود. (ابو داؤد ج١ ص١٠٩)

حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو کانوں کے قریب تک رفع یدین کرتے پھر (کسی جگہ) نہ کرتے۔

دلیل نمبر ١٦:

عن البراء بن عازب قال كان النبی صلى الله عليه وسلم اذا كبر لافتتاح الصلوٰة رفع يديه حتى يكون ابهاماه قريبا من شحمتی اذنيه ثم لا يعود. (شرح معانی الآثار للطحاوی ج١ ص١٥٤)

حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام جب نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر کہتے تو رفع یدین کرتے یہاں تک کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی لو کے قریب ہو جاتے پھر نہیں کرتے تھے۔

دلیل نمبر ١٧:

عن البراء انه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم حين افتتح الصلوٰة

رفع یدیه حتی حازی بهما اذنیه ثم لم یعد الی شیء من ذالك حتی فرغ من صلوته. (دار قطنی ج۱ ص۲۹۳)

حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ:۔ آپ نے نماز شروع کی تو رفع یدین کیا یہاں تک کہ آپ دونوں ہاتھ کانوں تک لے گئے پھر آپ نے کسی اور مقام پر رفع یدین نہیں کیا حتی کہ آپ نماز سے فارغ ہو گئے۔

دلیل نمبر ۱۸:

عن البراء بن عازب ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا افتتح الصلٰوة رفع یدیه ثم لا یرفعهما حتی یفرغ.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۲۳۶)

حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی مقام پر بھی رفع یدین نہ کرتے۔

دلیل نمبر ۱۹:

عن البراء بن عازب قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم رفع یدیه حین افتتح الصلٰوة ثم لم یرفعهما حتی انصرف.

(ابوداود ج۱ ص۱۰۹)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو رفع یدین کیا پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی اور جگہ نہیں کیا۔

دلیل نمبر ۲۰:

عن ابی هریرة قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا دخل فی الصلاة رفع یدیه مدًا. (ابوداؤد ج۱ ص۱۱۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں داخل ہوتے تو خوب ہاتھ دراز کر کے رفع یدین کرتے۔

دلیل نمبر ۲۱:

عن محمد بن عمرو بن عطاء انه كان جالسا مع نفر من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم فذکرنا صلوٰة النبی صلی الله علیه وسلم فقال ابو حمید الساعدی انا کنت احفظکم لصلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم رأیته اذا کبر جعل یدیه حذو منکبیه واذا رکع امکن یدیه من رکبتیه ثم هصر ظهره فاذا رفع رأسه استوٰی حتی یعود کل فقار مکانه واذا سجده وضع یدیه غیر مفترش ولا قابضهما واستقبل باطراف اصابع رجلیه القبلة فاذا جلس فی الرکعتین جلس علی رجله الیسری ونصب الیمنی فاذا جلس فی الرکعة الآخرة قدم رجله الیسری ونصب الاخری وقعد علی مقعدته الحدیث. (بخاری ج۱ ص۱۱٤)

حضرت محمد بن عمرو بن عطاء سے مروی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے بہت سے صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی علیہ السلام کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابوحمید ساعدی کہنے لگے میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو تم سب سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوں، میں نے آپ کو دیکھا کہ جب آپ تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں کے برابر لے جاتے، اور جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر جما دیتے پھر اپنی کمر مبارک جھکا کر سر اور گردن کے برابر کر دیتے پھر رکوع سے سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاتے حتی کہ آپ کی کمر کی ہر پسلی اپنی جگہ پر آ جاتی اور جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھ زمین پر اس طرح رکھتے کہ نہ بانہوں کو بچھاتے نہ سمیٹ کر پہلو سے لگا دیتے اور پاؤں کی انگلیوں کی نوکیں قبلے کی طرف رکھتے پھر جب دو رکعتوں پر بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے اور دایاں

پاؤں کھڑا رکھتے پھر جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں آگے کرتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے سرین کے بل بیٹھتے۔

دلیل نمبر۲۲:

عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ غَنْمٍ، أَنَّ أَبَا مَالِكٍ الْأَشْعَرِيَّ جَمَعَ قَوْمَهُ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْأَشْعَرِيِّينَ اجْتَمِعُوا وَاجْمَعُوا نِسَائَكُمْ، وَأَبْنَائَكُمْ أُعَلِّمْكُمْ صَلَاةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي صَلَّى لَنَا بِالْمَدِينَةِ فَاجْتَمَعُوا، وَجَمَعُوا نِسَائَهُمْ وَأَبْنَاءهُمْ، فَتَوَضَّأَ وَأَرَاهُمْ كَيْفَ يَتَوَضَّأُ، فَأَحْصَى الْوُضُوءَ إِلَى أَمَاكِنِهِ حَتَّى لَمَّا أَنْ فَاءَ الْفَيْءُ، وَانْكَسَرَ الظِّلُّ قَامَ، فَأَذَّنَ فَصَفَّ الرِّجَالَ فِي أَدْنَى الصَّفِّ، وَصَفَّ الْوِلْدَانَ خَلْفَهُمْ، وَصَفَّ النِّسَاءَ خَلْفَ الْوِلْدَانِ، ثُمَّ أَقَامَ الصَّلَاةَ، فَتَقَدَّمَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَكَبَّرَ، فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ يُسِرُّهُمَا، ثُمَّ كَبَّرَ فَرَكَعَ فَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ، ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، وَاسْتَوَى قَائِمًا، ثُمَّ كَبَّرَ، وَخَرَّ سَاجِدًا، ثُمَّ كَبَّرَ فَرَفَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ، ثُمَّ كَبَّرَ فَانْتَهَضَ قَائِمًا، فَكَانَ تَكْبِيرُهُ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ سِتَّ تَكْبِيرَاتٍ، وَكَبَّرَ حِينَ قَامَ إِلَى الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ أَقْبَلَ إِلَى قَوْمِهِ بِوَجْهِهِ، فَقَالَ احْفَظُوا تَكْبِيرِي، وَتَعَلَّمُوا رُكُوعِي وَسُجُودِي؛ فَإِنَّهَا صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي كَانَ يُصَلِّي لَنَا كَذَا السَّاعَةَ مِنَ النَّهَارِ الحديث.

(مسند احمد ج۵ ص۳۴۳)

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم فرماتے ہیں کہ حضرت ابو مالک اشعری نے اپنی قوم کو جمع کر کے فرمایا اے اشعری قوم جمع ہو جاؤ اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی جمع کر لو تاکہ میں تمہیں نبی علیہ السلام کی نماز سکھا دوں جو آپ ہمیں مدینہ طیبہ میں پڑھایا کرتے تھے، پس آپ نے وضو کیا اور انہیں دکھلایا کہ کیسے وضو کیا جاتا ہے آپ نے خوب اچھی طرح سے پانی اعضاء

ڈھلنے تک پہنچایا حتیٰ کہ جب سایہ ظاہر ہوگیا تو آپ نے کھڑے ہو کر اذان دی، امام سے قریب تک مردوں نے صف باندھی، ان کے پیچھے بچوں نے اور بچوں کے پیچھے عورتوں نے، پھر اقامت ہوئی اور آپ نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھ گئے۔ آپ نے رفع یدین کیا اور تکبیر (تحریمہ) کہی، پھر سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ دوسری سورت دونوں کو آہستہ سے پڑھا پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا اور تین مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہا، پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہوگئے پھر تکبیر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھایا پھر تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کر کھڑے ہوگئے۔ اس طرح پہلی رکعت میں آپ کی چھ تکبیریں ہوئیں۔ آپ نے دوسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت بھی تکبیر کہی پھر نماز پوری کر کے اپنے قبیلے والوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میری تکبیروں کو یاد کرلو اور میرا رکوع و سجود دیکھ لو کیوں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی وہ نماز ہے جو آپ ہمیں دن کے اس حصے میں پڑھایا کرتے تھے۔

دلیل نمبر ۲۳:

عن عباد بن الزبیر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلاۃ رفع یدیہ فی اول الصلاۃ ثم لم یرفعھما فی شیء حتی یفرغ.

(خلافیات بیھقی بحوالہ نصب الرایہ ج۱ ص۴۰۴)

حضرت عباد بن زبیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تھے تو ابتدا نماز میں رفع یدین کرتے تھے پھر نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ آپ نماز سے فارغ ہو جاتے۔

دلیل نمبر ۲۴:

عن جابر بن سمرۃ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی

الصلوٰۃ. (مسلم ج۱ ص۱۸۱)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجرہ مبارک سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اور ہمیں رفع یدین کرتے ہوئے پا کر فرمایا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے میں تمہیں اس طرح رفع یدین کرتے ہوئے پاتا ہوں جیسے بدکے ہوئے گھوڑوں کی دمیں اٹھی ہوئی ہوں، نماز میں سکون اختیار کرو۔

دلیل نمبر ۲۵:

عن جابر بن سمرة قال خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم ونحن یعنی رافعوا ایدینا فی الصلوٰة فقال مابالهم رافعین ایدیهم فی الصلوٰة کانها اذناب الخیل الشمس اسکنوا فی الصلوٰة.

(نسائی ج۱ ص۱۳۳)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجرہ مبارک سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ ہم نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے، آپ نے فرمایا انہیں کیا ہو گیا کہ نماز کے اندر اس طرح رفع یدین کر رہے ہیں جیسے بدکے ہوئے گھوڑوں کی دمیں اٹھی ہوئی ہوں نماز کے اندر سکون اختیار کرو۔

دلیل نمبر ۲۶:

عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لا ترفع الایدی الا فی سبعة مواطن حین یفتتح الصلوٰة وحین یدخل المسجد الحرام فینظر الی البیت وحین یقوم علی الصفا وحین یقوم علی المروة وحین یقف مع الناس عشیة عرفة وبجمع والمقامین حین یری الجمرة.

(معجم طبرانی کبیر، نصب الرایه ج۱ ص۳۹۰)

حضرت عبداللہ بن عباس نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا رفع یدین نہ کیا جائے مگر سات مقامات میں جب نماز شروع کی جائے اور جب مسجد حرام میں داخل ہوتے ہوئے بیت اللہ پر نظر پڑے اور جب صفا و مروہ پر کھڑا ہو اور عرفات میں بعد از زوال جب لوگوں کے ساتھ وقوف کرے اور مزدلفہ میں وقوف کے وقت اور جمرتین کی رمی کرتے وقت۔

خلفاء راشدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے:

عن عبداللہ قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومع ابی بکر ومع عمر رضی اللہ عنہما فلم یرفعوا ایدیھم الا عند التکبیرۃ الاولیٰ فی افتتاح الصلوٰۃ، قال اسحٰق بہ ناخذ فی الصلوٰۃ کلھا.

(دار قطنی ج۱ ص۲۹۵، بیہقی ج۲ ص۷۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ، حضرت ابوبکر، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ ان سب نے رفع یدین نہیں کیا مگر پہلی تکبیر کے وقت نماز کے شروع میں، محدث اسحٰق بن ابی اسرائیل کہتے ہیں کہ ہم بھی اسی کو اپناتے ہیں پوری نماز میں۔

عن علقمۃ انہ قال صلیت خلف عبداللہ بن مسعود فلم یرفع یدیہ عند الرکوع وعند رفع الراس من الرکوع فقلت لہ لم لا ترفع یدیک فقال صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلف ابی بکر وعمر فلم یرفعوا ایدیھم الا فی التکبیرۃ التی تفتتح بھا الصلوٰۃ.

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج۱ ص۲۰۷)

حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کیا۔ میں۔ نے پوچھا

کہ آپ رفع یدین کیوں نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے پیچھے نماز پڑھی ہے ان سب نے رفع یدین نہیں کیا مگر اسی تکبیر میں جس سے نماز شروع ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے:

عن الاسود قال صليت مع عمر فلم يرفع يديه فى شىء من صلوٰة الا حين افتتح الصلوٰة الحديث. (مصنف ابن ابى شيبة ج١ ص٢٣٧)

حضرت اسود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے ساتھ نماز پڑھی تو انہوں نے نماز میں کسی جگہ بھی رفع یدین نہیں کیا سوائے ابتداء نماز کے۔

عن الاسود قال رأيت عمر بن الخطاب يرفع يديه فى اول تكبيرة ثم لا يعود. (شرح معانى الآثار للطحاوى ج١ ص١٥٦)

حضرت اسود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے آپ صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے:

عن عاصم بن كليب عن ابيه ان عليا كان يرفع يديه فى اول تكبيرة من الصلوٰة ثم لا يرفع بعد. (شرح معانى الآثار للطحاوى ج١ ص١٥٤)۔

حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نماز کی پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے پھر اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

عن عاصم بن كليب عن ابيه ان عليا كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوٰة ثم لا يعود. (مصنف ابن ابى شيبة ج١ ص٢٣٦)

حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نماز شروع

کرتے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر (اس کے بعد) نہیں کرتے تھے۔

عن عاصم بن کلیب الجرمی عن ابیه و کان من اصحاب علی ان علی بن ابی طالب کرم الله وجهه کان یرفع یدیه فی التکبیرة الاولٰی التی یفتتح بها الصلوٰة ثم لا یرفعهما فی شیء من الصلاة.

(موطا امام محمد ص۹۰، بیهقی ج۲ ص۸۹)

حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد سے جو حضرت علی کے شاگردوں میں سے ہیں روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نماز کی صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے جس سے نماز شروع ہوتی ہے پھر اس کے بعد نماز کے کسی حصے میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود بھی تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے:

عن ابراهیم عن عبدالله انه کان یرفع یدیه فی اول ما یستفتح ثم لا یرفعهما. (مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۲۳۶)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔

عن ابراهیم قال کان عبدالله لا یرفع یدیه فی شیء من الصلوٰة الا فی الافتتاح. (شرح معانی الآثار للطحاوی ج۱ ص۱۵۶)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نماز کے کسی حصے میں رفع یدین نہیں کرتے تھے سوائے شروع کے۔

عن ابراهیم عن ابن مسعود کان یرفع یدیه فی اول شیء ثم لا یرفع بعد. (مصنف عبدالرزاق ج۲ ص۷۱)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے پھر اس کے بعد نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کرتے تھے:

اخبرنا مالك اخبرني نعيم المجمر وابو جعفر القارى ان اباهريرة كان يصلى بهم فكبر كلما خفض ورفع قال ابو جعفر القارى وكان يرفع يديه حين يكبر ويفتتح الصلٰوة.

(موطا امام محمد ص٨٨، كتاب الحجة ج١ ص٩٥)

حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر دی امام مالک نے اور امام مالک فرماتے ہیں کہ مجھے خبر دی نعیم المجمر اور ابوجعفر القاری دونوں نے کہ حضرت ابو ہریرہ ان کو نماز پڑھاتے تھے تو ہر اونچ نیچ میں تکبیر کہتے تھے، ابوجعفر القاری کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رفع یدین نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کرنا:

عن مجاهد قال صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الا فى التكبيرة الاولٰى من الصلٰوة. (شرح معانى الآثار للطحاوى ج١ ص١٥٥)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے رفع یدین نہیں کیا مگر نماز کی پہلی تکبیر میں۔

عن مجاهد قال ما رأيت ابن عمر يرفع يديه الا فى اول ما يفتتح.

(مصنف ابن ابى شيبة ج١ ص٢٣٧)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

عن عبدالعزيز بن حكيم قال رأيت ابن عمر يرفع يديه حذا اذنيه فى اول تكبيرة افتتاح الصلٰوة ولم يرفعهما فيما سوٰى ذالك.

(موطا امام محمد ص٩٠)

عبدالعزیز بن حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو دیکھا کہ وہ ابتداءِ نماز میں پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے کانوں کے برابر اس کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر کے صاحبزادے حضرت عباد کا فرمان:

وفی المواھب اللطیفة واخرج البیھقی فی خلافیاته عن الحاکم بسنده الی حفص بن غیاث عن محمد بن ابی یحییٰ قال صلیت الی جنب عباد بن عبدالله بن الزبیر قال فجعلت ارفع یدی فی کل رفع ووضع قال یا ابن اخی رأیتك ترفع فی کل رفع وخفض وان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا افتتح الصلٰوة رفع یدیه فی اول صلٰوة ثم لم یرفعهما فی شیء حتی فرغ. (بسط الیدین لنیل الفرقدین ص۵۲)

حضرت محمد بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عباد بن عبداللہ بن زبیر کے پہلو میں نماز پڑھی تو میں ہر اونچ نیچ میں رفع یدین کرتا رہا، حضرت عباد نے فرمایا اے میرے بھتیجے میں نے تمہیں دیکھا ہے کہ تم ہر اونچ نیچ میں رفع یدین کر رہے تھے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نماز کی ابتدا میں ہی فقط رفع یدین کرتے تھے، پھر نماز سے فارغ ہونے تک کہیں اور رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے اصحاب وتلامیذ ابتدا نماز کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے:

عن شعبة عن ابی اسحاق قال کان اصحاب عبدالله واصحاب علی لا یرفعون ایدیهم الا فی افتتاح الصلٰوة قال وکیع ثم لا یعودون.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۲۳۶)

حضرت ابواسحٰق فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اصحاب وشاگرد صرف نماز کی ابتدا میں رفع یدین کرتے تھے، حضرت وکیع فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد کسی مقام پر رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابواسحاق، امام شافعی اور ابراہیم نخعی تینوں ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے:

قال عبدالملك ورأيت الشعبى و ابراهيم و ابا اسحاق لا يرفعون ايديهم الا حين يفتتحون الصلٰوة. (مصنف ابن ابى شيبة ج۱ ص۲۳۷)

حضرت عبدالملک بن ابجد فرماتے ہیں کہ میں نے امام شعبی، ابراہیم نخعی اور ابواسحاق سبیعی کو دیکھا ہے یہ لوگ ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

عن اشعث عن الشعبى انه كان يرفع يديه فى اول التكبير ثم لا يرفعهما. (مصنف ابن ابى شيبة ج۱ ص۲۳۶)

امام شعبی سے مروی ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔

اخبرنا حصين ومغيرة عن ابراهيم انه كان يقول اذا كبرت فى فاتحة الصلٰوة فارفع يديك ثم لا ترفعهما فيما بقى.

(مصنف ابن ابى شيبة ج۱ ص۲۳۶)

حضرت حصین اور مغیرہ، حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ جب تو نماز کے شروع میں تکبیر (تحریمہ) کہے تو رفع یدین کر پھر باقی نماز میں رفع یدین نہ کر۔

عن حصين ومغيرة عن ابراهيم قال لا ترفع يديك فى شىء من الصلٰوة

الا فی الافتتاحۃ الاولیٰ. (مصنف ابن ابی شیبۃ ج۱ ص۲۳۶)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ تو ابتداء نماز کے علاوہ باقی کسی جگہ بھی نماز میں رفع یدین نہ کر۔

حضرت اسود بن یزید اور حضرت علقمہ بھی ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے:

عن جابر عن الاسود وعلقمۃ انھما کانا یرفعان ایدیھما اذا افتتحا ثم لا یعودان. (مصنف ابن ابی شیبۃ ج۱ ص۲۳۶)

حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضرت اسود بن یزید اور حضرت علقمہ نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔

حضرت قیس بن ابی حازم بھی ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے:

عن اسماعیل قال کان قیس یرفع یدیہ اول ما یدخل فی الصلوٰۃ ثم لا یرفعھما. (مصنف ابن ابی شیبۃ ج۱ ص۲۳۶)

حضرت اسماعیل فرماتے ہیں کہ حضرت قیس بن ابی حازم ابتداء نماز میں رفع یدین کرتے تھے پھر اس کے بعد نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی صرف ابتداء نماز میں ہی رفع یدین کرتے تھے:

عن سفیان بن مسلم الجھنی قال کان ابن ابی لیلیٰ یرفع یدیہ اول شیء اذا کبر. (مصنف ابن ابی شیبۃ ج۱ ص۲۳۷)

حضرت سفیان بن مسلم جہنی فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ صرف ابتداء نماز میں رفع یدین کرتے تھے جب تکبیر کہتے تھے۔

حضرت خیثمہ بھی صرف ابتداء نماز میں ہی رفع یدین کرتے تھے:

عن الحجاج عن طلحة عن خيثمة وابراهيم قال كانا لا يرفعان ايديهم الا بدء الصلوٰة. (مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۲۳۶)

حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ حضرت خیثمہ اور حضرت ابراہیم نخعی دونوں رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر نماز کے شروع میں۔

حضرت سفیان ثوری بھی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کے قائل ہیں:

قال الامام الترمذی وهو قول سفيان واهل الكوفة.

(ترمذی ج۱ ص۵۹)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اور اسی کے (کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا جائے پھر نہیں) قائل ہیں حضرت سفیان ثوری اور اہل کوفہ۔

محدث اسحاق ابن ابی اسرائیل بھی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کے قائل تھے:

قال اسحاق به ناخذ فی الصلاة كلها. (دار قطنی ج۱ ص۲۹۵)

محدث اسحاق بن ابی اسرائیل فرماتے ہیں کہ ہم بھی اسی کو (کہ رفع یدین ابتداء نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت ہی کیا جائے) اپناتے ہیں تمام نماز میں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک:

قال محمد السنة ان یکبر الرجل فی صلوٰته کلما خفض وکلما رفع

واذا انحط للسجود كبروا اذا انحط للسجود الثانی کبر فاما رفع الیدین فی الصلٰوۃ فانه یرفع یدیه حذو الاذنین فی ابتداء الصلٰوۃ مرۃ واحدۃ ثم لا یرفع فی شیء من الصلٰوۃ بعد ذالک وھذا کله قول ابی حنیفة.

(موطا امام محمد ص۸۸)

حضرت امام محمد فرماتے ہیں سنت یہ ہے کہ نمازی اپنی نماز میں ہر اٹھتے بیٹھتے تکبیر کہے جب پہلے سجدے میں جائے تو تکبیر کہے جب دوسرے سجدے میں جائے تو تکبیر کہے، رہا رفع یدین تو وہ ابتداء نماز میں صرف ایک مرتبہ کانوں تک کرے اس کے بعد نماز میں کسی جگہ بھی رفع یدین نہ کرے اور یہ سب حضرت امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک:

(قال) وقال مالک لا اعرف رفع الیدین فی شیء من تکبیر الصلٰوۃ لا فی خفض ولا فی رفع الا فی افتتاح الصلٰوۃ. (المدونة الکبریٰ ص٦٨)

امام مالک فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں جانتا رفع یدین کو نماز کی کسی بھی تکبیر میں جھکتے ہوئے نہ اٹھتے ہوئے سوائے ابتداء نماز کے۔

المالکیة قالوا رفع الیدین حذو المنکبین عند تکبیرۃ الاحرام مندوب وفیما عدا ذالک مکروہ. (الفقه علی المذاهب الاربعة ج۱ ص۲۵۰)

مالکیہ کہتے ہیں کہ رفع یدین مونڈھوں تک تکبیر تحریمہ کے وقت مستحب ہے اس کے علاوہ مکروہ ہے۔

ترک رفع یدین پر اہل مدینہ کا اجماع:

قال ابن القیم من اصول مالک اتباع عمل اهل المدینة وان خالف الحدث. (بدائع الفوائد ج٤ ص۳۲)

امام ابن قیم فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالک کے اصول میں سے ہے کہ وہ اہل مدینہ کے عمل کی اتباع کرتے ہیں اگرچہ وہ حدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

قال ابن رشد المالكي فمنهم من اقتصر به على الاحرام فقط ترجيحا لحديث عبدالله بن مسعود وحديث البراء بن عازب وهو مذهب مالك لموافقة العمل به. (بداية المجتهد ج١ ص٩٧)

ابن رشد مالکی فرماتے ہیں کہ کچھ فقہاء نے رفع یدین کرنے کو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت منحصر کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت براء بن عازب کی احادیث کی ترجیح دیتے ہوئے اور یہی مذہب ہے امام مالک کا بھی کیوں کہ اہل مدینہ کا عمل اسی کے موافق ہے۔

ترک رفع یدین پر اہل کوفہ کا اجماع:

قال الامام الترمذی وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحابه النبی صلى الله عليه وسلم والتابعين وهو قول سفيان واهل الكوفة.

(ترمذی ج١ ص٥٩)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بے شمار اہل علم صحابہ کرام اور تابعین عظام اسی کے (صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے کے) قائل ہیں اور یہی حضرت سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے۔

قال الامام محمد بن نصر المروزی لا نعلم مصرا من الامصار تركوا باجمعهم رفع اليدين عند الخفض والرفع الا اهل الكوفة.

(التعليق الممجد ص٩١)

امام محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں کہ شہروں میں سے کسی شہر کے متعلق ہم نہیں جانتے کہ وہاں کے رہنے والوں نے اجماعاً سر جھکاتے اور سر اٹھاتے وقت رفع یدین چھوڑ دیا ہو

سوائے اہل کوفہ کے۔

قال ابن رشد المالکی فذهب اهل الکوفة ابو حنیفة وسفیان الثوری وسائر فقهائهم الی انه لا یرفع المصلی یدیه الا عند تکبیرة الاحرام فقط.

(بدایة المجتهد ج۱ ص۹۶)

ابن رشد فرماتے ہیں کہ اہل کوفہ حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت سفیان ثوری اور وہاں کے تمام فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ نمازی تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرے۔

ترک رفع یدین پر فقہاء کا اجماع:

ثنا ابوبکر بن عیاش قال ما رأیت فقیهًا قط یفعله یرفع یدیه فی غیر التکبیرة الاولٰی. (شرح معانی الآثار للطحاوی ج۱ ص۱۵۶)

حضرت ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں کہ میں نے ہرگز کسی فقیہ کو بھی پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

کسی بھی مقام پر رفع یدین کے واجب نہ ہونے پر اجماع:

قال النووی اجمعت الامة علی استحباب رفع الیدین عند تکبیرة الاحرام واختلفوا فیما سواها ...... واجمعوا علی انه لا یجب شیء من الرفع. (نووی شرح مسلم ج۱ ص۱۶۸)

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا مستحب ہے اس کے علاوہ میں اختلاف ہے...... اور اس پر بھی اجماع ہے کہ رفع یدین کسی مقام پر بھی واجب نہیں۔

مذکورہ بالا احادیث وآثار اور اقوال ائمہ مجتہدین سے درج ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) تکبیر تحریمہ کہتے وقت دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا مسنون ہے۔

(۲) حضور علیہ السلام صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کیا کرتے تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت براء بن عازب اور حضرت عباد بن زبیر وغیرہ آپ سے اسی عمل کو نقل فرماتے ہیں۔ حضرت ابوحمید ساعدی نے بہت سے صحابہ کرام کی موجودگی میں فرمایا مجھے حضور علیہ السلام کی نماز تم سب سے زیادہ یاد ہے، پھر آپ نے حضور علیہ السلام کی نماز کی کیفیت ذکر فرمائی، اس میں آپ نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر فرمایا۔ جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث سے واضح ہے۔

اسی طرح حضرت ابو مالک اشعری نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا میں تمہیں حضور علیہ السلام کی نماز سکھلاتا ہوں۔

رہی وہ روایت جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبرا:

صاحب شمع محمدی نے یہ حدیث مکمل نقل نہیں کی اور نہ یہ ظاہر کیا ہے یہ حدیث کس صحابی نے روایت کی ہے۔

ناظرین یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر نے روایت کی ہے۔

جواب نمبر۲:

اس حدیث کے آخری الفاظ ہیں **وکان لا یفعل ذالك فی السجود** اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدوں میں ایسا نہیں کرتے تھے۔ جب کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے سجدوں میں بھی رفع یدین کرنا ثابت ہے۔

ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عبداللہ بن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور جب سجدہ کرتے تو رفع یدین کرتے۔

(المحلی ابن حزم ج٤ ص۹۳ مسئلہ نمبر ٤٤٢)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ بے شک آپ ﷺ رفع یدین کرتے جب رکوع کرتے اور جب سجدہ کرتے۔(اثبات رفع الیدین ص ۸۱ خالد گھر جاکھی)

ان کے علاوہ بھی اور بہت سی روایات ہیں جن میں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرنا ثابت، صاحب شمع محمدی نے یہ روایات ذکر نہیں کیں۔

جواب نمبر۳:

عبداللہ بن عمر کا اپنا عمل ان روایات کے خلاف ہے۔

(دیکھئے طحاوی شریف ج۱ ص۱۵۵)

جواب نمبر۴:

یہ روایت منسوخ ہے۔

جواب نمبر۵:

ہم نے اوپر حضرت عبداللہ بن عمر کی صحیح روایات نقل کی ہیں جن میں واضح طور پر موجود ہے کہ آپ پہلی مرتبہ رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔(زیادہ تفصیل کے لیے دیکھئے۔(تحقیق حدیث عبداللہ بن عمر، مصنف ریحان جاوید)

اعتراض نمبر۱۰۶:

جلسہ استراحت

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان فی وتر من صلوته لم ینهض حتی یستوی قاعدًا. (اخرجه البخاری) یعنی جب حضور ﷺ پہلی یا تیسری رکعت کے بعد کھڑا ہونا چاہتے تو بغیر اچھی طرح بیٹھے ہوئے کھڑے نہ ہوتے۔ یہ صحیح اور صریح

حدیث ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض َ تے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا۔ان کی ہدایہ ص۹۲ میں ہے **ولا یقعد** یعنی اس موقعہ پر نہ بیٹھے۔کہو حنفی بھائیو کس کی مانو گے؟اور کس کی چھوڑو گے؟

(شمع محمدی ص۱۲۱،ظفر المبین حصہ اول ص۱۱۵)

جواب:

صاحب شمع محمدی یہاں پر بھول گئے ہیں وہ یہ مسئلہ شمع محمدی میں مسئلہ نمبر۲۰ میں نقل کر چکے ہیں یہاں پر پھر دوبارہ نقل کر دیا ہے۔اور ہم نے اس کا جواب آفتاب محمدی بجواب شمع محمدی ص۱۲۳ میں تفصیل کے ساتھ دے دیا ہے۔

اعتراض نمبر۱۰۷،۱۰۸:

ظہر عصر کی نماز کا محمدی اور حنفی وقت

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم امنی جبرائیل عند البیت مرتین فصلی بی الظهر حین زالت الشمس وکانت قدر الشراك وصلی بی العصر حین صار ظل کل شیء مثله

(رواه ابو داود والترمذی مشکوة ص۵۹ جلد اول باب المواقیت)

یعنی آنحضرت ﷺ کی امامت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بیت اللہ شریف میں کی اور ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھل کر بقدر ایک تسمہ کے اس کا سایہ ظاہر ہو گیا اور عصر کی نماز س وقت پڑھائی۔ ب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا۔

ناظرین یہ حدیث آپ کے سامنے ہے اس میں صاف موجود ہے کہ عصر کی نماز کا وقت وہ ہے کہ جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے یہی نماز عصر کا شروع اور نماز ظہر کا آخر وقت ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا وہ کہتا ہے **واخر وقتھا عند ابی حنیفة اذا صار ظل کل شیء مثلیه ...... واول وقت العصر اذا خرج وقت الظهر.**

(ھدایه جلد اول ص٦٤ باب المواقیت)

یعنی امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک ظہر کا آخری وقت اور عصر کا اول وقت وہ ہے جب ہر چیز کا سایہ اس سے دگنا ہو جائے۔ سنا آپ نے؟ ایک کے دو ہو گئے حدیث میں ہے کہ ایک گونہ سایہ ہونے سے ظہر کا وقت جاتا رہا حنفی مذہب میں ہے نہیں گیا۔ حدیث میں ہے ایک گنا سایہ ہونے پر عصر کا وقت شروع ہو گیا۔ حنفی مذہب میں ہے نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ ظہر کے وقت کے نکلنے اور عصر کے وقت کے آنے کا انداز بتلائیں کہ جب سورج کا چڑھتا ہوا اور بڑھتا ہوا سایہ سوائے اصلی سائے کے ہر چیز کے برابر ہو جائے۔ حنفی مذہب کہے یہ ٹھیک نہیں بلکہ جب ہر چیز سے دگنا ہو جائے۔ کہو حنفی دوستو اب آپ کا کیا فیصلہ ہے نمازوں کے اوقات کا صحیح علم خدا کے بھیجے ہوئے نبی کو تھا؟ یا ان کے ایک امتی کو؟

(شمع محمدی ص ۱۲۶، ظفر المبین حصہ دوم ص ۱۷۶، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۲۱، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۰، سبیل الرسول ص ۲۴۴، معیار الحق ص)

جواب:

یہ کوئی نیا اعتراض نہیں اس سے پہلے بھی غیر مقلدین کرتے رہے اور احناف کی طرف سے اس کے مفصل اور مدلل جوابات بھی شائع ہوتے رہے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی (وکیل

اہل حدیث) نے بھی اپنے اشتہار میں یہ مسئلہ ذکر کیا تھا اور اس کا جواب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نے ادلہ کاملہ میں دیا تھا۔ ہم یہاں پر اس مسئلہ کو تو ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں تا کہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے۔

اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف:

ظہر کا اول وقت بالاتفاق زوال سے شروع ہوتا ہے اور استواء شمس کے وقت ہر چیز کا جو سایہ ہوتا ہے وہ فیءزوال (اصلی سایہ) کہلاتا ہے اس کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ ہموار زمین میں کوئی سیدھی لکڑی یا کیل گاڑ دی جائے۔ زوال سے پہلے اس کا جو سایہ ہوگا وہ تدریجاً گھٹتا رہے گا پھر یا تو بالکل ختم ہو جائے گا یا کچھ باقی رہے گا اور گھٹنا بند ہو جائے گا یہی باقی ماندہ سایہ فیءزوال (اصلی سایہ) ہے پھر وہ دوسری جانب بڑھنا شروع ہوگا۔ جوں ہی بڑھنا شروع ہو سمجھ لینا چاہیے کہ زوال شمس ہو گیا، اور ظہر کا وقت شروع ہو گیا، اور ظہر کا وقت کب تک باقی رہتا ہے اور عصر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد اور صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ظہر کا وقت ہوتا ہے۔ جب ہر چیز کا سایہ فیءزوال کو منہا کرنے کے بعد اس چیز کے بقدر ہو جائے۔ اصطلاح میں اس کو ایک مثل (مانند) کہتے ہیں اور اس کے بعد فوراً عصر کا وقت شروع ہوتا ہے دونوں وقتوں کے درمیان مشہور قول کے مطابق نہ تو کوئی حد فاصل ہے نہ وقت مشترک۔

اور امام اعظم سے اس سلسلہ میں چار روایتیں منقول ہیں۔

(ا) ظاہر روایت میں ظہر کا وقت دو مثل پر ختم ہوتا ہے اور اس کے بعد فوراً عصر کا وقت شروع ہوتا ہے یہی مفتیٰ بہ قول ہے علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع (ج ا ص ۱۲۳) میں لکھا ہے کہ یہ قول ظاہر روایت میں صراحۃً مذکور نہیں ہے امام محمد نے صرف یہ لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک عصر کا وقت دو مثل کے بعد (یعنی تیسرے مثل سے) شروع ہوتا ہے ظہر کا

وقت کب ختم ہوتا ہے اس کی تصریح امام محمد نے نہیں کی ہے۔

(۲) امام اعظم کا دوسرا قول وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کا ہے امام طحاوی نے اس کو اختیار کیا ہے اور صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ آج کل لوگوں کا عمل اسی پر ہے اور اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور سید احمد دحلان شافعی نے خزانۃ المفتین اور فتاویٰ ظہیریہ سے امام صاحب کا اس قول کی طرف رجوع نقل کیا ہے۔ (دیکھئے فیض الباری ج ۲ ص ۹۵) مگر ہماری کتابوں میں یہ رجوع ذکر نہیں کیا گیا بلکہ اس قول کو حسن بن زیادہ لولوی کی روایت قرار دیا گیا ہے اور سرخسی نے مبسوط میں اس کو بروایت امام محمد ذکر کیا ہے اور صاحب درمختار نے جو اس قول کو مفتیٰ بہ کہا ہے۔ اس کو علامہ شامی نے رد کیا ہے۔

(۳) امام اعظم سے تیسری روایت یہ ہے کہ مثل ثانی مہمل وقت ہے یعنی ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے اور دوسرا مثل نہ ظہر کا وقت ہے نہ عصر کا، یہ اسد بن عمرو کی روایت ہے امام اعظم رحمہ اللہ سے۔

(۴) اور چوتھا قول عمدۃ القاری شرح بخاری میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل سے کچھ پہلے ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔

امام کرخی نے اس قول کی تصحیح کی ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۹۵)

یہاں تک تو ائمہ کے اختلاف کی بات تھی۔ اب آتے ہیں حدیث کی طرف۔ حدیث میں ہے کہ پہلے دن ظہر کی نماز زوال ہوتے ہی پڑھائی تھی اور عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی تھی اور دوسرے دن ظہر کی نماز ایک مثل پر پڑھائی تھی یعنی ٹھیک اسی وقت جس وقت پہلے دن عصر کی نماز پڑھائی تھی۔ (لوقت العصر بالامس) اور عصر کی نماز دو مثل پر پڑھائی تھی۔

یہ روایت متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ابو داؤد، ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت مروی ہے اس میں لوقت العصر بالامس کا لفظ ہے۔ یہ

روایت ترمذی ونسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔اور ابن راھویہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔نیز یہ روایت صحیحین میں بھی ہے مگر مجمل ہے یعنی اوقاتِ صلوٰۃ کی اس میں تفصیل نہیں ہے۔(نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۲۱_۲۲۳)

روایت کا مفاد:

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مثل تک ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے اور دونوں وقتوں کے درمیان نہ تو کوئی مہمل وقت ہے نہ مشترک اس روایت کو ائمہ ثلاثہ اور صاحبین نے لیا ہے البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مثل اول کے آخر میں مقیم کے لیے چار رکعت کے بقدر اور مسافر کے لیے دو رکعت کے بقدر مشترک وقت مانتے ہیں یعنی اس میں ظہر کی نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے اور عصر کی نماز بھی کیوں کہ حضرت جبرائیل نے پہلے دن جس وقت عصر کی نماز پڑھائی ٹھیک اسی وقت میں دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھائی تھی علامہ دردیر کی شرح صغیر میں ہے۔

واشتركت الظهر والعصر فى آخر القامة بقدر اربع ركعات فيكون آخر وقت الظهر واول وقت العصر.

ظہر اور عصر شریک ہیں مثل اول کے آخر میں چار رکعت کے بقدر (شرح صادی میں ہے کہ یہ حالت حضر میں ہے اور حالت سفر میں دو رکعت کے بقدر ہے) لہٰذا مثل اول کا آخر ظہر کا آخری وقت اور عصر کا اول (ابتدائی) وقت ہے۔(بلغه السالك ج۱ ص۸۳)

مگر ابن حبیب مالکی اشتراک کے قائل نہیں ہیں اور ابن العربی مالکی تو فرماتے ہیں کہ

تالله ما بينهما اشتراك ولقد زلت فيه اقدم العلماء. (حواله سابق)

خدا کی قسم دونوں وقتوں کے درمیان مشترک وقت نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء (مالکیہ) کے پیر پھسل گئے ہیں۔

اور جمہور لوقت العصر بالامس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ یہ بات راوی نے تقارب زمانین کی وجہ سے کہی ہے ورنہ حقیقت میں پہلے دن جس وقت عصر کی نماز شروع کی تھی

دوسرے دن اس سے ذرا پہلے ظہر کی نماز پوری کر دی تھی، دونوں دن دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں نہیں پڑھی تھیں۔ کیوں کہ آیت کریمہ ان الصلوة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا یقیناً نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے۔ سے یہ بات واضح ہے کہ ہر نماز کا وقت الگ الگ ہے اشتراک نہیں ہے۔

دوسری روایت:

یہ ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے نماز کے اوقات دریافت کیے آپ ﷺ نے اس شخص کو ٹھہرایا اور دو دن نماز پڑھا کر عملی طور پر اوقات نماز کی تعلیم دی اس روایت میں ہے کہ پہلے دن حضور اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز زوال ہوتے ہی پڑھائی اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج سفید اور بلند تھا اور دوسرے دن ظہر کی نماز بہت زیادہ ٹھنڈی کر کے پڑھائی اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج آخر وقت میں پہنچ گیا تھا۔

یہ روایت مسلم شریف میں حضرت بریدہ سے مروی ہے اور مسلم شریف ہی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو جائے، پھر ظہر کا وقت باقی رہتا ہے عصر کا وقت آنے تک اور عصر کا وقت باقی رہتا ہے سورج کے زرد ہونے تک۔

(مسلم ج۱ ص۲۲۳)

روایت کا مفاد:

اس روایت سے اوقات صلوٰۃ کی کوئی واضح حد بندی نہیں ہوتی البتہ اس میں یہ جملہ ہے کہ دوسرے دن حضور اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز بہت زیادہ ٹھنڈی کر کے پڑھائی۔ اس سے کچھ ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ شاید مثل ثانی میں پڑھائی ہو۔ کیوں کہ مشاہدہ یہ ہے کہ مثل اول کے ختم تک موسم ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے جو الفاظ حضرت عبداللہ بن

عمرو سے مروی ہیں کہ ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو جائے، اس سے تو یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ مثل ثانی بھی ظہر کا وقت ہے۔

تیسری روایت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گشتی فرمان ہے جو آپ نے اپنے گورنروں کے نام جاری کیا تھا اس میں آپ نے لکھا تھا کہ ظہر کی نماز پڑھو جب سایہ ایک ہاتھ ہو جائے یہاں تک کہ وہ سایہ ایک مثل ہو جائے، اور عصر کی نماز پڑھو درآں حالیکہ سورج بلند، چمک دار اور صاف ہو، اور عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے سوار دو یا تین فرسخ کا سفر کر سکے۔

(موطا امام مالک ص ۱۳)

روایت کا مفاد:

یہ روایت بھی اس باب میں صریح نہیں ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، بظاہر روایت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ مستحب اوقات کا بیان ہے کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم اس وقت دیا ہے جب کہ سایہ ایک ہاتھ ہو جائے حالانکہ ظہر کا وقت زوال ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ نیز عصر جس وقت میں پڑھنے کا حکم دیا وہ اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ لوگوں کو مستحب اوقات کی تعلیم دی ہے، حقیقی اوقات نہیں بتائے۔

چوتھی روایت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ ایک شخص نے آپ سے نماز کے اوقات پوچھے تو حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا:

انا اخبرك صل الظهر اذا كان ظلك مثلك والعصر اذا كان ظلك مثليك.

(یہ روایت موطا مالک ص ۳ اور موطا محمد ص ۴۲ میں ہے، یہ دونوں کتابیں درحقیقت ایک ہی ہیں، یحییٰ بن یحییٰ جمودی کی روایت موطا مالک کے نام سے مشہور اور امام محمد بن حسن الشیبانی کی روایت موطا محمد کے نام سے مشہور ہے۔)

سن میں تجھے بتاتا ہوں ظہر کی نماز پڑھ جب تیرا سایہ تیرے برابر ہو جائے اور عصر کی نماز پڑھ جب تیرا سایہ تیرے دو مثل ہو جائے۔

روایت کا مفاد.

یہ روایت صریح ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی باقی رہتا ہے کیوں کہ جب ظہر کو ایک مثل پر پڑھنے کا حکم دیا اور عصر کو دو مثل پر تو اب مثل ثانی عصر کا وقت تو ہو ہی نہیں سکتا، لامحالہ ظہر ہی کا وقت ہوگا، یہ اگر چہ ابو ہریرہ کا ارشاد ہے مگر چونکہ مقادیر مدرک بالعقل نہیں ہے اس لیے اس کو لامحالہ حکما مرفوع ماننا ہوگا۔

پانچویں روایت:

حضرت ابوذر غفاری کی ہے جو صحیحین میں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے جب ظہر کا وقت ہوا تو مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ابھی وقت کو ٹھنڈا ہونے دو، کچھ دیر بعد پھر مؤذن نے اذان دینے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا کہ ابھی وقت کو ٹھنڈا ہونے دو، حتی راینا فیء التلول (یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا) پھر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کے پھیلاؤ سے ہے، لہٰذا جب گرمی سخت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھا کرو۔

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الاذان میں بھی ذکر کیا ہے وہاں یہ الفاظ ہیں کہ (حتی ساوی الظل التلول) ''یہاں تک کہ سایہ طول میں ٹیلوں کے برابر ہو گیا۔''

روایت کا مفاد:

اس روایت سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس سفر میں ظہر کی نماز بالیقین مثل ثانی میں بلکہ مثل ثانی کے بھی آخر میں پڑھی ہے۔ کیوں کہ ٹیلوں کے سایہ کا ظاہر ہونا بلکہ ٹیلوں کے سایہ کا طول میں ٹیلوں کے برابر ہونا مثل اول میں ممکن ہی نہیں ہے. جس کو تردد ہو وہ مشاہدہ کر کے اپنا شک دور کر سکتا ہے۔

چھٹی روایت:

بخاری شریف کی ہے جو مشکوۃ شریف کے بالکل آخری باب (باب ثواب هذه الامة) کے بالکل شروع میں ہے، جس میں حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کی مدت عمر اور یہود و نصاری کی مدت عمر مثال سے سمجھائی ہے کہ

''ایک شخص نے صبح سے دوپہر تک ایک ایک قیراط طے کر کے مزدور رکھے اور دوپہر میں ان کو ان کی اجرت دے کر رخصت کر دیا پھر دوپہر سے عصر تک کے لیے ایک ایک قیراط طے کر کے دوسرے مزدور رکھے عصر کے وقت ان کو بھی ان کی اجرت دے کر رخصت کر دیا، پھر عصر سے غروب آفتاب تک کے لیے اور مزدور رکھے اور ان کی اجرت دو دو قیراط طے کی جب انہوں نے کام پورا کیا اور ان کو ان کی دگنی اجرت دی گئی۔

یہ مثال بیان کر کے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ وہ مزدو ہو جنہوں نے عصر سے مغرب تک کام کیا ہے لہذا تمہیں ڈبل مزدوری ملے گی، اس پر یہود و نصاریٰ ناراض ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ کام ہم نے زیادہ کیا اور مزدوری ہمیں کم ملی، اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ کیا میں نے تمہارا کچھ حق مارا ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تو میں اپنی مہربانی جس پر چاہوں کروں۔''

روایت کا مفاد:

اس روایت کے اشارہ سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا

ہے کیوں کہ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کی مدت عمل کم ہے اور یہود و نصاری کی مدت عمل زیادہ ہے یہود کی مدت عمل کا زیادہ ہونا تو بدیہی ہے کیوں کہ وہ صبح سے دوپہر تک ہے اسی طرح نصاری کی مدت عمل امت محمدیہ کی مدت عمل سے بدیہی طور پر زیادہ اسی وقت ہوسکتی ہے جب عصر کا وقت رہے اگر ظہر کا وقت مثل اول کے ختم تک مانا جائے تو نصاری اور امت محمدیہ دونوں کی مدت عمل میں کوئی واضح تفاوت نہیں رہتا۔ الغرض یہ روایت اگر عقل سلیم ہو تو اس بات کی صاف دلیل ہے کہ ظہر کا وقت مثل ثانی کے ختم تک رہتا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف روایات کے سلسلہ میں احناف کے مختلف نقطہ نظر:

بحث کے شروع میں امام اعظم کی چار روایتیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) ظہر کا وقت مثل ثانی کے ختم تک رہتا ہے اور عصر کا وقت مثل ثالث کی ابتداء سے شروع ہوتا ہے۔ یہ ظاہر روایت ہے۔

(۲) ظہر کا وقت مثل اول کے ختم تک رہتا ہے اور عصر کا وقت مثل ثانی کی ابتدا سے شروع ہوتا ہے۔ یہی جمہور کا بھی مذہب ہے۔

(۳) مثل ثانی پورا مہمل وقت ہے۔

(۴) مثل ثانی کے آخر میں تھوڑا وقت مہمل ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ان مختلف روایتوں کے سلسلہ میں احناف کے تین نقطہ نظر ہیں۔

پہلا نقطہ نظر:

یہ ہے کہ تمام روایات باہم متعارض ہیں لہٰذا غور کر کے آخری روایت متعین کی جائے اور مقدم روایات کو منسوخ قرار دیا جائے۔ صاحب خزانۃ المفتیین اور صاحب فتاویٰ ظہریہ نے یہی صورت اختیار کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے دوسرے قول کی طرف امام صاحب کا رجوع کرنا نقل کیا ہے اور اس کو آخری قول قرار دیا ہے۔ مگر کتب مذہب میں یہ رجوع معروف نہیں ہے۔ اس لیے عام طور پر یہ نقطہ نظر تسلیم نہیں کیا جاتا۔

دوسرا نقطہ نظر:

یہ ہے کہ موافقت جمہور یا قوت دلیل کی بنا پر کسی ایک قول کو ترجیح دی جائے چنانچہ امام طحاوی اور صاحب درمختار نے موافقت جمہور کے پیش نظر دوسرے قول کو ترجیح دی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اسی پر لوگوں کا عمل ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور شارح منیۃ علامہ ابراہیم حلبی اور علامہ ابن عابدین شامی اور مفتیان دار العلوم دیوبند نے قوت دلیل کی بنا پر پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ جو ظاہر روایت ہے۔ علامہ شامی صاحب درمختار پر رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

''صاحب درمختار نے جو فرمایا ہے کہ امام اعظم کی دوسری روایت اظہر ہے۔ حدیث جبرائیل کی وجہ سے اور حدیث جبرائیل اس مسئلہ میں نص ہے۔ یہ فرمانا صحیح نہیں ہے کیوں کہ امام اعظم کے قول کے کافی دلائل موجود ہیں۔ اور امام اعظم کی دلیل کی کمزوری ظاہر نہیں ہوئی ہے بلکہ امام صاحب کے دلائل قوی ہیں جیسا کہ مطولات اور شرح منیہ کے مطالعہ سے یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے اور علامہ ابن نجیم مصری نے البحر الرائق میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ امام صاحب کا قول چھوڑ کر صاحبین کا قول یا ان میں سے کسی ایک کا قول کسی ضرورت ہی کی وجہ سے اختیار کیا جاسکتا ہے مثلاً امام صاحب کی دلیل کمزور ہو یا تعامل امام صاحب کے قول کے خلاف ہو جیسے کہ مزارعت کا مسئلہ، محض مشائخ کے یہ کہہ دینے سے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے امام صاحب کا قول نہیں چھوڑا جاسکتا۔

(شامی ج۱ ص۲٦٤)

تیسرا نقطہ نظر:

یہ ہے کہ امام صاحب کے اقوال میں تطبیق دی جائے اور یوں کہا جائے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک تو بالیقین رہتا ہے، اور مثل ثانی کے ختم تک رہنے کا احتمال ہے اور عصر کا وقت

مثل ثالث سے بالیقین شروع ہوتا ہے مگر مثل ثانی سے شروع ہونے کا احتمال ہے لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ ایک مثل ختم ہونے سے پہلے ظہر کی نماز نہ پڑھ سکے تو پھر مثل ثانی میں پڑھ لے اس سے تاخیر نہ کرے اور اس کو ادا کہا جائے قضا نہیں کہا جائے گا اسی طرح اگر کسی مجبوری میں جیسا کہ حاجیوں کو حرمین شریفین میں یہ مجبوری پیش آتی ہے کوئی شخص مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھ لے تو اس کو بھی صحیح کہا جائے گا یعنی ذمہ فارغ ہو جائے گا مگر ظہر اور عصر دونوں کو مثل ثانی میں پڑھنا شریعت کے منشا کے خلاف ہے۔ شریعت کا منشا یہ ہے کہ دونوں نمازوں کے درمیان فصل ہونا چاہیے اور یہ فصل عام حالات میں کم از کم ایک مثل کے بقدر ہونا چاہیے۔ اور مخصوص حالات میں اس سے کم بھی ہو سکتا ہے۔

اور وقت مہمل سے امام صاحب کی مراد یہی عملی اہمال ہے یعنی دونوں نمازوں کے درمیان فصل کرنا۔

حضرت قدس سرہ (شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ) کا نقطہ نظر غالباً یہی ہے چنانچہ ایضاح الادلہ میں حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ

''وقت مابین المثلین (یعنی مثل ثانی) کو بوجہ تعارض روایات نہ بالیقین وقت ظہر میں داخل کر سکتے ہیں نہ وقت عصر میں یا یوں کہیے کہ ایک وجہ سے ظہر میں داخل ہے تو دوسرے طور سے عصر میں، تو اب بوجہ احتیاط حضرت امام صاحب نے ظاہر الروایت میں وقت مذکور (مثل ثانی) وقت ظہر میں شامل کر دیا تا کہ کوئی صلوٰۃ عصر وقت مذکور (مثل ثانی) میں ادا کر کے ادائے صلوٰۃ قبل الوقت کے احتمال میں نہ پڑ جائے، اور وقت یقینی کو ترک کر کے وقت محتمل میں صلوٰۃ عصر کو ادا نہ کرے۔

رہی صلوٰۃ ظہر، اس کا وقت یعنی گو ایک مثل تک ہے لیکن اگر کسی ضرورت یا غفلت کی وجہ سے کسی کو صلوٰۃ مذکور (ظہر کی نماز) وقت یقینی میں ادا کرنے کا اتفاق نہ ہوا تو اب یہی چاہیے کہ مابین المثلین (مثل ثانی) ہی میں اس کو ادا کر لے کیوں کہ یہ وقت گو وقت محتمل

ہے تاہم اور اوقات سے تو عمدہ ہے یہاں احتمال ادا تو ہے اور اوقات میں تو یہ بھی نہیں بلکہ بالیقین قضاء محض ہے۔

بالجملہ مطلب ظاہر الروایت یہ ہے کہ وقت ما بین المثلین کا بوجہ معروضہ (مذکورہ وجہ کی بنا پر) وقت ظہر میں شمار کرنا مناسب ہے کیوں کہ وقت عصر میں داخل کرنے سے ادائے صلوٰۃ قبل الوقت کا احتمال باقی ہے۔

یہ مطلب نہیں کہ وقت مذکور (مثل ثانی) بالیقین وقت ظہر میں داخل ہے اور جیسا بقائے ظہر مثل تلک یقینی ہے بعینہ ایسا ہی مثلین تلک وقت ظہر باقی رہتا ہے، بلکہ وقت ظہر یقینی تو مثل تلک ہے اور ابتدائے عصر بالیقین مثلین سے ہوتا ہے اور درمیان کا وقت بوجہ روایات مختلفہ دونوں امر کا محتمل ہے۔ (ص ۱۵۵، ۱۵۶، فخریہ)

حضرت قدس سرہ نے یہ نقطہ نظر دو وجہ سے اپنایا ہے ایک اس وجہ سے کہ مثلین تک وقت ظہر کے باقی رہنے کی کوئی صریح روایت نہیں ہے، اس لیے احتمال ہے کہ مثل ثانی عصر کا وقت ہو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ امامت جبرئیل والی حدیث کی تاریخ معلوم ہے وہ اس وقت کی روایت ہے جب پانچ نمازیں فرض ہوئی تھیں یعنی اسلام کے بالکل دور اول کی روایت ہے، اور باقی تمام روایتیں مابعد کی ہیں اس لیے احتمال ہے کہ مثل اور مثلین کے معاملہ میں نسخ ہوا ہو، یعنی عصر کا وقت کٹ کر مثلین سے کر دیا گیا ہو اور ظہر کا وقت بڑھا کر مثلین تک کر دیا ہو، لہٰذا مثل ثانی میں شک پیدا ہو گیا کہ وہ عصر کا وقت رہا یا نہیں؟ اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عصر کی نماز مثل ثانی کے بعد پڑھی جائے تا کہ بالیقین ذمہ فارغ ہو جائے اگر مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھی جائے گی تو آخری تین روایتوں کی بنا پر کھٹکا رہے گا کہ شاید نماز وقت سے پہلے پڑھی گئی ہو اور ذمہ فارغ نہ ہوا ہو۔

رہا ظہر کا معاملہ تو اگر وہ مثل اول میں ادا کی گئی ہے تب تو وہ بالیقین ادا ہو گئی اور اگر مثل ثانی میں پڑھی گئی ہے تب بھی ذمہ فارغ ہو جائے گا۔ کیوں کہ امامت جبرئیل والی حدیث

ے پیش نظر اگر ظہر کی نماز ادا نہ ہوگی تو قضا ہو جائے گی اور قضا سے بھی ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔

الغرض جمہور نے جو مؤقف اختیار کیا ہے وہ اولاً تو مبنی بر احتیاط نہیں اور ثانیاً ان کے مذہب کے مطابق آخری تین روایتوں کو ترک کرنا لازم آتا ہے، اور امام اعظم نے ایسا طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ اس میں احتیاط بھی ہے اور تمام روایتوں پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔

فجزاہ اللہ تعالیٰ خیرا و اثابہ بما ہو اہلہ۔ آمین۔

جمہور کے پاس بھی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے:

جمہور کا مستدل یعنی امام جبرئیل والی حدیث قطعی دلیل نہیں ہے کیوں کہ اس میں نسخ کا احتمال ہے اور یہ احتمال بے دلیل نہیں ہے بلکہ آخری تین روایتوں کی بنا پر احتمال پیدا ہوا ہے دلیل کے قطعی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسی نص پیش کی جائے جس سے دائماً حضور اکرم ﷺ کا مثل ثانی میں عصر پڑھنا ثابت ہوتا ہو یا کم از کم ایسی تصریح پیش کی جائے کہ حضور اکرم ﷺ کا آخری عمل مثل ثانی میں عصر پڑھنے کا تھا اور ایسی تصریحات جمہور کے پاس نہیں ہے۔

احناف کے دلائل

پہلی حدیث:

عن عبداللہ بن رافع ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ سأل ابا ہریرۃ عن وقت الصلوۃ فقال ابو ہریرۃ انا اخبرک صلی الظہر اذا کان ظلک مثلک والعصر اذا کان مثلیک۔

عبداللہ بن رافع جو آنحضرت ﷺ کی بی بی ام سلمہ کے مولیٰ ہیں انہوں نے ابو ہریرہ سے نماز کا وقت پوچھا کہا ابو ہریرہ نے میں بتاؤں تجھ کو نماز پڑھ ظہر کی جب سایہ تیرا تیرے

برابر ہو جائے اور عصر کی جب سایہ تیرا تجھ سے دونا ہو۔

(موطا امام مالك مترجم علامه وحيد الزمان غير مقلد ص۲۰، ۲۱)

دوسری حدیث:

عبدالله بن بن رافع مولى ام سلمة زوج النبى صلى الله عليه وسلم عن ابى هريرة انه ساله عن وقت الصلوٰة فقال ابوهريرة انا اخبرك صل الظهر اذا كان ظلك مثلك والعصر اذا كان ظلك مثليك.

عبداللہ بن رافع جو حضور اکرم ﷺ کی زوجہ ام سلمہ کے آزاد کردہ غلام ہیں انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے نماز کے اوقات کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت ابو ہریرہ نے کہا میں تمہیں بتلاتا ہوں۔ ظہر کی نماز ادا کرو جب تمہارا سایہ تمہارے برابر ہو جائے اور نماز عصر جب تمہارا سایہ تم سے دوگنا ہو جائے۔ **(موطا امام محمد مترجم ص۲۷)**

تیسری حدیث:

عن ام سلمة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اشد تعجيلا للظهر منكم وانتم اشد تعجيلا للعصر منه.

(ترمذى ص۵۱، مسند احمد ج٦ ص۲۸۹)

ام المومنین حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ تو ظہر کی نماز تم سے جلدی پڑھتے تھے اور تم لوگ عصر کی نماز کو آنحضرت ﷺ سے جلدی پڑھتے ہو۔

چوتھی حدیث:

رافع بن خديج ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرهم بتاخير العصر. (بيهقى ج۱ ص٤٤٣، هامشه الجوهر النقى ج۱ ص٤٤١)

حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کو حکم دیتے تھے وہ عصر کی

نماز کو مؤخر کر کے پڑھیں۔

پانچویں حدیث:

عن الاعمش قال کان اصحاب عبداللہ بن مسعود یعجلون الظہر ویؤخرون العصر. (مصنف عبدالرزاق ج۱ ص۵۴۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود کے ساتھی اور شاگرد ظہر کی نماز جلدی پڑھتے تھے اور عصر کی نماز تاخیر سے پڑھتے تھے۔

چھٹی حدیث:

عن ابی ہریرۃ انہ کان یؤخر العصر حتی اقول قد اصفرت الشمس.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج۱ ص۳۲۷)

سوار بن شبیب کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہ عصر کو اتنا مؤخر کر کے پڑھتے تھے کہ میں یہ خیال کرتا تھا شاید سورج زرد ہو گیا ہے۔

ساتویں حدیث:

علی بن شیبان قال قدمنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فکان یؤخر العصر ما دامت الشمس بیضاء نقیۃ.

(ابو داؤد ج۱ ص۵۹، ابن ماجۃ ص۴۸)

علی بن شیبان کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ عصر کی نماز مؤخر کر کے پڑھتے تھے جب تک سورج سفید اور صاف ہوتا ہے (زرد ہونے سے پہلے)۔

آٹھویں حدیث:

عن ابراہیم قال کان من قبلکم اشد تعجیلا للظہر واشد تاخیر

للعصر منكم. (مصنف عبدالرزاق ج۱ ص۵٤۰)

حضرت ابراہیم نخعی کہتے ہیں تم سے پہلے لوگ ظہر کی نماز کو تمہاری بہ نسبت جلدی پڑھتے اور عصر کی نماز کو تم سے زیادہ مؤخر کرتے تھے۔

مولانا جونا گڑھی نے جو حدیث نقل کی ہے اس میں کئی خیانتیں کی ہیں۔

خیانت نمبر۱:

حدیث آدھی نقل کی ہے۔

خیانت نمبر۲:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن الحارث ضعیف ہے۔

(میزان الاعتدال ج۲ ص۵۵٤)

مگر مولانا جونا گڑھی نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔

خیانت نمبر۳:

متن حدیث میں مرتین (دو مرتبہ) کے الفاظ موجود تھے اور خود مولانا جونا گڑھی نے نقل بھی کیے ہیں مگر ان کا ترجمہ قصداً نہیں کیا۔ ترجمہ اس لیے نہیں کیا کہ جب عوام کو اس بات کا علم ہوگا کہ جبرائیل علیہ السلام نے دو مرتبہ نماز پڑھائی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلے ان کا ذکر مولانا جونا گڑھی نے نقل کر دیا مگر دوسرے دن کا ذکر نہ کیا کیوں کہ وہ ان کے مسلک کے خلاف تھا اس میں عصر کی نماز کا وقت مثلین پر ہے۔

خیانت نمبر۴:

اور حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں **ثم التفت الی فقال یا محمد هذا وقت الانبیاء من قبلك والوقت بين هذين الوقتين.** ''پھر میری طرف متوجہ ہوا، کہا اے محمدؐ یہ آپ سے پہلے نبیوں کا وقت ہے اور وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔''(۱)

الفاظ مولانا جونا گڑھی نے نقل نہیں کیے)

نوٹ:

ہم نے اپنے دلائل میں کئی حدیثیں نقل کر دی ہیں اگر کسی کو زیادہ تفصیل درکار ہو تو تنویر الحق مصنفہ نواب قطب الدین محدث دہلوی کا صفحہ ۴۴ تا ۵۰ تک ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض نمبر ۱۰۹:

لڑکی لڑکے کے پیشاب کا حکم

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن لبابة بنت الحارث ...... قال صلی الله علیه وسلم انما یغسل من بول الانثی وینضح من بول الذکر. (رواه احمد وابوداؤد وابن ماجة، مشکوة جز اول ص۵۲، باب تطهیر النجاسات) یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لڑکیوں کا ہی پیشاب دھویا جاتا ہے اور لڑکوں کے پیشاب پر تو چھینٹا دے لینا کافی ہے۔ یہ حدیث بہت صاف ہے کہ دودھ پیتے چھوٹے بچوں کے جو غذا نہ کھاتے ہوں پیشاب میں شریعت نے فرق کیا ہے لڑکیوں کا پیشاب دھونا ضروری ہے اور لڑکوں کے پیشاب پر صرف پانی کا چھینٹا دے لینا کافی ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان بھی یہی ہے اور اسی پر سید الطاہرین ﷺ کا عمل بھی رہا۔ ام قیس بنت محصن کے چھوٹے بچے نے آپ ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا تو آپ نے یہی کیا۔ (بخاری ومسلم) حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے آپ کی گود میں پیشاب کر دیا تو بھی آپ نے یہی کیا۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب نہ تو اس فعل رسول ﷺ پر خوش نہ اس فرمان رسول پر عامل اس کا فیصلہ

ہے کہ بول الصبی الذی لم یطعم کذالک (عینی شرح ہدایہ نو لکشور جلد اول ص [illegible] [illegible] کہ بچے کا پیشاب بھی ایسا ہی نجس ہے جیسا آدمیوں کے پیشاب کی طرح نجس ہے جب مطلب یہ ہوا کہ ایسے بچے کے پیشاب پر صرف چھینٹا دینا کافی نہیں۔ اب ہمارے دوست ہمیں بتائیں کہ اس اختلاف میں ہم کس طرف ہوں۔ آیا حدیث کی طرف یا حنفی والے کی طرف۔ (شمع محمدی ص ۱۳۰، ظفر المبین حصہ اول ص ۶۰)

جواب نمبر ۱:

حنفیہ کا استدلال اول تو ان تمام احادیث سے ہے جن میں پیشاب سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور اسے نجس قرار دیا گیا ہے یہ احادیث عام ہیں اور ان میں کسی خاص بول کی تخصیص نہیں۔

جواب نمبر ۲:

دوسرے امام صاحب کا مسلک خاص لڑکے کے پیشاب کے بارے میں بھی احادیث کے بالکل مطابق ہے کیوں کہ روایات میں جہاں لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکنے کے الفاظ ملتے ہیں وہاں پانی بہانے اور پانی ڈالنے کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پیشاب کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر پیشاب والی جگہ کے اوپر بہادیا۔

(طحاوی ج ۱ ص ۷۴، فتح الباری ج ۱ ص ۳۲۶، بحوالہ معجم اوسط للطبرانی)

ابن حجر نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری)

حدیث نمبر ۲:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بچے کو لایا گیا اور

اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے فرمایا اس کے پیشاب پر پانی بہاؤ۔

(طحاوی ج۱ ص۷۲، بخاری کتاب الوضوء ج۱ ص۳۵، باب حکم بول الغلام)

حدیث نمبر۳:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شیر خوار بچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اس نے آپ ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا آپ ﷺ نے پانی منگا کر اس جگہ بہا دیا۔ **(مسلم باب حکم بول الطفل، بخاری باب بول الصبیان ج۱ ص۳۵)**

حدیث نمبر۴:

حضرت ام کرز خزاعیہ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک بچہ لایا گیا اور اس نے آپ ﷺ پر پیشاب کر دیا تو آپ ﷺ نے اس پر پانی بہانے کا حکم دیا۔

(الفتح الربانی علامہ ساعاتی کتاب الطہارت فصل فی بول غلام الجاریۃ)

حدیث نمبر۵:

ام قیس بنت محصن کی ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک کم سن بچہ کو لے گئیں جو ابھی کھانے کی عمر کو نہیں پہنچا تھا اس بچے نے رسول اللہ ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے پانی منگا کر اس کپڑے پر بہا دیا، البتہ اس کو زیادہ (یعنی بہت زیادہ رگڑ رگڑ کر) کوشش سے نہیں دھویا۔

(مسلم باب حکم بول الطفل، کشف الستار عن زوائد البزار ج۱ ص۳۰ تلخیص الحبیر ج۱ ص۱۰۶)

حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ لڑکے کے پیشاب کا دھونا واجب ہے مگر بہت زیادہ مبالغہ کرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ لڑکی کے پیشاب میں مبالغہ کی ضرورت ہے۔

حدیث نمبر ۶:

ام الفضل سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا لڑکے کے پیشاب پر پانی بہا دیا جائے اور لڑکی کے پیشاب کو (اچھی طرح) دھولیا جائے۔

(طحاوی کتاب الطهارة ج۱ ص٦٨، باب حکم بول الغلام)

اکثر روایات میں پانی بہانے کا ذکر ہے۔ چھڑکنے اور بہانے میں فرق صاف ظاہر ہے کہ پانی بہا کر کپڑے کو ہلکا پھلکا دھولیا جاتا ہے جب کہ محض چھڑکنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

ناظرین ہم نے حنفی مسلک کے دلائل بھی نقل کر دیئے جن سے معلوم ہوا کہ دونوں طرح کی روایتیں موجود ہیں۔ حنفی مسلک کو حدیث کے خلاف کہنا بالکل غلط ہے۔ اب رہی ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دینا تو حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے جو تطبیق دی ہے وہ ہم نقل کرتے ہیں۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ پانی چھڑکنے اور بہانے کی روایتیں ایک دوسرے کے خلاف نہیں بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے پہلے کپڑے پر ہلکے سے چھینٹے مارے اور پھر اس پر پانی بہا دیا۔ (فتح الباری ج۱ ص۳۲۷)

اعتراض نمبر ۱۱:

جمعہ کے دن صبح کی نماز میں مخصوص سورتیں

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابی هريرة قال كان النبی صلی الله عليه وسلم يقرأ فی الفجر يوم الجمعة بالم تنزيل فی الركعة الاولی وفی الثانية هل اتی علی الانسان. (متفق عليه مشكوٰة ج۱ ص۸۰ باب القرأة فی الصلوٰة) یعنی رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن کی صبح کی فرض نماز کی پہلی رکعت میں سورہ الم سجدہ اور دوسری میں ہل اتی پڑھا کرتے۔

یعنی بلا۔ طبرانی کی حدیث میں ہے یدیم ذالک یعنی اس پر آپ کی ہمیشگی رہی۔ یہ حدیث کسی شرح و بسط کی محتاج نہیں۔ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی عادت یہی تھی مسنون طریقہ یہی ہے کہ جمعہ کی صبح کی نماز کے فرضوں میں یہ سورتیں برابر پڑھی جائیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے چنانچہ ہدایہ جلد اول ص ۱۰۰ باب القرأۃ میں لکھا ہے۔ (ویکرہ ان یوقت بشیء من القرآن لشیء من الصلوات) یعنی کسی نماز کے لیے قرآن کی کسی سورت کو مقرر کر لینا مکروہ ہے۔ اسی ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں اسی فقرے کے نیچے لکھا ہے کالسجدۃ والانسان لفجر الجمعۃ) یعنی سورہ الم سجدہ اور ہل اتی کا جمعہ کے دن کی صبح کی فرض نماز کی دونوں رکعتوں میں پڑھتے رہنا یہ مکروہ ہے۔ کہو حنفی بھائیو اب کیا سوچا؟ آیا یہ سمجھ کر کہ رسول اللہ ﷺ ایک مکروہ کام کیا کرتے تھے؟ تم اسے نہ کرو گے؟ یا فقہا کے اس فتوے کو مکروہ رکھ کر سنت نبوی پر عمل رکھو گے؟ (شمع محمدی ص ۱۳۱، ظفر المبین حصہ دوم ص ۱۷۲)

جواب:

فقہ حنفی میں اس مسئلہ میں تفصیل ہے صاحب شمع محمدی نے صرف لفظ مکروہ تو لکھ دیا اور اس کی وجہ نہیں لکھی۔ کہ کب مکروہ ہوگا اور کس طرح مکروہ کا حکم لگے گا۔ اس مسئلہ میں جمعہ کے دن فجر کی نماز والی حدیث تو لکھ دی مگر آپ ﷺ نے پوری پوری سورہ بقرہ، آل عمران، نساء بھی تو نماز میں پڑھی ہے، ان احادیث کا بالکل ذکر نہیں کیا اور جمعہ کی نماز، عید کی نماز، جمعہ کی رات کی مغرب کی نماز، اور ہر نماز کی ہر رکعت میں ہمیشہ قل ہو اللہ احد پڑھنا بھی صاحب مشکوۃ نے بخاری کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ کیا ان احادیث پر غیر مقلدین کا عمل

ہے۔ ہم نے غیر مقلدین کی کسی بھی مسجد میں کسی امام کو ہر رکعت میں ہمیشہ قل ہو اللہ احد پڑھتے نہیں دیکھا۔ جب کہ یہ حدیث بخاری کی ہے تو یہاں پر نبی کریم ﷺ کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے۔

ہدایہ کی عبارت کا صحیح مفہوم:

مفتی عبدالرحیم قاسمی لکھتے ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ کسی بھی نماز کے لیے قرآن کریم کے کسی خاص حصے کا پڑھنا لازم اور ضروری نہیں ہے کہ اگر اس نماز میں اس حصے کو نہ پڑھا جائے گا تو نماز ہی درست نہیں ہوگی۔ کیوں کہ قرأت قرآن کے سلسلے میں جو آیت ہے یعنی (فاقرؤا ما تيسر من القرآن) وہ مطلق ہے اور المطلق يجرى على اطلاقه کے پیش نظر پورے قرآن میں سے کہیں سے بھی قرأت کرنے سے نماز ہو جائے گی۔

لہٰذا قرآن کے کسی بھی حصے کو خاص کرنا درست نہیں ہے۔

اسی طرح کسی نماز کے لیے کسی سورت کو مثلاً مغرب کی نماز کے لیے معوذتین (یعنی فلق اور الناس) کو متعین کر کے پڑھنا (یعنی ان کے علاوہ دوسری سورۃ پڑھنا ہی نہیں) بھی مکروہ ہے کیوں کہ اس میں دو خرابیاں لازمی آتی ہیں۔ ① اس کے علاوہ باقی قرآن کا ترک ② یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ اس حصے کا پڑھنا افضل ہے اور بقیہ کا پڑھنا افضل نہیں ہے۔ جب کہ جواز صلاۃ کے لیے پورا قرآن پڑھنا یکساں ہے اور نماز میں تو کسی بھی حصے کو دوسرے پر فوقیت یا فضیلت حاصل نہیں ہے۔ (احسن الهدايه ج۲ ص۹۵، ۹۶)

ہدایہ کی مکمل عبارت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں

وليس في شيء من الصلوات قرأة سورة بعينها لا يجوز غيرها لاطلاق ماتلونا ويكره ان يوقت بشيء من القرآن لشيء من الصلوات لما فيه من هجر الباقي وايهام التفصيل.

اور نہیں ہے کسی نماز میں کوئی معین سورت پڑھنا کہ اس کے علاوہ جائز نہ ہو بدلیل مطلق ہونے اس آیت کے جو ہم نے تلاوت کی اور مکروہ ہے یہ کہ مقرر کر لے قرآن کا کوئی حصہ کسی نماز کے لیے کیوں کہ اس میں باقی قرآن کا چھوڑنا اور مقرر کردہ کو فضیلت دینے کا وہم لازم آتا ہے۔

تشریح:

مولانا محمد حنیف گنگوہی لکھتے ہیں:

قوله وليس بشيء الخ یہاں دو مسئلے ہیں جن میں سے ایک **وليس في شيء من الصلوات** ہے اور دوسرا **ويكره ان يوقت** ہے اور بظاہر ان دونوں کا مفاد حکم گو ایک ہی معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ دونوں وضعاً اور بیاناً ہر دو اعتبار سے متغایر ہیں، وضعاً تو اس لیے کہ پہلا مسئلہ مسائل قدوری میں سے ہے اور دوسرا مسئلہ مسائل جامع صغیر میں سے ہے اور صاحب ہدایہ نے اس کا التزام کیا ہے کہ جب روایتیں مختلف ہوں تو دونوں کو ذکر کرتے ہیں اور بیاناً اس لیے کہ پہلے مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی نماز میں ادائیگی قرأت کے لیے کوئی سورت معین ہو کر فرض نہیں کہ اس سورت کے علاوہ کوئی دوسری سورت جائز نہ ہو۔ اس میں امام شافعی کے مذہب سے احتراز ہے کہ وہ جواز صلوٰۃ کے لیے قرأت فاتحہ کو معین کرتے ہیں اور دوسرے مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ نمازی کا قرآن کی کسی سورت (مثلاً **الم سجده** اور **هل اتى الانسان** وغیرہ) کو کسی نماز کے لیے اس طرح مقرر کرنا کہ اس میں وہی سورت پڑھنا واجب ہے مکروہ ہے۔ (عنایہ)

پھر اس مسئلہ کے حکم اور اس کی علت کے بارے میں فقہاء کی عبارتیں مختلف اور اس کی تحقیق میں ان کے اقوال متناقض ہیں اس لیے یہاں اس کی تفصیل ضروری ہے۔ سو جاننا چاہیے کہ امام محمد نے جامع صغیر میں لکھا ہے **يكره ان يوقت الرجل شيئاً من القرآن لشيء من الصلوة** کہ نمازی کا قرآن کے کسی حصہ کو کسی نماز کے لیے مقرر کر لینا مکروہ ہے

اب اس کی علت کیا ہے؟

صدر شہید نے شرح جامع صغیر میں کہا ہے۔ **لان فیه هجر الباقی** کہ اس میں باقی قرآن کا ہجر (چھوڑنا) لازم آتا ہے اور یہ مکروہ ہے لقولہ تعالیٰ **وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا** یعنی ضدی معاندین نے جب کسی طرح نصیحت پر کان نہ دھرا تب پیغمبر علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں شکایت کی کہ خداوند میری قوم نہیں سنتی انہوں نے قرآن جیسی عظیم الشان اور قابل قدر کتاب کو بالکل مہجور و متروک کر چھوڑا ہے۔

صاحب ہدایہ نے اس علت کے ساتھ وایہام التفضیل بھی ذکر کیا ہے کہ اس میں ایہام تفضیل بھی ہے یعنی یہ وہم ہوتا ہے کہ نضیلت اسی سورت کو حاصل ہے دوسری کو نہیں۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہے۔

صاحب نہایہ نے امام طحاوی اور اسبیجابی کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں **(هذا الذی ذکرنا اذا اراه حتما واجبا لایجری غیرها او رأی القرأة بغیرها مکروهة اما لو قرأها فی تلك الصلوة تبرکا بقرأة رسول الله صلی الله علیه وسلم او تأسیا به او لاجل التیسیر فلا کراهة فی ذلك لكن یشترط ان یقرأ غیرها احیانًا لئلا یظن الجاهل الغبی انه لا یجوز غیر ذالك وغالب العوام علی الاعتقاد بطلان الصلوة تبرك سوره الم تنزیل السجدة وما یحملهم علی هذا الا التزام الشافعیة قرأة سورة السجده انتهی. (ومثله فی خزا المفتین)**

یعنی مذکورہ حکم اس وقت ہے جب اسی کا پڑھنا حتمی واجب سمجھے اس طرح کہ اس کے سوا جائز نہیں یا یہ سمجھے کہ اس سورت کے سوا اور کچھ پڑھنا مکروہ ہے لیکن اگر کوئی سورت اس لیے مقرر کر لے کہ وہ اس پر آسان ہے یا آنحضرت ﷺ نے اس کو پڑھا ہے یا تبرک کے طور پر مقرر کر لیا تو کراہت نہ ہوگی بشرطیکہ کبھی کبھی اس کے علاوہ بھی پڑھ لے تاکہ عوام جاہلوں کو یہ گمان نہ جم جائے کہ اس نماز کے لیے اس سورت کی قرأت مقرر ہے دوسری جائز

نہیں چنانچہ شافعیہ نے جو سورہ سجدہ کا نماز جمعہ و فجر میں بوجہ سنت کے التزام کیا ہے اس سے اکثر عوام میں یہ اعتقاد بیٹھ گیا کہ اس وقت میں یہی مخصوص ہے حتی کہ اس کے بغیر جائز نہیں۔

ان عبارات کا حاصل یہ نکلا کہ کراہت تعیین دوامی کی علت کے سلسلہ میں چار قول ہیں۔

اول یہ کہ تعیین کی صورت میں باقی قرآن کا ہجر لازم آتا ہے۔

دوم یہ کہ اس میں ایہام تفضیل ہے۔

سوم یہ کہ ہجر باقی اور ایہام تفضیل دونوں ہیں۔

چہارم یہ کہ معین کردہ سورت کے علاوہ عدم جوازِ صلاۃ کا اعتقاد ہوتا ہے۔

اب اگر علت مانی جائے تو کسی نماز کے لیے کوئی سورت ہمیشہ کے لیے مقرر کرنا اس وقت مکروہ ہوگا جب کسی اور نماز میں بھی اس سورت کے علاوہ نہ پڑھے اس لیے کہ اگر کسی خاص نماز کے لیے کوئی سورت معین کرے اور اس نماز کے علاوہ دیگر نمازوں میں دیگر سورتیں پڑھے تو اس صورت میں باقی قرآن کا ہجر لازم نہیں آتا اور اگر دوسری علت مانی جائے تو مداومت علی الاطلاق مکروہ ہوگی دیگر سورت پڑھے یا نہ پڑھے۔ اور تیسری علت اگر مجموع من حیث المجموع معتبر ہو تو اس کا حال اول کا سا ہوگا اور اگر ان میں سے ہر ایک مستقلاً معتبر ہو تو یہ علت ثانی کی طرح ہوگی اور چوتھی علت پر مداومت اس وقت مکروہ ہو گی جب مقرر کردہ سورت کے علاوہ عدم جواز صلوٰۃ کا اعتقاد ہو۔

اسی اختلاف کی طرح ایک دوسرا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ ہر جمعہ کے روز نماز میں سورہ سجدہ اور سورہ دہر کی مداومت مکروہ ہے یا نہیں؟ سو جو لوگ تعلیل رابع کے قائل ہیں ان کے یہاں مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ اعتقاد مذکور سے خالی ہو اور جو لوگ تعلیل اول کے قائل ہیں وہ بھی مکروہ نہیں کہتے جب کہ دیگر نمازوں میں دیگر سورتیں پڑھتا ہو، لیکن جو لوگ تعلیل ثانی اور تعلیل ثالث کے قائل ہیں ان دونوں فرقوں کے نزدیک مداومت مذکورہ علی الاطلاق مکروہ

ہے اسی اختلاف پر یہ بات متفرع ہوتی ہے کہ مسئلہ مذکورہ ہمارے اور شوافع کے درمیان اختلافی ہے یا اتفاقی؟ سو قول رابع پر تو مسئلہ اتفاقی قرار پاتا ہے اور باقی اقوال پر اختلافی ہوتا ہے اور یہ مشہور بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ہمارے اور شوافع کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور مسئلہ کی اصل علت یہ ہے کہ اس میں شارع کی تعیین کے بغیر اپنی طرف سے ایک چیز کو معین کرنا لازم آتا ہے جو بالیقین مکروہ ہے۔

(غاية السعايه ج۲ ص۴۱۶، ۴۱۷)

اعتراض نمبر۱۱۱:

نماز جمعہ کی مخصوص سورتیں

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن عبيد الله بن ابي رافع قال استخلف مروان ابا هريرة على المدينة وخرج الى مكة فصلى لنا ابو هريرة الجمعة فقرأ سورة الجمعة في السجدة الاولى وفي الاخرة اذا جاء ك المنافقون. فقال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ بهما يوم الجمعة. (رواه مسلم مشكوة جلد اول ص٨٠، باب القرأة) یعنی حضرت ابو ہریرہؓ جب مدینے شریف کے حاکم تھے آپ نے جمعہ پڑھایا اور پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری میں سورہ منافقون پڑھی اور فرمایا آنحضرت ﷺ ان سورتوں کی اس نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ پس صحابہ کے نزدیک تو یہ مسنون اس کا ثبوت حضور ﷺ کے فعل سے موجود اور مسلم شریف جیسی صحیح کتاب گواہ۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب کے نزدیک یہ مکروہ چنانچہ اسی ہدایہ کی یہی شرح فتح القدیر ہدایہ کی اسی

مندرجہ بالا عبارت کے تحت میں لکھا ہے والجمعة والمنافقين للجمعة یعنی سورہ جمعہ اور سورہ منافقون کا تقرر جمعہ کی نماز کے لیے کرنا مکروہ ہے۔ اب محمدی کے ناظرین اپنا فیصلہ سنائیں کہ [illegible] رہیں گے یا [illegible] یر والے بنیں گے؟

(شمع محمدی ص۱۳۲، ظفر المبین حصہ دوم ص۱۷۲)

جواب:

اس مسئلہ کی کچھ تفصیل تو مسئلہ نمبر۱۰ امیں گزر چکی ہے کچھ یہاں پر نقل کرتے ہیں۔ کسی نماز میں خاص کسی سورہ کو پڑھنا اور یہ اعتقاد بھی رکھنا کہ اس طرح کرنا ہی ضروری ہے۔ اس کے خلاف کرنا جائز نہیں یا سنت کے خلاف ہے۔ اور اس کی یہ نماز سنت کے مطابق نہیں ہو گی۔ تو ہم غیر مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے نزدیک ایسا اعتقاد کر کے یہ عمل کرنا درست ہے۔ ہمارے نزدیک ایسا اعتقاد کرنا درست نہیں اگر اس کو ایسا ہی ضروری سمجھے گا تو پھر مکروہ ہو گا۔ ہدایہ میں جو مکروہ کا حکم لکھا ہے وہ ایسے عمل کے متعلق لکھا ہے۔ بعض چیزیں صرف مباح ہوتی ہیں یا زیادہ سے زیادہ مستحب کے درجہ میں ہوتی ہیں جب ان کو فرض اور واجب یا سنت موکدہ کی طرح سمجھ لیا جائے اور نہ کرنے والے پر اعتراض کیا جائے تو یہ دین میں ایک غیر فرض کو فرض بنتا ہے۔ اس لیے پھر ایسے کام پر مکروہ کا حکم کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

اگر کوئی یہ اعتقاد نہیں رکھتا صرف اس لیے پڑھتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پڑھی ہے تو حنفی مذہب میں جائز ہے۔

نماز میں قرأت کے مسئلہ میں روایات مختلف ہیں صرف ایک کو نقل کر کے باقی کا ذکر نہ کرنا درست نہیں۔ ہم یہاں پر کچھ مختلف روایات نقل کرتے ہیں۔ تا کہ مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

صاحب شمع محمدی نے یہ حدیث تو نقل کر دی کہ آپ نے پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ منافقون پڑھی۔ دوسری احادیث کا ذکر نہیں کیا جس میں جمعہ کی نماز

میں سبح اسم ربك الاعلٰی اورھل اتٰك حدیث الغاشیہ پڑھنے کا ذکر تھا۔

حدیث:

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ، عیدالفطر اور جمعہ کی نماز میں سبح اسم ربك الاعلٰی اورھل اتٰك حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے۔ اور حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ جب عید اور جمعہ دونوں ایک ساتھ جمع ہو جاتے تو آپ ﷺ نماز عید اور نماز جمعہ دونوں میں یہی دونوں سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔(مشکوٰۃ باب القرأۃ)

ناظرین اس حدیث میں ہے کہ آپ سبح اسم ربك الاعلٰی اورھل اتٰك حدیث الغاشیہ پڑھتے تھے اور جو حدیث صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہے۔ اس میں ہے کہ سورہ جمعہ اور منافقون پڑھتے تھے تو ان دونوں میں سے ضروری پڑھنا کون سی ہوں گی۔ ہمارے نزدیک دونوں پڑھنی جائز ہیں مگر فرض یا واجب نہیں قرآن کا جو حکم ہے وہ عام ہے۔ حنفی مذہب میں نماز کے اندر مطلق قرأت فرض ہے۔ کسی خاص سورہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے۔ البتہ جائز ہے۔ غیر مقلدین بھی خود ان احادیث پر عمل نہیں کرتے جن میں خاص خاص سورتیں پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں بعض احادیث۔

نماز ظہر کی قرأت

حدیث:

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں سورۃ واللیل اذا یغشٰی پڑھا کرتے تھے اور دوسری ایک روایت میں مذکور ہے سورہ سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا کرتے تھے۔ اور عصر کی نماز میں بھی اسی قدر پڑھتے تھے اور فجر کی نماز میں اس سے طویل قرأت کرتے تھے۔(مشکوٰۃ باب القرأۃ)

نماز مغرب کی قرأت

حدیث:

حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، باب القرأۃ)

اس حدیث سے اگر کوئی یہ ثابت کرے کہ مغرب کی نماز میں سورہ طور ہی پڑھنا ضروری اور سنت ہے۔ دوسری سورتوں کی قرأت سنت کے خلاف ہے۔ کیا اس کی یہ بات درست ہوگی۔ کیا تمام غیر مقلدین اس حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

حدیث:

سیدہ ام فضل بنت حارث فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں سورۃ مرسلات تلاوت فرماتے ہوئے سنا ہے۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب القرأۃ)

نماز عشاء میں قرأت

حدیث:

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورہ والتین والزیتون پڑھتے سنا ہے۔ اور میں نے آپ ﷺ سے کسی کی اچھی آواز نہیں سنی۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب القرأۃ)

فجر کی نماز میں قرأت

حدیث:

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں سورہ ق والقرآن المجید اور اس جیسی کوئی اور سورت پڑھتے تھے۔ (مشکوٰۃ باب القرأۃ)

حدیث:

حضرت عمرو بن حریث سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ نے فجر کی نماز میں واللیل اذا یغشیٰ کی تلاوت کی۔ (مسلم، مشکوٰۃ باب القرأۃ)

حدیث:

حضرت عبداللہ بن سائب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مکہ مکرمہ میں فجر کی نماز پڑھائی اور سورۃ المومنین کی قرأت شروع کی جب آپ حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے ذکر پر پہنچے تو آپ کو کھانسی شروع ہو گئی پھر آپ ﷺ رکوع میں چلے گئے۔ (مسلم، مشکوٰۃ باب القرأۃ)

نماز عید کی قرأت

نماز عید کی قرأت کے متعلق بھی روایات مختلف میں بعض اوپر نقل ہو چکی ہیں۔

حدیث:

حضرت عبیداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت ابو واقد لیثی سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کیا پڑھتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ ان دونوں نمازوں میں سورۃ ق والقرآن المجید اور سورہ اقتربت الساعۃ پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم باب القرأۃ)

فجر کی سنتوں کی قرأت

حدیث:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتوں میں قل یایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔ (مسلم، مشکوٰۃ باب القرأۃ)

حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتوں میں سورۃ بقرہ کی یہ آیت قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا اورسورۃ آل عمران کی یہ آیت قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ پڑھتے تھے۔

(مسلم، مشکوٰۃ باب القرأۃ)

نماز مغرب کی قرأت

حدیث:

حضرت عائشہ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورہ اعراف تقسیم کر کے دونوں رکعتوں میں پڑھی ہے۔ (مشکوٰۃ، باب القرأۃ فصل ثانی)

اس حدیث سے مغرب کی نماز میں مکمل سورہ اعراف پڑھنا ثابت ہو رہا ہے۔ اور یہ روایت نسائی، مسند احمد، ابوداؤد کی ہے۔ کیا اس روایت کے پیش نظر مغرب کی نماز میں سورۃ اعراف پڑھنا فرض ہو جائے گا۔ اگر کوئی اس حدیث پر عمل نہ کرے تو اس کی نماز خلاف سنت ہوگی۔

حدیث:

حضرت معاذ بن عبداللہ جہنی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہنی کے ایک آدمی نے مجھ سے بیان کیا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو فجر کی دونوں رکعتوں میں سورہ اذا زلزلت الارض پڑھتے سنا الحدیث۔ (مشکوٰۃ باب القرأت فصل ثالث)

حدیث:

حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر نے فجر کی نماز میں دونوں رکعتوں میں سورہ بقرہ کی تلاوت کی۔

(موطا امام مالک، مشکوٰۃ باب القرأۃ فصل ثالث)

حدیث:

حضرت فرافصہ بن عمیر حنفی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سورہ یوسف حضرت عثمان سے سن سن کر یاد کی ہے۔ کیوں کہ وہ اس سورت کو نماز فجر میں کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔(موطاامام مالکؒ، مشکوٰۃ باب القرأۃ فصل ثالث)

حدیث:

حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عمر کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی انہوں نے دونوں رکعتوں میں سورہ یوسف اور سورہ حج کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے۔(موطاامام مالک، مشکوٰۃ باب القرأۃ فصل ثالث)

نماز مغرب کی قرأۃ

حدیث:

حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورہ حم دخان کو پڑھا۔(نسائی مشکوٰۃ باب القرأۃ)

ناظرین یہ مختلف روایات صرف ایک کتاب مشکوٰۃ سے نقل کی ہیں اگر دیگر کتب میں تلاش کی جائیں تو بہت جمع ہوسکتی ہیں۔ان روایات سے حنفی مذہب ہی کی فوقیت ثابت ہوتی ہے کہ کسی نماز میں کسی سورہ کو خاص نہیں کرنا چاہیے نماز میں قرآن کی قرأۃ فرض ہے کسی سورۃ خاص کی فرض نہیں اگر کوئی پڑھے تو صرف جائز ہے۔اور مقتدی پر وہ بھی نہیں۔

اعتراض نمبر۱۱۲:

سجدہ سے انکار

(یعنی سورہ حج میں دو سجدے ہیں یا ایک)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن عقبة بن عامر قال قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم فضلت سورة الحج بان فيها سجدتين قال نعم ومن لم يسجدهما فلا يقرأهما.

(ابوداؤد، مشکوٰۃ جلد اول ص۹۴، کتاب الصلوٰۃ باب سجود القرآن)

یعنی رسول اللہ ﷺ سے حضرت عقبہ نے کہا کہ حضور سورہ حج کو یہ فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دو سجدے تلاوت کے ہیں آپ نے فرمایا ہاں اور جو یہ سجدے نہ کرے وہ انہیں نہ پڑھے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب سورہ حج میں سجدہ تلاوت دونہیں مانتا وہ کہتا ہے **والاولی من الحج** یعنی سورہ حج کا پہلا سجدہ کرے۔ پس جسے اللہ تعالیٰ نے دو سجدوں کے ساتھ فضیلت دی تھی اس سے ایک سجدہ ہی کم کر دیا گیا۔ کہیے اب حنفی بھائیو! آپ کیا کریں گے؟ ایک سجدے کے قائل ہو کر دوسرے سجدے کا انکار فقہ کی تعلیم کے ماتحت؟ یا دونوں سجدوں کا اقرار حدیث کی تعلیم کے مطابق۔ (شمع محمدی ص۱۳۲)

جواب:

سجدہ تلاوت کے متعلق روایات مختلف ہیں اس لیے محدثین میں اختلاف پیدا ہوا کہ سجدہ تلاوت کتنے ہیں اور کہاں کہاں ہیں۔ قرآن وسنت اور صحابہ کرام کی تعلیمات کی روشنی میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک کل سجدہ چودہ ہیں۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے:

نمبر۱	سورۃ اعراف	آیت نمبر۲۰۶
نمبر۲	سورۃ الرعد	آیت نمبر۱۵
نمبر۳	سورۃ النحل	آیت نمبر۵۰

نمبر۴ سورۃ الاسراء آیت نمبر۱۰۹

نمبر۵ سورۃ مریم آیت نمبر۵۸

نمبر۶ سورۃ حج کا پہلا سجدہ آیت نمبر۱۸

نمبر۷ سورۃ الفرقان آیت نمبر۶۰

نمبر۸ سورۃ النمل آیت نمبر۲۶

نمبر۹ سورۃ السجدہ آیت نمبر۱۵

نمبر۱۰ سورۃ ص آیت نمبر۲۴

نمبر۱۱ سورۃ حم السجدہ آیت نمبر۳۸

نمبر۱۲ سورۃ النجم آیت نمبر۶۲

نمبر۱۳ سورۃ الانشقاق آیت نمبر۲۱

نمبر۱۴ سورۃ العلق آیت نمبر۱۹

حنفی مسلک کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث:

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم دونوں قرآن کریم کے سجدات کو ان سورتوں میں شمار کرتے تھے۔ سورہ اعراف، رعد، نحل، بنی اسرائیل (یعنی الاسراء) مریم، (والحج اولہا) حج میں پہلا سجدہ، فرقان، طس (یعنی النمل) الم تنزیل (یعنی سجدہ)، ص، حم السجدہ۔ (مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۳۳۵)

اس حدیث سے ۱۱ مقام پر سجدہ ثابت ہوا۔

نمبر۱۲ سورۃ النجم میں سجدہ کا ثبوت۔

حدیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ نبی

کریم ﷺ نے سورۃ نجم تلاوت کی اور سجدہ ادا کیا اور آپ کے ساتھ تمام لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔ (بخاری ج ا ص ۱۴۶، مسلم ج ا ص ۲۱۵، طحاوی ج ا ص ۲۰۷)

اس حدیث سے سورۃ النجم میں سجدہ کا ثبوت ہوا اور سجدوں کے تعداد ۱۲ ہوگئی۔

نمبر ۱۳ اور نمبر ۱۴ یعنی سورہ انشقاق اور سورۃ اقرأ میں سجدے کا ثبوت۔

حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ اذا السماء انشقت اور سورۃ اقرء میں سجدہ تلاوت ادا کیا۔ (مسلم ج ا ص ۲۱۵)

ناظرین ہم نے چودہ سجدے دلائل سے ثابت کر دیے ہیں۔

اب خاص یہ بات ثابت کرنی ہے کہ سورہ حج میں سجدہ ایک ہے۔

حدیث نمبر ا:

ہم نے اوپر جو حدیث حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۳۳۵ کے حوالہ سے نقل کی ہے اس میں صراحت موجود ہے کہ یہ دونوں حضرت سورہ حج میں پہلے سجدہ ہی مانتے تھے۔

حدیث نمبر ۲:

حضرت سعید بن میسب اور حسن بصری کہتے ہیں کہ سورہ حج میں ایک ہی سجدہ ہے اور وہ پہلا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۲)

حدیث نمبر ۳:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ سورہ حج میں پہلا سجدہ تلاوت مؤکدہ ہے اور دوسرا سجدہ تعلیم ہے یعنی اس میں نماز کے سجدہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ (طحاوی ج ا ص ۲۱۳، مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۳۴۲)

حدیث نمبر ۴:

امام محمد فرماتے ہیں۔

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سورۃ حج میں صرف پہلا سجدہ کرتے تھے اور اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ (**موطا امام محمد باب: سجود القرآن**)

حدیث نمبر ۵:

حضرت عبداللہ بن عباس، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، جابر بن یزید سے بھی یہ بات منقول ہے کہ سورۃ حج میں صرف پہلا سجدہ ہی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۲)

رہی وہ روایت جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں۔ **لیس اسناده بالقوی**

کہا ابو عیسیٰ نے اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے۔ (ترمذی، باب فی السجدۃ فی الحج)

اعتراض نمبر ۱۱۳:

وجوب سجدہ تلاوت

(سورہ نجم میں سجدے کا حکم)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن زید بن ثابت قال قرأت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والنجم فلم یسجد فیها. (متفق علیه، مشکوٰة جلد اول ص ۹۴، کتاب الصلوٰة باب سجود القرآن) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ والنجم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سنی اور سجدہ تلاوت نہیں کیا۔ یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب کہتا ہے **والسجدة واجبة فی هذه المواضع علی التالی والسامع (هدایه کتاب الصلوٰة جلد۱ ص۱۴۳، باب فی سجدة التلاوة)** یعنی ان تمام جگہ سجدہ تلاوت واجب ہے قرأت کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی۔ یاد رہے کہ ان وجوب کی جگہوں میں اسی ہدایہ میں سورۃ والنجم کے سجدے کا بھی ذکر ہے۔ کہیے حنفی بھائی اب کیا فتویٰ دیں گے۔ (شمع محمدی ص۱۳۳)

جواب:

یہاں پر دو مسئلے ہیں ایک یہ کہ سجدہ تلاوت واجب ہے دوسرے سورۃ النجم میں بھی سجدہ ہے۔

حنفی مذہب کے دلائل:

سجدہ کی آیات تین قسم کی ہیں۔

پہلی قسم جن میں سجدہ کا امر ہے جیسا کہ **وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق)** اور مطلق امر وجوب کے لیے ہے۔

دوسری قسم جن میں سجدہ سے کفار کے استنکاف کا ذکر ہے جیسا کہ **وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُوْنَ (انشقاق)** کفار کی مخالفت واجب ہے۔

تیسری قسم جن میں انبیاء علیہم السلام کے سجدہ کا ذکر ہے جیسا کہ اس آیت میں ذکر ہے **اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا (مريم: ۵۸)** اور انبیاء علیہم السلام کی اقتدا لازم ہے جیسا کہ قرآن میں ہے **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ**

(انعام: ۹۰)

حدیث نمبر ۱:

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب بندہ آیت سجدہ تلاوت کرتا اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا بھاگتا ہے اور کہتا ہے افسوس ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا اس نے سجدہ کیا تو اس کے لیے تو جنت ہے اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا میں نے انکار کیا تو میرے لیے دوزخ ہے۔

(ابن ماجة باب سجود القرآن، مسلم ج۱ ص۶۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابن آدم **مامور بالسجود** ہے اور مطلق امر وجوب کے لیے آتا ہے۔

حدیث نمبر ۲:

حضرت ابن عباس سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے والنجم کا سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں اور جن اور انس نے سجدہ کیا۔

(بخاری باب سجدة النجم ص۱٤٦ حدیث نمبر ۱۰۷۱، مسلم باب سجود التلاوة)

حدیث نمبر ۳:

حضرت عبداللہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سورۃ النجم پڑھی پس آپ نے سجدہ کیا اور اس میں قوم کے ہر شخص نے سجدہ کیا۔

(بخاری، باب سجدة النجم)

حدیث نمبر ۴:

حضرت ابن عمر سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ آیت سجدہ کو پڑھتے اور ہم آپ کے پاس ہوتے تھے آپ سجدہ کرتے تو ہم بھی سجدہ کرتے پھر رش ہوتا

حتی کہ کسی کو اپنی پیشانی رکھنے کے لیے جگہ نہ ملتی جس پر وہ سجدہ کرتا۔

(بخاری، باب ازدحام الناس اذا قرأ الامام السجدة)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سجدہ واجب ہے اور سننے والوں پر بھی واجب ہے اسی لیے تو سننے کے بعد تمام لوگ سجدہ کرتے تھے یہاں تک کہ سجدہ کے لیے جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ لکھتے ہیں۔ تمام شہروں کے فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جب تلاوت کرنے والا آیت سجدہ کی تلاوت کرے تو جو اس کے پاس بیٹھا ہوا آیت سجدہ کو سن رہا ہو، اس پر واجب ہے کہ اس کے سجدہ کے ساتھ وہ بھی سجدہ کرے۔ حضرت عثمان نے کہا: جو آیت سجدہ کو سنے اس پر بھی سجدہ کرنا واجب ہے۔

(شرح ابن بطال ج۳ ص۵۹)

ناظرین ہم نے سجدہ کا واجب ہونا بھی ثابت کر دیا اور سورۃ النجم میں سجدہ کا ثبوت بھی دے دیا۔ اس مسئلہ کو حدیث کے خلاف کہنا درست نہیں ہے رہی وہ روایت جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔

پہلا جواب:

اس روایت میں سورۃ النجم میں سجدہ نہ کرنے کا ذکر ہے مگر دوسری روایات جو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں ان میں النجم میں سجدہ کرنے کا ذکر موجود ہے۔

دوسرا جواب:

سجدہ تلاوت فوراً ادا کرنا واجب نہیں بعد میں کرنا بھی جائز ہے اس روایت سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے فوراً سجدہ نہیں کیا۔ یہ کہاں ثابت ہوتا کہ آپ ﷺ نے بعد میں بھی نہیں کیا۔

تیسرا جواب:

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت زید بن ثابت نے اس وقت آیت سجدہ پڑھی ہو جس وقت میں سجدہ کرنا جائز نہ ہو اس لیے آپ نے اس وقت سجدہ نہیں کیا۔

چوتھا جواب:

یہ بھی احتمال ہے کہ آپ اس وقت باوضو نہ ہوں۔

لہٰذا اگر یہ تطبیق دے دی جائے تو دونوں قسم کی روایات کا آپس میں جو ٹکراؤ ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ محدثین نے اور بھی کئی جواب دیئے ہیں۔

بہرحال بات یہ ہے کہ حنفی مسلک کسی طرح بھی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۱۱۴:

کفن چور پر مہربانی

(یعنی کفن چور پر حد نہیں)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابی سلمة ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فی السارق ان سرق فاقطعوا یده. (رواه فی شرح السنة، مشکوٰه ج۲ ص۳۱۴، کتاب الحدود باب قطع السرقة) یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو۔ پہلے ہی حدیث گزر چکی ہے کہ پاؤ دینار یعنی تین درہم کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹ دینا چاہیے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حنفی مذہب جہاں چوری کی چیز کی اتنی مقدار کونہیں مانتا۔وہاں بہت سے چوروں کو بھی اس حکم میں داخل نہیں کرتا۔مثلاً وہ کہتا ہے لا قطع علی النباش یعنی کفن چور پر حد نہیں اس کا ہاتھ نہ کاٹنا چاہیے۔ملاحظہ ہو حنفی مذہب کی فقہ کی اول نمبر کتاب ہدایہ جلد دوم ص ۵۲۱، کتاب السرقہ)پس فرمایئے آپ کفن چوروں کا ساتھ دیں گے، یا حدیث رسول کا؟

(شمع محمدی ص ۱۳۳)

جواب:

صاحب شمع محمدی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حدیث میں کفن چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے اور فقہ حنفی میں کوئی سزا نہیں۔اور جو حدیث نقل کی ہے اس میں کفن چور کا ذکر تک نہیں ہم پہلے فقہ حنفی سے چوری کی سزا نقل کرتے ہیں پھر کفن چور کی سزا کے متعلق کچھ عرض کریں گے۔

فقہ حنفی میں چوری کی سزا:

(۱)قدوری میں ہے۔

جب کوئی عاقل بالغ کسی محفوظ جگہ سے دس درہم چرائے خواہ وہ سکہ دار ہوں یا بے سکہ ہوں یا دس درہم کی کوئی چیز ہوتو اس پر قطع (یعنی اس کا ہاتھ کاٹنا) واجب ہے۔

(اشراق نوری ترجمہ قدوری ص ۳۲۵)

قدوری کے علاوہ فقہ حنفی کی دیگر کتابوں میں چوری کی سزا موجود ہے۔صرف صفحات لکھ دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

(۲)احسن المسائل اردو ترجمہ کنز الدقائق ص ۱۸۶

(۳)شرح وقایہ اردو کتاب السرقہ ۱۹۰، ۱۹۱

(۴)اشرف الہدایہ ترجمہ ہدایہ جلد نمبر ۶ ص ۵۴۷ کتاب السرقہ

(۵)التسہیل الضروری المسائل القدوری اردو ص ۴۵۷ سرقہ کا بیان

(٦) تفسیر معارف القرآن جلد نمبر ۳ ص ۱۲۹، ۱۳۰، سورہ مائدہ آیت نمبر ۳۸ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

(۷) اسلامی فقہ جلد ۳ ص ۸۷ باب حد سرقہ

(۸) خلاصہ مسند امام اعظم ص ۲۲۰

(۹) موطا امام محمد کتاب الحدود فی السرقہ

(۱۰) کتاب الآثار کی شرح المختار باب الحد من قطع الطریق اوسرق ص ۴۶۶

(۱۱) اسلامی حدود باب چوری کی سزا (مولانا متین ہاشمی)

ناظرین ہم نے علماء نے احناف کی گیارہ کتب سے حوالہ جات سے پیش کیے ہیں کہ فقہ حنفی میں چوری کی سزا موجود ہے۔ اور ہے بھی وہ جو قرآن اور سنت میں موجود ہے۔ صاحب شمع محمدی نے جو حدیث پیش کی ہے۔ یہ حدیث جب ہمارے خلاف ہوتی جب ہم چوری کی سزا کا بالکل انکار کرتے۔ اب رہا کفن چوری کی سزا کا مسئلہ تو گزارش یہ ہے کہ صاحب شمع محمدی نے کوئی دلیل قرآن وسنت سے ایسی نقل نہیں کی جس میں صراحت کے ساتھ کفن چور کی سزا (حد) یعنی ہاتھ کاٹنا آئی ہو۔ دین اسلام میں اپنی مرضی نہیں ہے۔ شریعت نے جس جرم کی جو سزا شرائط اسلامیہ کی روشنی میں مقرر کی ہے وہ ہی ہے۔ بہت سے جرائم ایسے ہوتے ہیں جن پر شرعی حد نہیں ہوتی تعزیر ہوتی ہے۔ حد نہ ہونے سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اس جرم کی کوئی سزا ہی نہیں جب تعزیر موجود ہے تو سزا تو ہوئی اور بعض اوقات مجرم کو مال کا مالک معاف کر دیتا ہے جب مالک نے مجرم کو معاف کر دیا تو پھر سزا کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔

قرآن وسنت کی روشنی میں سارق (یعنی چور) کسے کہتے ہیں:

(۱) جو بھی کسی کا مال کا ناجائز طریقے سے لے لے، ضروری نہیں کہ اس کو سارق (چور) کہا جائے۔ جس نے امانت میں خیانت کی اس نے بھی غیر کا مال ناجائز طریقے سے

حاصل کیا ہے مگر اسے سارق نہیں کہا جاتا اور نہ ہی اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے یعنی اس پر حد نافذ نہیں ہوتی مگر یہ حرکت غلط ہے اس کی سزا قاضی تجویز کرے گا جیسے تعزیر کہیں گے۔

(۲) جو سود سے دوسرے کا مال حاصل کرے اس نے بھی غیر کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کیا ہے مگر اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔

بہت سے ایسے واقعات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں جن پر چور کا ہاتھ نہیں کاٹا گیا کہ وہ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں سارق نہیں بنتا جب تک قرآن وسنت کی روشنی میں کسی شخص پر ایسا جرم عائد نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹا جائے فقہ حنفی کیسے اجازت دے سکتی ہے۔

حدیث نمبر ۱:

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

ليس على خائن ولا منتحب ولا مجتطس قطع خیانت کرنے والے پر لٹیرا پن سے مال لینے والے پر اور جھپٹا مار کے مال لینے والے پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔

(مشکوٰة باب قطع السرقه فصل ثانی ص۳۱۳، ترمذی كتاب الحدود ص۱۸۷، ابو داؤد كتاب السرقه ج۲ ص۲۴۷، ابن حبان العلل ج۱ ص۴۵۰، نسانی سرقه ج۲ ص۲۶۱، ابن ماجه ج۲ ص۶۷)

حدیث نمبر ۲:

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا قطع فی ثمر معلق ولا فی حريسة جبل

درخت پر لگے پھل میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور نہ پہاڑوں پر چرنے والے جانور میں۔

(مشکوٰة باب قطع السرقة فصل ثانی موطا امام مالك كتاب الحدود)

حدیث نمبر۳:

حضرت بسر بن ابواء ارطاہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **لا قطع الایدی فی السفر** سفر میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ **(نسائی باب القطع فی السفر)**

حدیث نمبر۴:

بسر بن ارطاۃ سے روایت ہے کہا انہوں نے کہ سنا میں نے نبی کریم ﷺ سے کہ آپ فرماتے تھے کہ ہاتھ نہ کاٹے جاویں جہاد میں۔
(ترمذی باب ما جاء ان لا یقطع الایدی فی العزو)

حدیث نمبر۵:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں گھٹیا چیز کی چوری کرنے پر (چور کا) ہاتھ نہ کاٹا جاتا تھا۔ **(مصنف ابن ابی شیبۃ)**

حدیث نمبر۶:

عبداللہ بن یسار فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک ایسا آدمی لایا گیا جس نے مرغی چرائی تھی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا تو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے ان سے فرمایا کہ حضرت عثمان نے فرمایا کہ پرندہ چوری کرنے میں قطع (ہاتھ کاٹنا) نہیں۔ **(مصنف ابن ابی شیبۃ، مصنف عبدالرزاق)**

حدیث نمبر۷:

ابن ابی شیبہ نے سائب بن یزید کے اس قول کو نقل کیا ہے کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا ہے کہ پرندوں کے عوض اس کا ہاتھ کاٹا گیا ہو۔

حدیث نمبر۸:

چوری پر قطع ید نہیں ہے۔

امام بیہقی یہ قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ابوالدرداء کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ پرندے اور کبوتر ہیں جو محروز نہ ہوں۔

سنن الکبریٰ بیہقی کتاب الحدود نصب الرایہ کتاب الحدود ج ۳ ص ۳۶۵، مرقات جلد نمبر ۷، ص ۱۵۷ تا ص ۱۵۹۔

ان احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ مطلقاً کسی کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کرنے والا سارق (چور) نہیں ہے کہ اس پر حدِ سرقہ لگا کر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اگر چہ ان صورتوں میں وہ گناہ گار ہوگا اور اس کے لیے کوئی دوسری سزا معین کی جا سکتی ہے جو قاضی کرے گا اس کو تعزیر کہیں گے۔

لہٰذا احادیث و آثار کی روشنی میں ہمیں سرقہ (چوری) کی ایسی تعریف کرنا پڑے گی۔ جو جامع مانع ہو اور اس لحاظ سے جو سارق ہو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور کفن چور کا ہاتھ کاٹنے کے بارے میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے وہ سخت قسم کی منکر ہے امام بیہقی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اس کی سند میں بشر بن حازم ہے جو کہ مجہول ہے ان کے علاوہ اور بہت سی علتیں اس میں پائی جاتی ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۱۵:

چوروں کی ہمدردی

(یعنی کعبۃ اللہ اور مسجد حرام کے دروازے چرانے پر حد نہیں)

صاحب شمع محمدی نقل کرتے ہیں

اسی حدیث کو اور نمبر ۶ کی حدیث کو تین درہم کی قیمت کا مال چرانے والے کا ہاتھ کاٹ دو دوبارہ پڑھ جائیے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اور پھر حنفی مذہب کے اس مسئلے پر بھی ہدایہ جلد دوم کے ص ۵۲۰ کتاب السرقہ میں نظر ڈالیے کہ **ولا یقطع فی ابواب المسجد الحرام** یعنی کعبۃ اللہ شریف مسجد حرام کے کواڑ کوئی چرا لے جائے تو اس کے ہاتھ نہ کاٹنے چاہئیں۔ کہو حنفی بھائیو! چوروں کا ساتھ دو گے یا ان کے ہاتھ کاٹنے والوں کا؟ (شمع محمدی ص ۱۳۴)

جواب:

صاحب شمع محمدی کو پہلے چاہیے تھا کہ قرآن اور سنت سے چوری کی تعریف کرتے تا کہ عوام کو پتہ چلے کہ چوری کسے کہتے ہیں اور شرعی طور پر چور کون ہوتا ہے۔ پھر یہ بتانا چاہیے تھا کہ قرآن وسنت میں کتنے مال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور اس مسئلہ میں احادیث میں اختلاف ہے یا نہیں۔ اس کے بعد یہ بھی واضح کرتے کہ آیا ہر صورت میں اس پر حد (یعنی ہاتھ کاٹنا ہی ضروری ہے) ہی نافذ ہوتی ہے اور کوئی دوسری سزا شریعت میں نہیں ہے اور اگر صاحب مال قاضی کی عدالت میں جانے سے پہلے پہلے اس کو معاف بھی کردے پھر بھی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

صاحب شمع محمدی نے ان میں سے کسی بات کی بھی وضاحت نہیں کی۔ اور عوام کو دھوکہ میں رکھا ہے ہم نے اس مسئلہ کی کچھ وضاحت مسئلہ نمبر ۱۱۴ میں کردی ہے۔ مختصراً یہاں پر بھی نقل کرتے ہیں۔ چوری کی تعریف میں اعتبار عوام کے خیال کا نہیں میں ہوتا اور نہ ہی کسی پنچائیت فیصلہ کا۔ بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں فقہاء نے جو تعریف کی ہے اس کا ہوتا ہے۔

چوری کی تعریف:

علامہ شوکانی غیر مقلد نے صاحب قاموس سے نقل کیا ہے۔

السرقة والاستراق المجيى مستترا لاخذ مال غيره من حرزٍ فهذا امام من ائمة اللغة جعل الحرز جزءا من مفهوم السرقة وكذا قال ابن الخطيب في تيسير البيان.

یعنی محفوظ جگہ سے کسی دوسرے کے مال کو چھپا کر لے جانے کو سرقہ کہتے ہیں پس یہ (یعنی صاحب قاموس) لغت کے اماموں میں سے امام ہے اور اس نے حرز یعنی محفوظ جگہ کو چوری کے مفہوم میں جزء قرار دیا ہے۔ اور اسی طرح ابن الخطیب نے تیسیر البیان میں کہا ہے۔(نیل الاوطار ج۷ ص۱۳۷)

(۲) صاحب ہدایہ نے بھی ہدایہ شریف میں لکھا ہے۔

اور مسجد حرام کے دروازوں کو چرانے میں بھی قطع ید نہیں ہوگا کیوں کہ احراز معدوم ہے۔

آسان لفظوں میں سارق اسے کہتے ہیں جو کسی کا محفوظ مال محفوظ طریقہ سے لے لے اور وہ مال دس درہم تک کی مالیت کا ہو اور لینے والا، عاقل بالغ ہو تو اس کو سارق کہتے ہیں۔

علامہ وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں۔

من سرق مكلفا مختارا من حرز ربع دينار او ثلاثة دراهم فصاعدا.

(كنز الحقائق ص۱۰۷، نزل الابرار ج۲ ص۲۰۴)

جو شخص مکلّف (عاقل بالغ) مختار اگر دینار کے چوتھائی یا تین دراہم یا اس سے زیادہ مقدار کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

علامہ وحید الزمان نے سارق کے لیے جو شرائط ذکر کی ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) وہ عاقل بالغ ہو

(۲) مختار ہو

(۳) اور جو مال اس نے چوری کیا ہے اس کی مالیت کم از کم تین درہم ہو۔

نوٹ:

تین درہم یا دس درہم کی بحث الگ ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک دس درہم والی احادیث زیادہ قابل عمل ہیں۔

علامہ وحید الزمان دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

ومن سرق مالا من مسجد او مدرسة او بیت موقوف فان لم یکن لها حافظ لم یقطع. (نزل الابرار ج۲ ص۳۰٦)

اور جس نے مسجد یا مدرسہ یا کسی وقف کی گئی عمارت سے چوری کی پس اگر اس میں محافظ نہ ہو تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اور اپنی دوسری کتاب کنز الحقائق ص۱۰۸ میں یوں بیان کیا ہے۔

کہ اگر ان مقامات میں محافظ ہو تو پھر ہاتھ کاٹا جائے گا۔

یہاں پر علامہ صاحب نے حرز کی قید بھی لگائی ہے۔

اور یہ مسئلہ صرف حنفیوں کا ہی نہیں دوسرے ائمہ اور فقہاء کا بھی ہے۔

علامہ ابن الہمام حنفی فرماتے ہیں۔

اگر کسی نے کعبہ کا پردہ چوری کیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور یہ قول امام مالک، امام احمد کا ہے اور صحیح قول کے مطابق امام شافعی کا قول بھی یہی ہے۔

(فتح القدیر ج۴ ص۲۳۰)

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے امام احمد کا یہی نظریہ المغنی ج۱۰ ص۲۸٦ میں نقل کیا ہے۔

جب ہاتھ کاٹنے اور شرعی سرقہ ثابت کرنے کے لیے محفوظ جگہ سے مال چھپا کر نکالنا غیر مقلدین کے نزدیک بھی شرط ہے تو پھر فقہاء احناف کا کون سا جرم ہے۔

اور محفوظ جگہ وہ ہوتی ہے جہاں پر کسی کا آنا جانا نہ ہو۔ اور مسجد اور بالخصوص مسجد الحرام بیت اللہ شریف میں آنے سے تو کسی کو نہیں روکا جا سکتا اس لیے یہ جگہ محرز نہیں اگر وہاں سے

کوئی مال لے جائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ مگر اس کو تعزیر ضروری لگائی جائے گی۔ تا کہ اس کے جرم کی سزا اس کو مل جائے اور دوسروں کے لیے عبرت ہو۔

اگر غیر مقلدین کے پاس قرآن وسنت کی کوئی ایسی دلیل ہو جس میں خاص، یہ مسئلہ ہو مسجد حرام کے دروازے چوری کرنے والے پر حد لگانا ہی ضروری ہے تو وہ ضرور پیش کریں جونا گڑھی نے تو پیش نہیں کی۔

اعتراض نمبر ۱۱۶:

حدیث کی چار صورتوں کی حنفی مذہب میں تبدیلی

(یعنی امام کی شرائط کا مسئلہ)

جونا گڑھی نے اس مسئلہ کے تحت ایک حدیث پیش کی ہے۔

عن ابی مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یؤم القوم اقرأھم کتاب اللہ تعالٰی فان کانو فی القرأۃ سواء فاعلمھم بالسنۃ فان کانوا فی السنۃ سواء فاقدمھم ھجرۃ فان کانوا فی الھجرۃ سواء فاقدمھم سنا. (رواہ مسلم، مشکٰوۃ ج۱ ص۱۰۰، کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ) یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی امامت وہ کرائے جو سب سے زیادہ کتاب اللہ کا قاری ہو اگر قرأت میں سب برابر ہوں تو وہ جو سب سے زیادہ سنت کا عالم ہو۔ اگر عالم سنت میں بھی سب برابر کے ہوں تو وہ جو ہجرت میں سب سے پہلے ہو اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو وہ جو عمر میں سب سے بڑا ہو الخ۔ اس حدیث اور صریح حدیث کے بالکل برخلاف جو عمارت چنی گئی ہے آپ اسے بھی معائنہ فرمالیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حنفی مذہب کی کتاب ہدایہ جلد اول ص ۱۰۱ کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ میں ہے واولیٰ الناس بالاماۃ اعلمهم بالسنة...... فان تساووا فاقرؤهم ...... فان تساووا فاورعهم ...... فان تساوو فاسنهم ...... یعنی امامت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جو سب سے زیادہ سنت کا عالم ہو اگر اس میں سب برابر ہوں تو وہ جو سب سے زیادہ کتاب اللہ کا قاری ہو اگر اس میں سب برابر ہوں تو وہ جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ جو سب سے بڑی عمر کا ہو۔

حنفی بھائیو! حدیث آپ کے سامنے ہے اس میں جو چار صورتیں رسول اللہ ﷺ نے بیان کی تھیں۔ ان سب کو الٹ پلٹ کر دیا۔ اب میں جناب سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس کا حق کسی کو تھا کہ خدا کے رسول ﷺ کی تعلیم کو بدلے؟

آنحضرت ﷺ نے چار درجے بیان کر کے اس مسئلے کو ختم کر دیا تھا۔ اہل حدیث حدیث شریف کے مطابق انہی درجات پر اس مسئلے کو ختم کرتے ہیں۔ نہ وہ اس کے سوا اور درجے گھڑیں نہ اور صورتیں پیدا کریں۔ نہ اپنی طرف سے فتوے بازی کریں۔ لیکن یہ تو آپ نے دیکھ لیا کہ حدیث کی بتلائی ہوئی صورتوں کو مسخ کر دیا۔ اب آگے سنئے! میں اس مسئلے کی قدرے اور بھی تفصیل کر دوں۔

حدیث کی چار صورتیں دس ہو گئیں۔

تنویر الابصار متن درمختار میں ہے۔ والاحق بالامة لاعلم باحکام الصلوٰة ثم الاحسن تلاوة ثم الاورع ثم الاسن ثم الاحسن خلقا ثم الاحسن وجها ثم الاشرف نسبا ثم الانضف ثوبا فان استووا یقرع او الخیار الی القوم

یعنی سب سے زیادہ حق دار امامت کا وہ ہے جو سب سے زیادہ احکام نماز کا جاننے والا ہو۔ پھر وہ جو سب سے اچھی تلاوت کرنے والا ہو، پھر وہ جو سب سے پہلے اسلام والا ہو، پھر وہ جو سب سے زیادہ شریف نسب والا ہو، پھر وہ جو سب سے زیادہ اچھی پوشاک والا ہو۔ اگر

ان تمام باتوں میں بھی برابری ہو تو پھر قرعہ اندازی کی جائے یا لوگوں کو اختیار ہے۔

ہدایہ کی عبارت آپ اوپر پڑھ آئے ہیں وہاں صورتیں تو چار ہی رکھی تھیں۔ لیکن حدیث میں جو صورتیں بیان ہوئی ہیں ان میں اپنا تصرف کر کے کہیں انہیں بدل دی تھیں کہیں ان کی جگہ بدل دی تھی۔ تنویر الابصار کی عبارت بھی آپ نے ملاحظہ فرمائی کہ حدیث میں چار کا بیان تھا یہاں چار کی دس بنائی گئیں۔ ہم اہل حدیث تو یہ مذہب رکھتے ہیں کہ حدیث پر بس کیا جائے نہ اس میں کمی کی جائے نہ زیادتی کی جائے نہ الٹ پلٹ کی جائے۔ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ جو قرآن وحدیث میں جس طرح ہے وہی اسی طرح اسلام ہے جو اس میں نہیں وہ اسلام میں نہیں جو بات حضور ﷺ نے نہیں بتلائی اور کسی اور اس کے بتلانے اور دوسروں کو اس کے ماننے کا منصب ہی نہیں۔ دوستو غور کرو۔ اگر مگر پر فرض کر لینے اور تصور کر لینے پر ہم نے فتوے چسپاں کرنے شروع کر دیئے تو یہ سلسلہ تو لامتناہی ہو جائے گا۔ جو صورتیں ہمارے فقہائے کرام بیان فرمائیں گے ان سب کے بعد بھی یہی سوال باقی رہ جائے گا کہ اگر ان سب میں برابری ہو تو؟ آخر فرمایئے تو سہی کہ پھر دین کیا ہوگا؟ ایک مذاق ہوگا وہ کبھی قیامت تک بھی مکمل نہ ہوگا نمونہ کا ایک مسئلہ موجود ہے۔ ہدایہ میں چار صورتیں تھیں تنویر میں دس ہوئیں ابھی اور آگے سنیئے۔

اب چار کی اکیس بن گئیں:

صاحب درمختار نے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی زیادتی کی ہے۔ ضمناً جو قسمیں بڑھائی ہیں اور جن قیود کا اضافہ کیا ہے وہ ملاحظہ ہو **ثم اصبحهم ای اسمحهم وجها ثم اکثرهم حسبا** پھر نمبر ۲ کے بعد بڑھاتے ہیں **ثم الاحسن صوتا** پھر بڑھایا ہے **ثم الاحسن زوجة ثم الاکثر مالا ثم الاکثر جاها** پھر نمبر ۸ کے بعد بڑھاتے ہیں **ثم الاکبر رأسا والاصغر عضوا ثم المقیم علی المسافر ثم الحر الاصلی علی العتیق ثم المتیمم عن حدث علی المتیمم عن جنابت.** اور

نمبر۱۰ کے بعد لکھتے ہیں فان اختلفوا اعتبرا اکثرھم یعنی پھر زیادہ روشن چہرے والا، پھر سب سے بڑھ کر حسب والا پھر سب سے زیادہ اچھی آواز والا پھر سب سے زیادہ حسین بیوی والا، پھر سب سے زیادہ مال دار، پھر سب سے بڑے مرتبے والا پھر بہت بڑے سر اور بہت چھوٹے عضو والا پھر مقیم مسافر پر پھر اصلی آزاد آزاد شدہ پر، پھر وضو کے قائم مقام جس نے تیمّم کیا ہے، وہ غسل کے قائم مقام تیمّم کرنے والے پر، پھر بھی اگر لوگوں میں اختلاف رہے تو اکثریت جس کی طرف دار ہو اسے امام بنایا جائے۔

تفصیلی نظر:

ناظرین کرام حدیث شریف آپ کے سامنے ہے جس میں صرف چار صورتیں ہیں یہاں ایکس تو صرف یہی ہو گئیں ابھی اور کتابوں میں اور بھی ہیں پھر ان میں عجیب عجیب اختلافات ہیں کوئی کسی کو آگے کرتا ہے کوئی کسی کو پس اتباع سنت تو یہ ہے کہ آپ وہیں ختم کر دیں۔ جہاں خدا کے رسول ﷺ نے ختم کیا اور تقلید شخصی یہ ہے کہ اسے بڑھاتے چلے جائیں اور رائے قیاس کے انبار لگاتے چلے جائیں۔ فرضی صورتیں بناتے اور ان کے احکام وضع کرتے چلے جائیں۔ رائے قیاس اور یہ موجودہ فقہ حدیث پر قناعت نہیں کرتا۔ شارع کے بیان کو کافی نہیں سمجھتا۔ شارع علیہ السلام نے انچ بھر بیان کیا تھا تو انہوں نے اسے گز بھر کر لیا۔ قول نبی پر اپنا قول تِہ بہٖ تِہ جماتے جماتے آخر قولِ نبی کو ان اقوال الناس نے بالکل ہی چھپا دیا۔ کتب حدیث کے صاف اور پاک مسئلے کی کتب فقہ میں بالکل کایا پلٹ گئی حدیث میں کچھ تھا یہاں کچھ ہو گیا۔ لکیر کا سانپ بن گیا۔ یہ ایک مسئلہ اور اس کے اوپر کے اور مسائل سب آپ کے سامنے ہیں۔ اب غور فرما کر نظریں ڈال کر خود ہی فیصلہ کیجیے کہ آپ کا دل حدیث کی طرف جھکتا ہے یا فقہ کی طرف؟ آپ کا جی اتباع سنت کی طرف مائل ہوتا ہے یا تقلید شخصی کی طرف؟ آپ شمع محمدی کو لیتے ہیں یا رائے کی رات کے اندھیرے کو؟ اپنی اپنی سمجھ ہے ہماری آواز سنو

میں بلبل نالاں ہوں گلزار محمد کا　　آئینہ حیراں انوار محمد کا
بلبل ہے فدا گل پر شمع پہ پروانہ　　ہے عشق مجھے دلدار محمد کا

(شمع محمدی ص ۱۳۲، ظفر المبین حصہ دوم ص ۵۹، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۱۳۷، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۰، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۱۶، ۵۱، مقلدین ائمہ کی عدالت میں ص ۲۱۴، سبیل الرسول ص ۲۴۰)

جواب:

جونا گڑھی کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا امامت کا زیادہ حق دار بڑا قاری ہے۔ یہ حدیث تو نقل کر دی مگر آنحضرت ﷺ کا دوسرا فرمان کہ امامت کا زیادہ مستحق افقھھم فی الدین ہے جو دین کا بڑا فقیہ ہے پھر وہ جو بڑا قاری ہے۔

(مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۴۳، دار قطنی ج ۱ ص ۱۰۴)

کیا وجہ ہے کہ پہلی حدیث کو ماننے والا تو اہل حدیث کہلائے لیکن دوسری حدیث کو ماننے والا مخالف حدیث کہلائے کیا غیر مقلدین ایک ہی ایسی حدیث پیش کر سکتے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ پہلی حدیث کو ماننا اور دوسری حدیث کو ماننے سے انکار کر دینا بلکہ اس کے ماننے والوں کو منکر حدیث کہنا جونا گڑھی کا فرض تھا کہ دونوں حدیثیں نقل کر کے ان میں تطبیق بیان کرتے لیکن اس کے لیے علم کی ضرورت ہے۔ ایسی احادیث میں تطبیق کے لیے فقہاء کی ضرورت ہوتی ہے اب سنئے فقہاء نے کیا تطبیق بیان فرمائی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سب سے بڑے فقیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ سب سے بڑے قاری حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے کہ خود خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ ابی بن کعب سے قرآن سنو اور سب سے بڑے محدث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اب پوری امت کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آخری وقت اپنے مصلیٰ پر نہ بڑے محدث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو امام بنا کر کھڑا کیا اور نہ ہی سب سے بڑے قاری حضرت ابی بن کعب کو امام

نماز بنایا۔ بلکہ آپ ﷺ نے سب سے بڑے فقیہ کو امام بنایا یہ فقہاء کا گھڑا ہوا مسئلہ نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کی آخری قولی اور فعلی سنت ہے۔ آپ ﷺ کے بعد خلافت راشدہ میں بھی امامت فقہاء کے سپرد ہی رہی۔ حضرت ابی بن کعب زیادہ سے زیادہ رمضان میں تراویح کی امامت کرایا کرتے تھے۔ مکہ مکرمہ کے مشہور تابعی مفتی حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں۔ (دور صحابہ و تابعین) میں یہی کہا جاتا تھا کہ امامت کا اول درجے پر مستحق بڑا فقیہ ہے دوسرے نمبر پر بڑا قاری۔ (کتاب الاُم للشافعی ج۱ ص ۱۴۰)

الغرض خیر القرون میں بھی بلانکیر اسی پر عمل جاری رہا۔ تو فقہ کا جو مسئلہ آنحضرت ﷺ کی قولی اور فعلی سنت خلفائے راشدین اور خیر القرون کے اجماع سے ثابت ہے اس کے بارہ میں یہ جھوٹ بولنا کہ فقہاء کے گھر کا بنایا ہوا ہے، غلط ہے۔

جونا گڑھی کو یہ شکوہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تیسرے نمبر پر مہاجر کو رکھا تھا لیکن فقہاء نے اس مسئلہ کو بدل کر پرہیز گار کا لفظ رکھ دیا۔ یہاں بھی خالص فریب اور مغالطہ ہے ایک ہجرت وہ تھی جو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہو رہی تھی۔ اس کے بارہ میں تو آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ لاہجرۃ بعد الفتح یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت ختم ہے۔ جب ہجرت کی یہ قسم ختم ہوگئی تو فقہاء نے جستجو کی کیا ہجرت کی کوئی قسم جاری بھی ہے تو انہیں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی مل گیا کہ **المهاجرين هجر الخطايا والذنوب.**

(رواه الحاكم صححه)

یعنی وہ شخص بھی مہاجر ہے جو کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کو چھوڑ دے۔ اس کی تفسیر فقہاء نے زیادہ پرہیز گار سے کر دی تو یہاں مرادِ رسول کو ہی بیان فرمایا ہے۔ جونا گڑھی کا یہ کہنا کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے۔ کتاب و سنت سے جہالت کی دلیل ہے۔

ہم نے حدیث قولی و فعلی اور اجماع سے ثابت کر دیا کہ بڑا فقیہ امامت کا مستحق ہے۔

فقہ کا مسئلہ تو حدیث سے ثابت ہو گیا اب امام جماعت غرباء اہل حدیث نے فتاویٰ

تاریہ میں جو مسئلہ لکھا ہے کہ جو شخص بجو کو حلال نہ سمجھے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

(فتاویٰ ستاریہ)

آپ کے مفسر اور صحاح ستہ کے مترجم علامہ وحید الزمان نے لکھا ہے کہ ''رافضیوں اور خارجیوں کی اقتدا میں نماز جائز ہے۔'' (لغات الحدیث ج ۸ ص ۹۸)

یہ دونوں مسئلے کس حدیث سے ثابت ہیں۔

نواب وحید الزمان نے لکھا ہے'' ایک شخص نے جماعت کرائی اور سلام کے بعد اعلان کیا کہ میں نے بے وضو نماز پڑھائی ہے تو نماز ہوگئی دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

(کنز الحقائق ص ۲۴)

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے نماز پڑھائی اور بعد میں بتایا کہ میں کافر تھا تو نماز ہوگئی دہرانے کی ضرورت نہیں۔ (کنز الحقائق ص ۲۴)

جونا گڑھی نے پھر ایک اور فریب دیا ہے کہ فقہاء نے زیادہ صورتیں بیان کی ہیں، یہ غلط ہیں حالانکہ یہ ایسا ہی فریب ہے جیسے منکرین حدیث کہا کرتے ہیں جو مسائل قرآن پاک میں نہیں اور احادیث میں زائد ہیں وہ غلط ہیں۔ حدیث معاذ میں صراحت ہے کہ جب مسئلہ صراحۃً کتاب اللہ شریف میں نہ ملے تب ہی سنت سے لیا جائے گا اور جب صراحۃً سنت سے نہ ملے تب ہی اجتہاد سے لیا جائے گا۔ اس لیے فقہ کے مسئلہ کو غلط ثابت کرنے کے لیے ہر مسئلہ کے خلاف جونا گڑھی کو حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش کرنا چاہیے تھی۔

اگر ہر وہ مسئلہ جو قرآن یا حدیث میں صراحۃً منقول نہ ہو غلط ہے تو بھینس کا گوشت کھانا، دودھ پینا، گھی، مکھن، دہی، لسی، چمڑا استعمال کرنا نہ قرآن میں ہے اور نہ صحیح صریح حدیث میں کیا جونا گڑھی ان سب کے حرام ہونے کا فتویٰ دیں گے۔

اس وقت دنیا میں دو سو سے زائد چھوٹے چھوٹے جانور جن کی رگوں میں بہتا ہوا خون نہیں مگر حدیث پاک میں صرف مکھی کا ذکر آیا ہے کہ اگر پینے کی چیز میں گر جائے تو نکال کر

پھینک دو اور وہ چیز ناپاک نہیں۔ استعمال کرلو مگر فقہاء نے مکھی پر ہی چیونٹی، بھڑ، مچھر، جگنو، ٹڈی، پسو، جوں، کھٹمل وغیرہ اس قسم کے دوسو سے زائد جانوروں کو قیاس کرلیا ہے۔ اب کوئی یہ کہے کہ فقہاء نے ایک صورت سے دوسو صورتیں بیان کردیں تو یہ فقہ کا کمال ہے نہ کہ نقص۔ یہ بے چارے فقہ کو کیا سمجھیں۔

جونا گڑھی کو شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں لکھا کہ امام خوش اخلاق ہو لیکن فقہ کے اس مسئلہ کے خلاف اس نے نہ کوئی آیت پیش کی نہ حدیث۔

فقہاء کا کہنا ہے کہ حضرت ابو امامہ نے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نمازیں قبول فرمائیں تو اپنا امام نیک لوگوں کو بناؤ۔ (رواہ ابن عساکر) اور فرمایا کہ نیکی خوش اخلاقی کا نام ہے۔ (احیاء العلوم) تو فقہ کا مسئلہ تو حدیث سے ثابت ہو گیا۔

نیز بہت سی احادیث میں آتا ہے کہ نماز باجماعت میں جتنی تعداد زیادہ ہوگی اتنا ثواب زیادہ ہوگا تو اگر امام خوش اخلاق ہوگا تو جماعت کی تعداد زیادہ ہوگی اور باعث اجر عظیم ہوگا اور اگر امام بد اخلاق ہوگا تو جماعت ٹوٹ جائے گی۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران:۱۵۹) اے پیغمبر آپ ترشی سے پیش آتے تو لوگ آپ سے کٹ جاتے۔ پس قیام جماعت کے لیے امام کا خوش اخلاق ہونا ضروری ہوا۔

جونا گڑھی کو یہ شکایت ہے کہ فقہا نے یہ کیوں لکھا ہے کہ امام خوبصورت چہرے والا ہونا ضروری ہے اگر لا مذہب صحیح حدیث پیش کرتے تو ہم تسلیم کر لیتے کہ واقعی فقہ کا یہ مسئلہ حدیث صحیح صریح غیر معارض کے خلاف ہے۔

جونا گڑھی کو یہ بھی علم نہیں کہ بیہقی کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ثم احسن وجها پھر امام اس کو بناؤ جو خوب صورت چہرے والا ہو اور یہ ضعیف

حدیث کسی صحیح حدیث کے خلاف نہیں۔

جونا گڑھی نے یہ بھی نہ بتایا کہ چہرے کے خوبصورت ہونے سے فقہاء کا کیا مطلب ہے ان کا کہنا ہے کہ خوبصورت چہرے والے سے مراد زیادہ تہجد پڑھنے والا ہے اور یہ بات بھی ایک ضعیف حدیث سے ثابت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **من کثرت صلوته باللیل حسن وجهه بالنهار** جو رات کو زیادہ نماز پڑھتا ہے اس کا چہرہ حسین وخوب صورت ہو جاتا ہے۔ (شامی)

جونا گڑھی کو یہ بھی شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں لکھا کہ امام شریف النسب ہونا چاہیے لیکن اس کے خلاف بھی کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کر سکا۔

جونا گڑھی کو یہ بھی علم نہیں کہ حدیث پاک میں ہے **الناس معاون کمعاون الذهب والفضة فخیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا.** (بخاری) یعنی لوگ سونے چاندی کی کان کی مانند ہیں جو جاہلیت میں نیک تھے وہ اسلام میں بھی نیک ہیں جب کہ فقیہ بھی ہوں۔ یعنی فقہ کے ساتھ اگر شرافت نسب مل جائے تو سونے پر سہاگہ ہے اور یہی کچھ فقہا فرمارہے ہیں۔

جونا گڑھی کو یہ بھی شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں تحریر فرمایا کہ بہتر ہے کہ امام اچھی آواز والا ہو۔ لیکن اس کے خلاف بھی یہ کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کر سکا۔

جونا گڑھی کو یہ بھی علم نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا **زینوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنا رواه الحاکم وقال صحیح** یعنی قرآن پاک کو خوش آوازی سے مزین کرو بے شک خوش آوازی قرآن پاک کے حسن کو چار چاند لگا دیتی ہے دیکھئے فقہاء کا بیان کردہ مسئلہ تو حدیث پاک سے ثابت ہو گیا۔

جونا گڑھی کو یہ بھی شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں تحریر فرمادیا کہ بہتر ہے کہ امام وہ ہو

جس کی بیوی خوبصورت ہو۔ اس کا فرض تھا کہ اس مسئلہ کا غلط ہونا کسی حدیث صحیح صریح غیر معارض سے ثابت کرتا۔

آنحضرت ﷺ نکاح کو نصف ایمان فرماتے ہیں اور خوبصورت بیوی کو جنت کا خزانہ، اسی لیے فقہاء نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ اگر امام کی بیوی خوبصورت ہوگی تو غالب یہی ہے کہ وہ اسی سے محبت کرے گا اور اپنے دل کو ناجائز تعلقات سے پاک رکھے گا اور وہ نیک اور خوبصورت بیوی نیکی اور پرہیزگاری میں اس کی مددگار ثابت ہوگی اور یہ بات کہ امام کی بیوی کیسی ہے اور امام کا تعلق اس کے ساتھ کیسا ہے، ہمسایہ اور رشتہ دار لوگوں کو اپنی عورتوں کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ ہر شخص اپنی بیوی کے حسن کو لوگوں کے سامنے بیان کرے۔ (شامی)

جونا گڑھی کو اس سے بھی شکایت ہے کہ فقہا نے یہ کیوں لکھا کہ بہتر ہے کہ امام مالدار اور مرتبے والا ہو لیکن اس کے خلاف بھی وہ کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کر سکا۔

فقہاء کا فرمان ہے کہ کثرت مال جب دین کے ساتھ جمع ہو تو اس سے قناعت اور عفت آتی ہے اور کثرت جاہ تکثیر جماعت کا باعث ہوتی ہے اور جماعت کا بڑا ہونا ہی اصل مقصد ہے تو جب یہ دونوں چیزیں اصل مقصد کے لیے مدد معاون ہوں گی تو ان کے مطلوب ہونے میں کون عقل مند شبہ کرے گا۔

جونا گڑھی کو یہ بھی شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں تحریر فرمایا ہے کہ امام کے لیے بہتر ہے کہ اس کے کپڑے اور لباس اچھا ہو مگر اس کے خلاف بھی وہ کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کر سکا۔

فقہاء لکھتے ہیں کہ امام اگر میلے کچیلے کپڑوں میں رہے گا تو لوگ اس سے نفرت کریں گے اور جماعت کی کمی یا تفرقہ کا اندیشہ ہے اور حدیث پاک میں بھی آتا ہے ان اللہ جمیل

یحب الجمال (مسلم)

کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں اور اچھا لباس انسان کے جمال کو مزید اجاگر کردیتا ہے۔

جونا گڑھی کو یہ بھی شکایت ہے کہ فقہاء نے یہ کیوں لکھا کہ امام کا جسم بھی متناسب ہونا بہتر ہے کیوں کہ اعضا جسم کا متناسب ہونا کمال عقل کی دلیل ہے۔اس لیے امام کا سر بڑا ہو اور باقی اعضاء تناسب کے ساتھ چھوٹے ہوں کیوں کہ داناؤں کا قول ہے سر وڈے سرداراں دے تے وڈرے پیر گنواراں دے۔اس کے خلاف بھی کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کرسکا۔

جونا گڑھی نے یہ مسئلہ لکھتے وقت یہ بھی خیانت کی کہ اس جملے سر بڑا اور عضو چھوٹے کا جو معنی خود فقہاء نے بیان کیا ہے یعنی کامل عقل والا ہو وہ بیان ہی نہیں کیا جو خالص مغالطہ اور فریب ہے۔

بعض غیر مقلد تو فقہاء کے اس بیان کیے ہوئے مطلب کو چھپانے کے ساتھ ساتھ اس کا نہایت غلط مطلب بیان کر کے عوام میں اشتعال پیدا کیا کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام وہ ہے جس کا ذکر چھوٹا ہو حالانکہ فقہاء نے صاف اس کی تردید کی ہے کہ اس مطلب کا تو ذکر کرنا بھی جائز نہیں۔جو جملہ تردید کے لیے نقل کیا گیا ہو۔اس کو فقہ کی طرف منسوب کرنا ایسا ہی فریب ہے جیسے قرآن پاک میں عیسائیوں کی تردید کی گئی ہے۔**لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم** وہ لوگ کافر ہیں جو مسیح بن مریم کو خدا مانتے ہیں اب کوئی عیسائی تردید نقل نہ کرے اور کہے قرآن میں لکھا ہے کہ **ان اللہ ھو المسیح بن مریم** بے شک مریم کا بیٹا مسیح خدا ہے تو ایسے فریب کی کوئی حد ہے۔

اسی طرح مقیم کو مسافر پر آزاد کو غلام پر وضو کو تیمم پر بہت سے احکام میں فضیلت حاصل ہے تو امام میں ان فضائل کا حصول مطلوب ہے ان کے خلاف بھی یہ لامذہب احادیث صحیحہ صریحہ غیر معارضہ پیش نہیں کرسکا۔

اعتراض نمبر ۱۱۷:

کلی کا مسئلہ

(کلی کرنے کے لیے الگ پانی لینا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۴۵ باب سنن الوضوء میں حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بیان میں مروی ہے کہ **فمضمض واستنشق من كف واحد** یعنی آپ نے ایک ہی چلو لے کر اسی سے کلی بھی کی اور ناک میں بھی پانی دیا۔ اور روایت میں ہے **فمضمض واستنشق واستنثر ثلاثا بثلاث غرفات من مـــاء** یعنی آپ نے تین چلو سے تین مرتبہ کلی بھی، ناک میں پانی بھی دیا اور ناک جھاڑی بھی۔ اور روایت کے الفاظ یہ ہیں **فمضمض واتنشق من كف واحدة فعل ذالك ثلاثا** اور روایت میں ہے **فمضمض واستنسر ثلاث مرات من غرفة واحدة** یعنی آپ نے ایک ہی چلو سے کلی بھی کی اور ناک بھی صاف کی۔ تین مرتبہ ایسا ہی کیا۔ یہ حدیث ناظرین کے سامنے ہے۔ صحیح ہے صاف ہے کہ ایک ہی چلو سے کلی بھی کرے اور ناک میں بھی پانی دے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا۔ چنانچہ ہدایہ جلد اول ص ۶ میں ہے۔

وكيفيتهما ان يمضمض ثلثا يأخذ لكل مرة ماء جديدا ثم يستنشق كذالك یعنی الگ الگ ایک چلو پانی سے تین مرتبہ کلی کرے اور پھر اس کے بعد اسی طرح تین مرتبہ ناک میں پانی دے۔ شرح وقایہ میں ہے **والمضمضة مياه والاستنشاق**

ہمیاہ یعنی کلی اور ناک میں پانی کے لیے الگ الگ پانی لے میں کئی مرتبہ لکھ چکا ہوں پھر بھی
تحریر ہے کہ میرا مقصود اس مضمون سے یہ دکھانا ہے کہ حدیث ہے صحیح ہے لیکن چونکہ حنفی
مذہب کی فقہ کی کتابوں میں اس کے خلاف ہے اس لیے اور محض اسی لیے حدیث پر لاکھوں
حنفیوں میں سے ایک بھی عمل نہیں کرتا۔ بلکہ مذہب کی مضبوط اور پابندی کرانے والی بیڑیاں
اسے حدیث پر عمل کرنے کی اجازت ہی نہیں دیتیں۔ یہ وصف اہل حدیث ہی میں ہے کہ
اگر کسی کام کے کئی طریقے صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں تو ان کے نزدیک سب جائز ہیں۔
پس اے حنفی بھائیو! آپ سے بھی التماس ہے کہ ان حدیثوں کو رد کرنے کا کیا عذر خدا کے
سامنے پیش کرو گے؟ کیوں آج ہی سے تم بخاری مسلم کی اس حدیث پر عمل شروع نہ کردو
حنفیت کو چھوڑ دو اور حدیث کی طرف آ ؤ۔ یہ نہ کہو حنفی مذہب سچا اور حدیث کا مذہب غلط۔
(شمع محمدی ص ۱۴۸)

جواب:

اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں۔ جونا گڑھی نے اپنی مرضی کی ایک روایت نقل کردی
اور حنفی مسلک کی دلیل ذکر نہیں کی۔ اور حنفی مسلک کو حدیث کے خلاف کہہ دیا۔

حنفی مسلک کے دلائل

حدیث نمبر ۱:

عن ابی وائل شقیق بن سلمة قال شهدت علی بن ابی طالب وعثمان بن عفان رضی الله عنهما توضأ ثلاثا ثلاثا وافرد المضمضة من الاستنشاق ثم قالا هكذا رأينا رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ. رواه ابن السكن فی صحاحه. (تلخیص الحبیر ج۱ ص۷۹)

ابو وائل شقیق بن سلمہ نے کہا، میں حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عثمان بن

عفان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا دونوں نے تین تین بار وضو کیا اور مضمضہ کو استنشاق سے علیحدہ کیا، پھر کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اس حدیث کو ابن السکن نے اپنی صحاح میں بیان کیا ہے۔

حدیث نمبر ۲:

عن ابی حیة قال رأیت علیا رضی الله عنه توضأ فغسل کفیه حتی انقاهما ثم مضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا وغسل وجهه ثلاثا وذراعیه ثلاثا ومسح برأسه مرة ثم غسل قدمیه الی الکعبین ثم قام فأخذ فضل طهوره فشربه وهو قائم ثم قال احببت ان اریکم کیف کان طهور رسول الله صلی الله علیه وسلم.

(ترمذی ابواب الطهارت باب فی وضوء النبی صلی الله علیه وسلم کیف کان)

ابو حیہ نے کہا، میں نے حضرت علی کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا پس اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دھویا یہاں تک کہ انہیں خوب صاف کیا، پھر تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا، تین بار چہرہ دھویا دونوں بازوؤں کو بھی تین بار دھویا اور ایک بار مسح کیا، پھر اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے، پھر کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی لے کر اسے کھڑے کھڑے ہی پی لیا، پھر کہا میں نے بہتر سمجھا کہ تمہیں دکھاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کیسا تھا۔

حدیث نمبر ۳:

عن ابن ابی ملیکة قال رأیت عثمان بن عفان رضی الله عنه سئل عن الوضوء فدعا بماء فاتی بمیضاء فاصغاها علی یده الیمنی ثم ادخلها فی الماء فتمضمض ثلاثا واستنثر ثلاثا وغسل وجهه ثلاثا ثم غسل یده الیمنی

ثلاثا وغسل يده اليسرى ثلاثا ثم ادخل يده فاخذ ماء فمسح براسه واذنيه فغسل بطونهما وظهورهما مرة واحدة ثم غسل رجليه ثم قال اين السائلون عن الوضوء هكذا رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ.

(ابوداود كتاب الطهارة ج١ ص١٥ باب صفة وضوء النبى صلى الله عليه وسلم)

ابن ابی ملیکہ نے کہا، میں نے حضرت عثمان بن عفان کو دیکھا ان سے وضو کے بارے میں پوچھا گیا انہوں نے پانی منگوایا تو لوٹا پیش کیا گیا، انہوں نے اسے اپنے دائیں ہاتھ پر ڈالا پھر وہ ہاتھ پانی میں داخل کر کے تین بار کلی کی اور تین بار ناک جھاڑا اور تین بار اپنا چہرہ دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ تین بار اور بایاں ہاتھ تین بار دھویا پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا پانی لے کر اپنے سر اور کانوں کا مسح کیا دونوں کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصہ کو ایک بار دھویا پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے اور کہا وضو کے بارہ میں پوچھنے والے کہاں گئے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا۔

حدیث نمبر۴:

وعن راشد بن نجيح ابى محمد الحمانى قال رايت انس بن مالك بالزاوية فقلت له اخبرنى عن وضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف كان فانه بلغنى انك كنت توضيئه قال نعم فدعا بوضوء فاتى بطست وقدح فوضع بين يديه فاكفا على يديه من الماء وانعم غسل كفيه ثم تمضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا وغسل وجهه ثلاثا ثم اخرج يده اليمنى فغسلها ثلاثا ثم غسل اليسرى ثلاثا ثم مسح براسه مرة واحدة غير انه امرهما على اذنيه فمسح عليهما. رواه الطبرانى فى الاوسط وقال الهيثمى اسناده حسن. (المعجم الاوسط ج٣ ص٤٢٨، مجمع الزوائد ج١ ص٢٣١)

راشد بن نجیح ابوالحمد الحمانی نے کہا میں نے حضرت انس بن مالک کو زاویہ میں دیکھا تو ان سے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بارہ میں بتایئے کہ وہ کس طرح تھا؟ تحقیق مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ انہیں وضو کراتے تھے انہوں نے کہا ہاں تو انہوں نے پانی منگایا ایک طشت اور پیالہ لایا گیا (جو کہ چھیلا گیا تھا جیسا چھیلا گیا تھا) ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو انہوں نے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈال کر دونوں ہاتھوں کو خوب اچھی طرح دھویا پھر تین بار کلی کی، تین بار ناک میں پانی ڈالا، اور تین بار چہرہ دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ ڈال کر اسے تین بار دھویا، پھر بایاں ہاتھ تین بار دھویا اور اپنے سر کا ایک بار مسح کیا، البتہ انہوں نے ہاتھ اپنے دونوں کانوں پر پھیرے اور ان کا مسح کیا۔

اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں بیان کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

حدیث نمبر ۵:

طلحہ بن مصرف نے روایت کی اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا آپ وضو کر رہے تھے اور آپ جدائی کرتے تھے کلی میں اور ناک میں پانی ڈالنے میں۔

(ابو دائود باب فی الفرق بین المضمضة والاستنشاق)

ناظرین ان پانچ احادیث سے حنفی مسلک ثابت ہوتا ہے۔ رہی وہ روایت جو جونا گڑھی نے نقل کی ہے ہمارے نزدیک وہ بیان جواز پر محمول ہے۔

اعتراض نمبر ۱۱۸:

اونٹ کی قربانی میں ایجاد

(یعنی اونٹ کی قربانی میں دس آدمیوں کا شریک ہونا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۱۳۱ باب فی الاضحیہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے وہیں عید الاضحیٰ آ گئی تو ہم میں سے سات سات آدمی گائے میں شریک ہوئے اور اونٹ میں دس دس نے شریک ہو کر قربانی کی۔ یہ حدیث ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں موجود ہے۔ لفظ یہ ہیں **وفی البعیر عشرۃ**

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتے ہدایہ جلد چہارم ص ۴۲۸ کتاب الاضحیہ میں ہے او بدنۃ عن سبعۃ یعنی اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ پس حدیث میں دس کی شرکت، حنفی مذہب اس کا منکر اب ہمارے حنفی بھائی بتلائیں کہ وہ دس پر خوش ہیں یا سات پر مگن ہیں؟ (شمع محمدی ص ۱۴۰)

جواب:

اس مسئلہ میں روایتیں دونوں قسم کی ہیں، جونا گڑھی نے اپنے مطلب کی روایت نقل کر دی اور دوسری روایات کا ذکر نہ کیا اور فقہ حنفی کے مسئلے کو حدیث کے خلاف کہہ دیا ہم یہاں پر پہلے وہ روایات نقل کرتے ہیں جن پر فقہ حنفی کا عمل ہے۔

فقہ حنفی کے دلائل

حدیث نمبر ۱:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کا تلبیہ کہتے ہوئے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہو جائیں۔ **(مسلم، باب: جواز الاشتراک فی المهدی)**

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوٹ میں سات آدمی شریک ہونے کا حکم دیا

ہےاور جونا گڑھی نے جو حدیث نقل کی ہے۔ اس میں حکم موجود نہیں ہے۔ اب یہاں پر قول اور فعل کے درمیان تعارض آ گیا اور اصولیین کے نزدیک جب قولی اور فعلی حدیث کے درمیان تعارض آ جائے تو ترجیح قول کو ہوتی ہے جیسا کہ علامہ نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ **تعارض القول والفعل والصحیح حینئذ عند الاصولیین ترجیع القول. (نووی شرح مسلم ج۱ ص۴۵۴)**

''جب قول اور فعل کا تعارض ہو تو اصولیین کے ہاں صحیح بات یہ ہے کہ ترجیح قول کو دی جاتی ہے۔''

حدیث نمبر۲:

جونا گڑھی نے ترمذی کے جس باب سے اونٹ میں دس آدمی شریک ہونے والی حدیث نقل کی ہے اسی میں اس حدیث کے فوراً بعد اونٹ میں سات آدمی شریک ہونے والی حدیث بھی موجود تھی جس کا ذکر انہوں نے نہیں کیا وہ یہ ہے۔

روایت ہے جابر رضی اللہ عنہ سے کہا انہوں نے ذبح کیا ہم نے قربانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے۔ (ترمذی مترجم علامہ بدیع الزمان ج۱ ص۵۶۵)

امام ترمذی کے طرز سے پتہ چلتا ہے کہ دس والی بات پہلے کی اور سات والی بعد کی کیوں کہ محدثین کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے زمانے کی حدیث پہلے ذکر کرتے ہیں اور ناسخ بعد میں۔ اس اصول سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

حدیث نمبر۳:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ کو نحر کیا اور سات آدمیوں کی طرف سے ہی گائے کی قربانی کی۔ **(مسلم شریف، باب: جواز الاشراك فى الهدى)**

حدیث نمبر۴:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حج اور عمرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور سات سات آدمی ایک قربانی میں شریک ہو گئے تھے۔ ایک شخص نے حضرت جابر سے دریافت کیا کہ جس طرح قربانی کے اونٹ میں شریک ہو سکتے ہیں کیا اسی طرح بعد کے خریدے ہوئے اونٹ میں بھی شرکت جائز ہے۔ انہوں نے کہا پہلے سے اور بعد میں خریدے ہوئے دونوں اونٹوں کا حکم ایک ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حدیبیہ میں موجود تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے ستر اونٹ ذبح کیے اور ہر اونٹ میں سات آدمی شریک ہوئے تھے۔ (مسلم شریف، باب: اشتراك في الهدى)

ہم نے فقہ حنفی کے مسئلہ کو چار احادیث سے ثابت کر دیا ہے، احادیث اور بھی ہیں مگر ماننے والے کے لیے یہی کافی ہیں۔ رہی وہ روایت جو جونا گڑھی نے نقل کی ہے پہلے نمبر پر وہ منسوخ ہے اور دوسرے اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ چنانچہ امام ترمذی اس کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حسن ہے غریب ہے نہیں پہچانتے ہم اس کو مگر فضل ربی موسیٰ کی روایت سے۔ (ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں غیر مقلد ج ا ص ۵۶۵)

اعتراض نمبر ۱۱۹:

قربانی کی وسعت میں تنگی

(یعنی تمام گھر والوں کی طرف سے ایک قربانی کافی ہے)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۱۲۹ باب العتیرہ میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عرفات کے خطبے میں حجۃ الوداع والے سال فرمایا: اِنَّ اَهْلَ الْبَيْتِ فِیْ كُلِّ عَامٍ اَضْحِيَةً

یعنی ہر گھر والوں پر ہر سال ایک قربانی ہے۔ حاکم میں عبداللہ بن ہشام سے مروی ہے کہ آپ اپنے تمام گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربانی کرتے تھے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حنفی مذہب اس کا منکر ہے۔ ہدایہ جلد ۴ ص ۴۲۸ کتاب الاضحیہ میں ہے وَيَذْبَحُ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ شَاةً الخ یعنی اپنے گھر والوں میں سے ہر ایک کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے اب دیکھتے ہیں کہ موجودہ حنفی حکم حدیث کو لیتے ہیں یا حکم فقہ کو؟

(شمع محمدی ص ۱۴۰)

فقہ حنفی کا یہ حکم اس وقت ہے جب کہ سب کے سب اپنے مال کے مالک ہوں اور سارے صاحب نصاب بھی ہوں اور عموماً ایسا ہوتا ہے۔ مثلاً باپ پر قربانی واجب ہے اور اس کی بیوی کے پاس دونوں طرف کا زیور ہوتا ہے بعض ماں کے بچے امیر ہوتے ہیں وہ اپنی ماں کو الگ سے خرچہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے ماں خود بھی صاحب نصاب ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ماں پر الگ قربانی واجب ہوگی اور بیٹوں پر الگ بعض خاندانوں میں بیٹے اپنا اپنا الگ کاروبار کرتے ہیں اور الگ کھاتے پیتے ہیں مگر رہتے ایک ہی گھر میں ہیں۔ اور خود صاحب نصاب بھی ہوتے ہیں ایسی صورت میں سب پر اپنی الگ الگ قربانی واجب ہوگی۔ بعض دفعہ بیٹی ماں باپ سے بھی زیادہ امیر ہوتی ہے مگر رہتی اپنے باپ کے گھر میں ہی ہے۔ ایسی صورت میں اس پر الگ سے قربانی واجب ہوگی۔

ہاں اگر خاندان کا سربراہ ایک ہو سب کا مال و دولت ایک ہی آدمی کے ہاتھ میں ہو اور سب کا خزانہ اکٹھا ہو۔ بیوی اور بچے صاحب نصاب نہ ہوں تو ایسی صورت میں صرف گھر کے سربراہ جس پر صاحب مال ہونے کی وجہ سے قربانی واجب ہوئی ہے وہ اپنی طرف سے ایک قربانی کرے گا۔ اور ایسی ایک قربانی کو تمام اہل خانہ کی طرف سے قربانی کہہ سکتے ہیں۔

عقلی دلیل:

ہر مسلمان عاقل بالغ پر اسلام کے احکام الگ الگ عائد ہوتے ہیں۔ مثلاً

(۱) نماز سب پر الگ الگ فرض ہے تمام گھر والے اپنی اپنی نماز پڑھیں گے۔

(۲) روزہ بھی سب گھر والوں پر الگ الگ فرض ہے۔

(۳) زکوۃ بھی سب گھر والے اپنی اپنی ادا کریں گے۔ اگر وہ سب مال دار ہیں اور صاحب نصاب ہیں اسی طرح صدقہ فطر بھی ہر ایک پر الگ الگ واجب ہوگا۔

(۴) حج بھی ہر ایک اپنی طرف سے الگ الگ کرے گا۔

ایسے ہی قربانی بھی ہر مال دار صاحب نصاب اپنی اپنی کرے گا چاہے وہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوں۔ بہت سے گھر اور خاندان ایسے ہیں کہ دادا پڑدادا بھی زندہ ہوتے ہیں اور ان کی اولادیں بھی اسی گھر میں رہتی ہیں تایا، چاچا، پھوپھی وغیرہ بھی دادا ہی کے مکان میں رہتے ہیں۔ وہ ایک ہی گھر کہلاتا ہے کیا ایسی صورت میں صرف ایک بکری قربانی کر دینے سے سب کی طرف سے ادا ہو جائے گی جب اس گھر میں اکثر صاحب نصاب ہوں۔

فقہ حنفی کے دلائل

حنفی مسلک کے دلائل میں ایسے تمام دلائل شامل ہیں، جن میں قربانی کی اہمیت اور فضیلت کا ذکر ہے۔ اور وہ ہر صاحب نصاب کے لیے ہیں جب تک کوئی ایسی وزنی دلیل ان کو چھوڑنے پر مجبور نہ کرے۔ جو حدیث نقل کی ہے وہ اس درجہ کی نہیں ہم پہلے اپنے دلائل نقل کرتے ہیں بعد میں اس حدیث کا جواب عرض کریں گے۔

قرآن حکیم میں قربانی کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے۔ پارہ نمبر ۲۳ سورۃ الصافات آیت نمبر ۹۹ تا ۱۰۸ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر موجود ہے۔ ہم یہاں پر صرف آیات کا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

پہلی آیت:

''اور ابراہیم کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں وہ مجھ کو (اچھی جگہ) پہنچا ہی دے گا اے میرے رب مجھ کو ایک فرزند دے سو ہم نے ان کو حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے فرمایا کہ برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو (بامرالٰہی) ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ بولے کہ ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ (بلا تامل) کیجیے ان شاء اللہ آپ مجھ کو سہار کرنے والوں میں سے دیکھیں گے۔ غرض دونوں نے (خدا کے حکم کو) تسلیم کرلیا اور باپ نے بیٹے کو (ذبح کرنے کے لیے) کروٹ پر لٹایا اور (چاہتے تھے کہ گلا کاٹ ڈالیں اس وقت) ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیم (شاباش ہے) تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا (وہ وقت بھی عجیب تھا) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ تھا ہی بڑا امتحان اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دے دیا اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات ان کے لیے رہنے دی۔

دوسری آیت:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ

''اور (جتنے اہل شرائع گزرے ہیں ان میں سے) ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے۔'' (الحج:۳۴)

تیسری آیت:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ

''تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لیے ہے' جو پالنے والا سارے جہان کا ہے۔ کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلے فرماں بردار ہوں۔ (انعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

چوتھی آیت:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ① فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ② (الکوثر: ۱،۲)

''بے شک ہم نے دی تجھ کو کوثر سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر۔''

حدیث نمبر ۱:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو قربانی کرنے کی طاقت ہو پھر وہ قربانی نہ کرے تو ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔

(سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی)

اس حدیث پر امام ابن ماجہ نے اس طرح باب باندھا ہے۔ باب الاضاحی واجبة هي ام ه۔ قربانی واجب ہونے اور نہ ہونے کا باب۔ مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱، مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۲۳۲، سنن دار قطنی باب الصید الذبائح والاطمعة وغیر ذلك)

امام حاکم نے اس حدیث کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔ ملاحظہ ہو المستدرک ج ۴ ص ۲۳۱ تلخیص مستدرک حافظ ذہبی۔ یہ تلخیص مستدرک کے ساتھ ہی طبع شدہ ہے۔ شیخ البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں صحیح سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۹۹ مولانا شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد نے تعلیق المغنی شرح دار قطنی میں لکھا ہے۔ حدیث ابن ماجہ کے راوی کلھم صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ مگر عبداللہ بن عیاش مسلم کا راوی ہے جس کی ایک حدیث مسلم میں ہے۔

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسے مسلمان شخص کو جو قربانی کی طاقت رکھتا ہو یہ

تنبیہ فرمائی ہے جو گھر کے تمام افراد مرد ہو یا عورت بیٹا ہو یا بیٹی سب کو شامل ہے۔ آپ نے کسی کو مستثنیٰ نہیں فرمایا اس لیے یہ حکم عام ہے۔

حدیث نمبر۲:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے **عتیرہ** سے منع فرمایا۔ **عتیرہ** ایک ذبیحہ تھا جسے لوگ رجب میں ذبح کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس **عتیرہ** سے منع کیا اور انہیں قربانی کرنے کا حکم دیا۔ (مسند بزار، مجمع الزوائد)

حدیث نمبر۳:

جندب بن سفیان بجلی کہتے ہیں ہم نے ایک عید الاضحیٰ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کی اس دن بعض لوگوں نے عید سے پہلے ہی قربانی کر لی جب آپ ﷺ نماز پڑھ کر تشریف لائے تو دیکھا کہ ان لوگوں نے نماز سے پہلے ہی قربانی کر لی ہے آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کی ہو وہ دوبارہ قربانی کرے جس نے قربانی نہ کی ہو وہ اب اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔

(بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب قول النبی فلیذبح علی اسم الله، مسلم، کتاب الاضاحی، باب: وقتها، النسائی، کتاب الضحایا، باب: ذبح الضحیة قبل الامام)

حدیث نمبر۴:

ام بلال فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بھیڑ کے چھ ماہ کے بچے کی قربانی کرنے کا حکم دیا۔ (مجمع الزوائد ج۴ ص۱۹)

حدیث نمبر۵:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابن آدم (یعنی

انسان) کانحر اس دن (بقرعید کا دن) ایسا کوئی عمل نہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک خون بہانے (یعنی قربانی کرنے) سے زیادہ محبوب ہو اور (قربانی کا) وہ ذبح کیا ہوا جانور قیامت کے دن اپنے سینگھ ، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون اس سے پہلے کہ زمین پر گرے یعنی ذبح کرنے کا ارادہ کے وقت ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جاتا ہے لہٰذا تم اس کی وجہ سے (یعنی قربانی کی وجہ سے) اپنے نفس کو خوش کرو۔

(سنن ترمذی، ابواب الاضاحی، باب: ما جاء فی فضل الاضحیة، سنن ابن ماجة، ابواب الاضاحی، باب: ثواب الاضحیة، سنن بیهقی ج۹ ص۲۶۱، مستدرك حاكم ج٤، ص۲۲۱، ۲۲۲، مشكوٰة ج۱ ص۱۲۸، مصنف عبدالرزاق ج٤ ص۳۸۸)

اس حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قربانی کو قبول کرتا ہے اور اس کے بدلے تمہیں بہت زیادہ ثواب سے نوازتا ہے تو قربانی کرنے کی وجہ سے تمہارے اندر کسی قسم کی کوئی تنگی یا کراہت نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس عظیم شہادت کی وجہ سے تمہارے نفس کو مطمئن اور تمہارے دل کو خوش ہونا چاہیے۔

(مظاہر حق جدید جلد اول ص ۹۵۴، دار الاشاعت کراچی)

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک گھر میں اگر دس صاحب نصاب بھی ہوں تو صرف ایک ہی بکری کافی ہے تو وہ ان لوگوں کو اس عظیم ثواب سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۶:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے سوال کیا یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں (یعنی ابراہیم کا طریقہ ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا یا رسول اللہ ! پھر اس میں ہمارے لیے کیا ثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے ہر بال کے بدلے نیکی

ہے۔ صحابہ کرام نے سوال کیا: صوف (یعنی اون والے جانور کا بھی یہ ہی حکم ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: اون کے ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔

(مسند احمد، ج٤ ص٣٦٨، سنن ابن ماجه ابواب الاضاحی، باب: ثواب الاضحية، مستدرك حاكم ج٢ ص٣٨٩، سنن الكبرىٰ بيهقي ج٩ ص٢٦١، طبراني كبير حديث نمبر ٤٩٣٥، الترغيب والترهيب ج٢ ص١٥٤، مشكوٰة ص١٢٩)

حدیث نمبر ۷:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ روپیہ جو بقرعید کے دن قربانی کے لیے خرچ کیا جائے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔

(مجمع الزوائد ج٤ ص٢٠، الترغيب والترهيب ج٢ ص١٥٥، دار قطني حديث نمبر ٢٨١٥، سنن الكبرىٰ بيهقي ج٩ ص٢٦١، طبراني كبير حديث نمبر ١٠٣٥)

حدیث نمبر ۸:

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے خوش دلی کے ساتھ ثواب سمجھ کر قربانی کی وہ قربانی اس کے واسطے دوزخ سے حجاب بنے گی۔

(الترغيب والترهيب مترجم جلد اول دوسرا حصه ص٩٠١، طبراني كبير حديث نمبر ٢٦٧٠)

حدیث نمبر ۹:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے لوگو! قربانی کرو اور ان کے خون بہانے کو ثواب سمجھو اگرچہ خون پر زمین گرتا ہے (یعنی تمہیں زمین پر گرتا نظر آتا

ہے) مگر بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے۔

(مجمع الزوائد ج٤ ص٢٠، الترغیب والترهیب مترجم جلد اول دوسرا حصه ص٩٠١، طبرانی اوسط حدیث نمبر ٨٥٥٤)

حدیث نمبر١٠:

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بیٹی فاطمہ اپنی قربانی کے پاس کھڑی ہو اس لیے اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے کے وقت تیرے تمام پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہ یہ دعا پڑھو اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے سوال کیا یا رسول اللہ! یہ اجر (گناہوں کی تلافی والا) ہمیں بھی ملے گا یا صرف آپ کے لیے یا آپ کی اہل بیت کے لیے خاص ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ اہل بیت کے ساتھ خاص نہیں) بلکہ یہ اجر تمام مسلمانوں کے لیے ہوگا۔

(مستدرك حاكم، جلد٤، ص٢٢٢، سنن الكبرىٰ بيهقي جلد٩ ص٢٨٣، طبراني كبير حديث نمبر ١٥٠٠٢، طبراني اوسط حديث نمبر ٢٦٠٩، مجمع الزوائد ج٤ ص٢٠، نصب الرايه ج٤ ص٥١٤)

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے واقعہ والی یہ حدیث حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے علاوہ کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ دیکھئے **(الترغيب والترهيب ج٢ ص١٥٤، المستدرك ج٥ ص١٤٧، مجمع الزوائد ج٤ ص٢٠، نصب الرايه ج٤ ص٥١٤ تا ٥١٦، سنن الكبرىٰ ج٩ ص٢٨٣، كنز العمال ج٥ ص٢٢١)**

حدیث نمبر١١:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی چیز میں

چاندی خرچ نہیں کی گئی جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیاری ہو اس قربانی سے جو عید کے دن کی جائے۔

(الترغیب والترھیب مترجم جلد اول دوسرا حصہ ۹۰۱)

ہم نے قربانی کے فضائل اور اس کی اہمیت قرآن وحدیث سے بیان کر دی ہے جو کہ ہر مسلمان کے لیے ہے جو قربانی کرنے کی طاقت رکھتا ہو وہ ضرور کرے اور اس اجر عظیم کو حاصل کرے، پیسہ آنے جانے والی چیز ہے مگر یہ وقت پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ حضور ﷺ نے ہر سال قربانی کی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی قربانیاں کرتے تھے۔

اب رہی وہ روایت جو جونا گڑھی نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔ مگر جواب عرض کرنے سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جونا گڑھی نے حدیث نقل کرتے ہوئے بد دیانتی کی ہے۔

صاحب شمع محمدی کی بددیانتی:

جونا گڑھی نے ان اهل البیت فی کل عام اضحیة الخ تک کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ جبکہ مکمل حدیث اس طرح ہے۔

وَعَتِيْرَةً هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْعَتِيْرَةُ هِيَ الَّتِيْ تُسَمُّوْنَهَا الرَّجَبِيَّتُ

رواه الترمذی وابواؤد والنسائی وابن ماجة وقال الترمذی هذا حدیث غریب ضعیف الاسناد وقال ابوداؤد والْعَتِيْرَةَ مَنْسُوْخَةٌ

(مشکوة باب العتیرةِ الفصل الاول)

اور عتیرہ کرنا واجب ہے اور تم جانتے ہو عتیرہ کیا ہے؟ عتیرہ وہ ہے جسے تم رجبیہ کہتے ہو۔

ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ نے اس کو روایت کیا ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور ضعیف الاسناد ہے، نیز ابوداؤد فرماتے ہیں کہ عتیرہ منسوخ قرار دیا جا چکا ہے۔

قارئین کرام! مکمل حدیث کا متن اس طرح ہے جو نا گڑھی نے جو خیانت کی ہے وہ بھی آپ کے سامنے آ چکی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ کا مکمل متن پڑھنے کے بعد دو باتیں سامنے آتی ہیں۔

نمبر ا...... کہ حدیث ضعیف ہے۔

نمبر ۲...... یہ حدیث منسوخ ہے۔

اسی حدیث سے قرآن وسنت اور حضور اکرم ﷺ کا دائمی عمل اور صحابہ کرام کا عمل کس طرح چھوڑا جا سکتا ہے۔

اس حدیث کے دو جواب تو اوپر گزر گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے دوسرا یہ کہ یہ منسوخ ہے۔

تیسرا جواب:

اگر یہ حدیث ضعیف نہ بھی ہوتی تو پھر بھی قابل عمل نہ تھی کیوں کہ یہ آپ کے عمل کے خلاف ہے۔

نبی کریم ﷺ کا عمل مبارک

حدیث نمبر ۱۲:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سات اونٹ کھڑے کر کے اپنے ہاتھ سے نحر کیے۔ (بخاری، کتاب الحج، باب: من نحر بیدہ)

اس حدیث سے اکیلے صرف نبی کریم ﷺ کا سات اونٹ ذبح کرنا ثابت ہوا۔

حدیث نمبر ۱۳:

امام مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث نقل کی ہے۔ جو مسلم کے باب هجة النبی صلی الله علیه وسلم میں مذکور ہے اس میں آتا ہے۔

پھر آپ منیٰ گئے اور وہاں تریسٹھ اونٹوں کو اپنے ہاتھوں سے نحر (قربان) کیا پھر باقی اونٹ حضرت علی کو نحر کے لیے دیئے۔

(سنن ابو داؤد، کتاب المناسك، سنن ابن ماجة، کتاب المناسك)

اس حدیث میں آپ ﷺ کا اپنے ہاتھ سے ۶۳ تریسٹھ اونٹوں کی قربانی کرنا ثابت ہے۔

حدیث نمبر ۱۴:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سو اونٹوں کی قربانی کی آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے گوشت کو تقسیم کروں پھر مجھے حکم دیا کہ میں ان کی جھولوں اور ان کی کھالوں کو تقسیم کروں۔(بخاری، کتاب الحج، باب: یتصدق بجلال البدن)

اس حدیث میں آپ ﷺ کا اکیلے سو اونٹ ذبح کرنے کا ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۵:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ (مسلم، مشکوۃ باب الہدی)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ اپنی قربانی بھی کرتے تھے اور اپنی بیوی کی طرف سے بھی کرتے تھے۔

سارے گھر کی طرف سے ایک قربانی کرنے والی روایت اس صحیح حدیث کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۱۶:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ (مسلم، مشکوۃ باب الہدی)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کرتے

تھے۔

حدیث نمبر ۱۷:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے ذبح کی۔(بخاری، کتاب الاضاحی، باب: من ذبح ضحیۃ)

گائے ذبح کرنے کا ذکر کئی احادیث میں آیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

(بخاری ج۱ ص۲۳۱، ۲۳۲، مسلم ج۱ ص۴۲۴، مشکوۃ ص۲۳۱، بخاری ج۲ ص۷۳٤، نصب الرایہ ج٤ ص۵۰۹، مسند احمد ج۷ ص۳۹، ابن ماجۃ ص۲۳۳، ابوداؤد ج۱ ص۳٤٤، ابوداؤد ج۱ ص۴۲۴، ابن ماجۃ ص۲۳۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو مینڈھوں کی قربانی دینا

حدیث نمبر ۱۸:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چت کبرے مینڈھوں کی قربانی دی میں نے دیکھا آپ اپنا پاؤں ان کے منہ کے ایک جانب رکھے ہوئے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر اپنے ہاتھ سے ذبح فرما رہے تھے۔

(بخاری، کتاب الأضاحی، باب: من ذبح الأضاحی بیدہ، مسلم، کتاب الاضاحی، باب: استحبا الضحیۃ وذبحھا مباشرۃ بلا توکیل)

اس حدیث سے بھی ایک سے زیادہ قربانی کرنا ثابت ہوا۔

حدیث نمبر ۱۹:

حضرت حنش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو مینڈھوں کی قربانی کی ایک مینڈھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور ایک مینڈھا اپنی طرف

سے اور فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں ان کی طرف سے قربانی کروں۔ لہٰذا میں ہمیشہ ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔

(مسند احمد ج۲ ص۳۱٦، ۲۱۷، حدیث نمبر ۱۲۷۸، ابو داؤد، کتاب الضحایا، باب: الأضحیة عن المیت، الترمذی، کتاب الاضاحی، باب: فی الأضحیة بکبشین، مستدرك حاکم کتاب الأضاحی)

اس حدیث سے بھی دو قربانیاں کرنا ثابت ہوتا ہے۔

قرآن وسنت صحابہ کرام اور سلف صالحین کے عمل کے خلاف ایک منسوخ اور وہ بھی سخت ضعیف روایت پیش کرنا کوئی دانش مندی نہیں۔

اعتراض نمبر ۱۲۰:

حدیث کے نفل کو واجب کر دیا

(یعنی قربانی کا وجوب)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مسند احمد اور مستدرک حاکم میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ ثَلٰثٌ هُنَّ عَلَیَّ فَرَائِضُ وَهُنَّ لَكُمْ تَطَوُّعٌ اَلْوِتْرُ وَالنَّحْرُ وَصَلٰوةُ الضُّحٰی یعنی تین کام ہیں جو مجھ پر تو فرض ہیں لیکن تمہارے لیے نفل ہیں وتر، قربانی اور نماز ضحیٰ، حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ باوجودیکہ میں تم سب سے زیادہ مال دار ہوں لیکن پھر بھی قربانی کو چھوڑ دیتا ہوں اس لیے کہ کہیں تم اسے واجب نہ جاننے لگو، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا وہ کہتا ہے الاضحِیَۃُ وَاجِبَۃٌ یعنی قربانی واجب ہے۔ (ہدایہ ج ۴ ص ۴۲۷) کتاب الاضحیہ، کہو حنفی بھائیو! اب تم آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین کی مانو گے؟ یا حنفی مذہب کی؟ (شمع محمدی ص ۱۴۱)

جواب:

جوناگڑھی احناف کی مخالفت میں اس قدر آگے بڑھ گئے تھے کہ ان کو اپنے مذہب کا بھی خیال نہیں رہا۔ جو حدیث نقل کی ہے اس میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔ کہ وہ امت پر نفل ہیں۔

۱......وتر:

جوناگڑھی نے یہاں پر یہ کہا ہے کہ امت پر وتر نفل ہیں۔ حالانکہ غیر مقلدین کی اکثر کتابوں میں وتر کے متعلق لکھا ہے کہ سنت ہیں۔ فقہ محمدیہ ص ۵۶

۲......قربانی:

جوناگڑھی نے قربانی کو بھی یہاں پر نفل کہا ہے۔ جب کہ غیر مقلدین کے نزدیک قربانی سنت ہے۔ (فقہ محمدیہ ص ۷۹)

۳......نمازِ ضحیٰ:

غیر مقلد کہتے ہیں کہ نماز اشراق اور نماز ضحیٰ ایک ہی نماز ہے۔ الگ سے نماز ضحیٰ نماز نہیں۔

پھر حضرت ابو مسعود، حضرت ابو بکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے حوالے دیتے ہیں۔ مگر ان کا ماخذ نہیں بتایا۔ مگر یہ بات جوناگڑھی کے اصول کے خلاف ہے جو انہوں نے طریق محمدی میں نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال دین میں حجت نہیں۔

اعتراض نمبر ۱۲۱:

سفر میں نماز جمع کرنے کا مسئلہ

یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کی سند میں ابو جندب یحییٰ بن یحییٰ حدیث ضعیف اور مدلس ہے۔

راشدی صاحب کے نزدیک قربانی کرنا نفلی عبادت ہے جیسا کہ اس مسئلہ کی سرخی جوانہوں نے قائم کی ہے سے ثابت ہوتا ہے۔ غیر مقلدین کو خوش ہونا چاہیے کہ قربانی سے چھٹی ہوگئی۔ کیوں کہ نفلی عبادت کا انسان کو اختیار ہوتا ہے کہ کرو تو ثواب نہ کرو تو کوئی گناہ نہیں۔

حنفی مذہب کے دلائل

احناف کے ہاں ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے۔ فرض، واجب، رکن، سنت موکدہ، سنت غیر موکدہ، نفل وغیرہ کی اصلاحات فقہاء ومحدثین اور اصولیین نے وضع کی ہیں۔ قرآن وسنت اور نبی کریم ﷺ وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل مبارک کو دیکھ کر علماء نے آسانی کے لیے ہر ایک عمل کا حکم الگ الگ اپنی کتب میں لکھ دیا ہے۔ اوران اصلاحات کا استعمال غیر مقلد بھی کرتے ہیں، قربانی کے واجب ہونے کا اقرار خود غیر مقلد علماء نے بھی کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا محمد یونس دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

کہ علماء کا اختلاف ہے کہ قربانی واجب ہے کہ سنت مؤکدہ بہت سے علماء قربانی کو واجب بتاتے ہیں اوراس کے وجوب پر آیت فصل لربک وانحر سے استدلال کرتے ہیں لیکن جمہور علماء سنت موکدہ ہونے کے قائل ہیں لیکن جانبین کی دلیلوں پر غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ جولوگ وجوب کے قائل ہیں ان کے دلائل مستحکم اور مضبوط ہیں۔ بدورالاہلہ میں طرفین کے

دلائل کی خوب تحقیق کی گئی ہے۔ انصاب کی بات یہ ہے کہ جسے قربانی کا اس قدر مقدور ہو کہ ایک بکرا یا مینڈھا یا بھیڑ خواہ نر ہو مادہ خرید سکتا ہے اسے قربانی کرنا واجب ہے۔

(دستور المتقی فی احکام النبی ص ۱۵٦)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض دیگر ائمہ کرام یہ فرماتے ہیں کہ قربانی واجب ہے۔ امام نووی شافعی شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۵ میں اور قاضی شوکانی نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۱۸ میں لکھتے ہیں **قال الربیعة والاوزاعی وابوحنیفة واللیث هی واجبة علی الموسروبه قال بعض المالکیة وقال النخعی واجبة علی الموسر الا الحاج.**

علامہ بدر الدین البعلی الحنبلی مختصر الفتاویٰ المصریہ ج ۱ ص ۵۲۲ میں لکھتے ہیں:

وفی وجوب الاضحیة قولانا لاحمد ومالك وغیرهما. الخ

قربانی کے وجوب کے چند دلائل حسب ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قربانی کرنے کا حکم دیا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ

اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی دیجیے (الکوثر: ۲)

علامہ ابن جوزی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَانْحَرْ کی تفسیر میں پانچ اقوال نقل کیے ہیں اور ان میں سے پہلا قول یہ ہے کہ قربانی کے دن جانور ذبح کرو یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام عطاء، امام مجاہد اور جمہور علمائے امت کا ہے۔

(زاد المیر فی علم التفسیر ج۹ ص۲٤۹)

اکثر اصول کی کتابوں میں یہ اصول لکھا ہے والامر للوجوب یعنی جس چیز کا حکم اور امر ہو وہ کم از کم واجب ہوا کرتا ہے لہٰذا قربانی واجب ہوئی۔

فرمان باری تعالیٰ ہے

قُلْ اِنَّ صَلاَتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذَلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَاْ اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ

''تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لیے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں۔(الانعام:۱۶۲،۱۶۳)

اس آیت کریمہ میں بھی قربانی کا حکم دیا گیا ہے کیوں کہ اس آیت میں اُمِــرْتُ کالفظ ہے جس کا معنی یہی ہے کہ مجھے نماز اور قربانی کرنے کا امر ہوا ہے اور جس کا حکم اور امر ہو وہ اگر فرض نہ ہوتو واجب ہوا کرتا ہے۔لہٰذا اس سے واضح ہوا کہ قربانی واجب ہے۔

حدیث نمبرا:

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔

(ترمذی ابواب الاضاحی ج۱ ص۱۸۲)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ آپ نے قربانی کرنے پر مواظبت کی ہے۔ اور یہ مواظبت وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

علامہ ابن رشد مالکی بدایہ ج اص ۴۱۵ میں لکھتے ہیں:

انه لم يترك رسول الله صلى الله عليه وسلم الضحية قط فيما روى عنه حتى في السفر.

کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قربانی ناغہ نہیں کی یہاں تک کہ سفر میں بھی۔

حدیث نمبر۲:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ . ں .. یہ نے فرمایا جس شخص میں

طاقت ہو اور پھر وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے پاس نہ آئے۔

(ابن ماجة، باب الاضاحی واجبة ھی امرہ ص ۲۳۲)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ اس شخص کو تنبیہ فرما رہے ہیں (یعنی ناراضگی اور غصے کا اظہار فرما رہے ہیں) جو قربانی کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے۔ اتنی سخت تنبیہ نفل چھوڑنے پر نہیں کی جاتی۔ واجب چھوڑنے پر ہوا کرتی ہے تو اس سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ قربانی واجب ہے۔

حدیث نمبر ۳:

جندب بن سفیان بجلی کہتے ہیں

ہم نے ایک عید الاضحیٰ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کی اس دن بعض لوگوں نے نماز عید سے پہلے ہی قربانی کر لی جب آپ نماز پڑھ کر تشریف لائے تو دیکھا کہ ان لوگوں نے نماز سے پہلے ہی قربانی کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کی ہو وہ دوبارہ قربانی کرے۔ جس نے قربانی نہ کی ہو وہ اب اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔

(بخاری ج۲ ص۸۳٤، کتاب الاضاحی، باب: من ذبح قبل الصلاۃ اعاد، مسلم ج۲ ص۱۰۰، کتاب الاضاحی، باب: وقتھا)

اس روایت میں آنحضرت ﷺ کا واضح حکم ہے، قربانی کے اعادہ کا اس شخص کو جس نے نماز سے پہلے قربانی کی تھی۔

عید کی نماز سے پہلے شہر میں قربانی کرنا جائز نہیں تھا۔ آپ کا یہ حکم کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قربانی کرنا نفل نہیں بلکہ واجب ہے۔ ورنہ دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دینے کا کوئی معنیٰ نہیں۔

حدیث نمبر ۴:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عید الاضحیٰ کے دن فرمایا جس

نے نماز سے پہلے ذبح کرلیا ہو وہ دوسرا جانور ذبح کرے۔ الخ

(بخاری کتاب الاضاحی، باب: ما یشتھی من اللحم یوم النحر)

اس حدیث میں بھی دوبارہ کرنے کا حکم ہے اگر قربانی نفل ہوتی تو آپ دوبارہ کرنے کا حکم نہ دیتے آپ کا دوبارہ حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ قربانی واجب ہے۔

حدیث نمبر۵:

ام بلال رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑ کے چھ ماہ کے بچے کی قربانی کرنے کا حکم دیا۔ **(مجمع الزوائد ج٤ ص١٩)**

حدیث نمبر٦:

روایت ہے عقبہ بن عامر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیں ان کو بکریاں کہ بانٹ دیویں اس کو حضرت کے صحابہ میں قربانی کے لیے سو باقی رہ گئی اس میں سے ایک عتود یا ایک جدی سو ذکر کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تم قربانی کردو۔

(ترمذی ابواب الاضاحی، باب: فی الجذع من الضان فی الاضاحی، جلد نمبر١ ص١٨١)

ہم نے چھ روایات ایسی نقل کی ہیں جن میں امر موجود ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ علمائے کرام کے حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابوبکر جصاص رازی کا حوالہ:

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے نسک کو صلوٰۃ کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جہاں صلوٰۃ سے عید اور قربانی مراد ہے اور اس سے قربانی کا وجوب بھی ثابت ہوتا ہے کیوں کہ وبذلک امرت موجود ہے۔ اور امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔

(احکام القرآن ج٣ ص٢٤)

امام شوکانی غیر مقلد کا حوالہ:

امر مطلق وجوب کے لیے آتا ہے جیسا کہ قاضی شوکانی فرماتے ہیں والامر ظاهر فی الوجوب نیل الاوطار ج۵ ص۱۱۹)

اعتراض نمبر ۱۲۱:

سفر میں نماز جمع کرنے کا مسئلہ

جونا گڑھی نے اس مسئلہ کے تحت ایک حدیث پیش کی ہے۔

عَنِ ابْنِ عباس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يَجْمَعُ بَيْنَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ وَّيَجْمَعُ بَيْنِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ.

(رواه البخاری، مشکوة ج۱ ص۱۱۸، باب صلوٰة السفر)

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں راستے ہی میں ہوتے تو ظہر عصر کو اور مغرب عشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھتے تھے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حنفی مذہب اس کا قائل نہیں وہ کہتا ہے وَلَا يَجْمَعُ فَرضَانِ فِيْ وَقْتٍ بِلَا حَجٍّ. (شرح وقایه ج۱ ص۱۲٤، کتاب الصلوة) یعنی حج کے موقعہ کے سوا کسی اور وقت دو فرض نمازیں جمع کر کے نہیں پڑھنی چاہییں۔ کہو حنفیو! رخصتِ دین اور آسانی اسلام کو تم قبول کرو گے یا اپنے اگلوں کی طرح اسے دھکے ہی دو گے؟

(شمع محمدی ص۱۴۱، ظفر المبین حصہ اول ص۱۲۱، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص۵۵، اختلاف امت کا المیہ حصہ اول ص۶۱، سبیل الرسول)

جواب:

دوفرض نمازوں کو جمع کرنے کے دوطریقے ہیں۔(۱) جمع حقیقی (۲) جمع صوری، ہے.
جمع حقیقی کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جمع تقدیم: ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کو اور مغرب کے وقت میں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھ لیا جائے۔

(۲) جمع تاخیر: عصر کے وقت میں ظہر اور عصر کو اور عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھ لیا جائے ان دونوں صورتوں میں ایک ایک نماز ضرور بے وقت پڑھنی پڑتی ہے۔

جمع صوری: ظہر کی نماز ظہر کے آخر وقت میں اور عصر کی نماز اس کے اول میں وقت میں پڑھ لی جائے۔اسی طرح مغرب کی نماز آخر وقت میں غروبِ شفق سے پہلے اور عشاء کی نماز کو اول وقت میں غروبِ شفق کے فوراً بعد پڑھ لیا جائے۔اس صورت میں ہر ہر نماز اپنے وقت میں پڑھی جاتی ہے کوئی نماز بے وقت نہیں پڑھی جاتی۔اس لیے اس کو جمع حقیقی نہیں جمع صوری کہتے ہیں۔ یہ سفر میں بالاتفاق جائز ہے۔اور جوناگڑھی نے جو بخاری کے حوالہ سے حدیث نقل کی ہے اس سے یہی جمع صوری مراد ہے۔

امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ حج کے موقع پر مزدلفہ اور عرفات کے سوا دونمازوں کو ایک نماز کے وقت میں جمع کر کے پڑھنا درست نہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نماز کا ایک متعین ومحدود وقت مقرر کیا ہے اور اس کا منشا یہی ہے کہ ہر نماز کو اس کے اپنے وقت میں ادا کیا جائے۔

(۱) چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''بے شک نماز مومنوں پر ایک مقررہ وقت کے اندر فرض کی گئی ہے۔''(نساء:۱۰۳)

(۲) صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''کسی نماز کا وقت اس وقت تک داخل نہیں ہوتا جب تک کہ دوسری نماز کا وقت نکل نہ جائے۔(ج ا ص ۵۸)

(۳) ابوداوٗد کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''ظہر کا وقت' اس وقت تک باقی رہتا ہے' جب تک کہ عصر کا وقت نہ آ جائے۔ (ج ا ص ۵۸)

(۴) ابوداوٗد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور طحاوی میں روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''نیند کی حالت میں (نماز رہ جانے میں) کوتاہی نہیں ہے، کوتاہی تو بیداری کی حالت میں ہے کہ آدمی ایک نماز کو دوسری نماز تک مؤخر کر دے۔'' (ابوداوٗد ج ا ص ۶۳)

(۵) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انبیاء کی نیک اولاد اور پیروکاروں کے گزر جانے کے بعد ایسے لوگ آ گئے کہ جنہوں نے نمازیں ضائع کرنا شروع کر دیں۔ (مریم:۵۹) اس کی تفسیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نمازیں ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نمازوں کو اپنے اوقات سے مؤخر کر کے دوسرے اوقات میں پڑھا کرتے تھے۔ (عمدة القاري ومعالم التنزيل للبغوي)

نمازوں کے اوقات کی تعیین وتحدید تواتر سے ثابت ہے اور مندرجہ بالا قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ نمازوں کے اپنے اوقات کو چھوڑ کر ان کو دوسری نمازوں کے اوقات تک موخر کرنا بالکل ناجائز ہے۔ اس سے صرف ایک استثناء رسول اللہ ﷺ کی سنت متواترہ سے ثابت ہے کہ حج کے موقع پر عرفات میں عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں اور مزدلفہ میں مغرب کی نماز کو عشاء کے وقت میں جمع کر کے پڑھا جائے۔ اس کے علاوہ کسی موقع پر حضور ﷺ نے دو نمازوں کو جمع نہیں کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ کے سفر و حضر کے ساتھ اور افقہ الامت کے لقب سے ملقب ہیں' فرماتے ہیں:

''حضور ﷺ نے کوئی نماز اپنے وقت کے علاوہ کسی اور وقت میں نہیں پڑھی، مگر عرفہ اور مزدلفہ میں (حج کے موقع پر)۔''

رہی وہ روایت جو جونا گڑھی نے نقل کی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے بظاہر یہ نمازیں اکٹھی پڑھی ہیں ہم کہتے ہیں کہ یہ جمع حقیقی نہیں تھیں بلکہ جمع صوری ہیں کیوں کہ حضور ﷺ نے کوئی نماز اپنے وقت سے ہٹ کر نہیں پڑھی، بلکہ آپ ﷺ نے ان نمازوں میں ''جمع صوری'' کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ظہر کی نماز اس کے بالکل آخری وقت میں اور عصر کی نماز اس کے بالکل ابتدائی وقت میں ادا فرمائی۔ یہی معاملہ مغرب اور عشاء کا ہے۔ اس طرح بظاہر دونوں نمازیں جمع ہو گئیں لیکن درحقیقت ہر نماز اپنے اپنے وقت میں ادا کی گئی۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱...... صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

''میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر میں جلدی ہوتی تو آپ مغرب کی نماز کو مؤخر کر دیتے تھے، یہاں تک کہ مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھتے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے سالم بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی جب سفر میں جلدی ہوتی تو وہ بھی ایسے ہی کرتے تھے۔ مغرب کی تین رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیتے، پھر تھوڑا سا ٹھہر کر (تاکہ عشاء کے وقت کا دخول یقینی ہو جائے) عشاء کی نماز ادا کرتے تھے۔'' (ج ۱ ص ۱۴۹)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس طریقہ میں جمع صوری پر دلیل ملنے کا حافظ ابن حجر نے بھی اعتراف کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۶۵)

۲...... سنن ابوداؤد میں روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مؤذن نے سفر کے دوران میں ان سے کہا کہ نماز پڑھ لیجیے۔ انہوں نے کہا ابھی چلتے رہو۔ پھر جب شفق غروب ہونے میں کچھ وقت رہ گیا تو انہوں نے اتر کر مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر شفق غروب ہونے کا انتظار کیا اور اس کے بعد عشاء کی نماز ادا کی۔ پھر کہا کہ حضور ﷺ کو جب کسی وجہ سے جلدی

درپیش ہوتی تو اسی طرح کرتے تھے۔ جیسے میں نے کیا۔ (ج ا ص ۱۷۱)

۳...... صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (ظہر وعصر کی) آٹھ رکعتیں اکٹھی اور (مغرب وعشاء کی) سات رکعتیں اکٹھی پڑھی ہیں۔ (راوی کہتے ہیں) میں نے کہا: اے **ابو الشعثاء** میں گمان کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز کو موخر کر کے اور عصر کی نماز کو معجّل کر کے پڑھا۔ اسی طرح مغرب کی نماز کو موخر کر کے اور عشا کی نماز کو معجّل کر کے پڑھا۔ **ابو الشعثاء** نے کہا ہاں میرا بھی یہی گمان ہے۔ (ج ا ص ۲۴۱)

۴...... موطا امام محمد میں روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مملکت کے مختلف علاقوں کی طرف خط لکھا اور اس میں لوگوں کو منع کیا کہ وہ دو نمازوں کو جمع کریں اور ان کو خبر دی کہ دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (ص ۱۲۹، ۱۳۰)

۵...... عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب اور عشاء کو جمع کیا کرتے تھے، اس طرح کہ مغرب کو اس کے آخری وقت میں جب کہ عشاء کو اس کے اول وقت میں ادا فرماتے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۹)

۶...... ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر وعصر اور مغرب و عشاء کو جمع کیا، اس طرح کہ مغرب کو موخر کیا اور عشاء کو معجّل کیا اور اس طرح دونوں کو جمع کر کے پڑھا۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۵۹)

۷...... عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو حاجت پیش آجائے اور وہ چاہے کہ مغرب کو موخر اور عشاء کو معجّل کر کے دونوں کو اکٹھا کر کے پڑھے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ (اخرجہ ابن جریر، کنز العمال ج ۴ ص ۱۱۷)

۸...... امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں یہ معلوم نہیں کہ آپ نے سفر یا حضر میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا ہو مگر (حج کے

موقع پر) عرفہ میں، جہاں ظہر اور عصر کو جمع کیا جاتا ہے اور مزدلفہ میں، جہاں مغرب اور عشاء کو اکٹھا پڑھا جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۵۹، بیہقی ج ۳ ص ۱۶۹)

یہ روایات جمع بین الصلواتین کی روایتوں کو جمع صوری پر محمول کرنے میں بالکل صریح ہیں۔ علاوہ ازیں ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں کسی خوف یا بارش کی حالت کے بغیر ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کیا۔ (ج ۱ ص ۲۶) اس مضمون کی روایتیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۶۱) عبداللہ بن عمرو (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۵۵۶) اور جابر بن عبداللہ (طحاوی ج ۱ ص ۹۷) سے بھی مروی ہیں۔ ان روایات کو تمام اہل علم بالاتفاق جمع صوری پر محمول کرتے ہیں، کیوں کہ جن ائمہ کے نزدیک دو نمازوں کو حقیقتاً ایک وقت میں جمع کرنا جائز ہے ان کے نزدیک یہ اجازت عذر، مثلاً حالت سفر کے ساتھ مشروط ہے، جب کہ ان روایات میں تصریح ہے کہ مدینہ میں بغیر کسی عذر کے جمع بین الصلواتین کی گئی۔ چنانچہ جب ان روایات کو جمع صوری پر محمول کیا جاتا ہے تو کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ باقی روایات کو بھی شریعت کے اصول کلیہ کی روشنی میں جمع صوری ہی پر محمول کیا جائے؟ بالخصوص جب کہ خود روایات ہی میں اس کی صراحت بھی موجود ہے؟

اعتراض نمبر ۱۲۲:

مونڈھوں تک رفع الیدین کا انکار

محمد جوناگڑھی نے اس مسئلہ کے تحت ایک حدیث پیش کی ہے۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت میں دعویٰ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا تم سب سے زیادہ حافظ میں ہوں **اِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حِذَآءَ مَنْكِبَيْهِ الخ**

جب آپ تکبیر اولیٰ کہتے تو رفع الیدین کرتے اپنے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھاتے الخ

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کا منکر ہے وہ لکھتا ہے یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِاِبْهَامَیْهِ شَحْمَةَ اُذُنَیْهِ یعنی رفع الیدین اس طرح کرے کہ انگوٹھے کان کی لو کے برابر ہو جائیں۔ ملاحظہ ہو ہدایہ جلد اول ص ۸۴ باب صفۃ الصلوٰۃ۔ حنفی دوستو اجازت دیجیے کہ میں یہاں کچھ آپ کو سمجھاؤں۔ دیکھو ہدایہ کے مصنف اس حدیث کو لائے ہیں جسے ہم نے یہاں وارد کی ہے۔ پھر کہتے ہیں یہ حدیث شافعی مذہب کے لیے ہے۔ اور ہمارے لیے اور حدیث ہے جس میں کانوں تک ہاتھ اٹھانا مروی ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ تقسیم کیسی، یہ کون سا باپ دادے کا ورثہ بٹ رہا تھا کہ یہ میرا یہ تیرا۔ اس کے کیا معنی؟ کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث تو شافعی عمل کریں۔ حنفیوں پر اس پر علم کرنا حرام ہو۔ اور دوسری پر حنفی عمل کریں شافعی کو اس پر عمل حرام ہو۔ اے حنفیو اور اے شافعیو تم سب امت رسول ہو کیوں خدا کے دین کے ٹکڑے کرتے ہو؟ کیوں حدیث کے حصے کرتے ہو؟ کیوں سنت کی تقسیم کرتے ہو؟ کیوں کسی کا کفر کر کے کسی پر ایمان لاتے ہو؟ کیوں نہیں کہتے کہ یہ بھی سنت یہ بھی سنت یوں کرے خواہ یوں کرے۔

(شمع محمدی ص ۱۴۲، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۰۴، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۱، سبیل الرسول ﷺ ص ۴۲۸)

جواب:

اس مسئلہ میں احادیث مختلف وارد ہوئی ہیں۔ احناف جن روایات سے استدلال کرتے ہیں وہ مندرجہ ذیل روایات ہیں۔

۱۔عن البراء بن عازب قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا كبر رفع يديه حتى نرى ابهاميه قريبا من اذنيه. (مسند احمد ج٤ ص٣٠٣)

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام جب تکبیر (تحریمہ) کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اس قدر اٹھاتے کہ ہم آپ کے دونوں انگوٹھے کانوں کے قریب دیکھتے۔

۲۔عن البراء بن عازب قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم حين قام الى الصلٰوة فكبر ورفع يديه حتى ساوٰى بهما اذنيه ثم لم يعد.

(دار قطني ج١ ص١٩٤)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے تکبیر (تحریمہ) کہی۔ اور دونوں ہاتھ اس قدر اٹھائے کہ کانوں کے برابر لے گئے پھر دوبارہ نہیں اٹھائے۔

۳۔عن البراء بن عازب قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا كبر لافتتاح الصلٰوة رفع يديه حتى يكون ابهاماه قريبا من شحمتي اذنيه.

(طحاوی ج١ ص١٣٥)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام جب تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اس قدر اٹھاتے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے۔

۴۔عن انس قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم كبر فحاذى بابهاميه اذنيه ثم ركع حتى استقر كل مفصل منه وانحط بالتكبير حتى سبقت ركبتاه يديه، هذا اسناد صحيح على شرط الشيخين ولا اعرف له علة ولم يخرجاه.

(مستدرك حاكم ج١ ص٢٢٦، دار قطني ج١ ص٣٤٥، سنن كبرٰى بيهقي، ج٢ ص٩٩)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی تو اپنے دونوں انگوٹھے کانوں کے برابر لے گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا تو اس طرح سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر جوڑ اپنی اپنی جگہ ٹھہر گیا، اور تکبیر کہہ کر کہ (سجدہ کے لیے) نیچے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں گھٹنوں نے ہاتھوں پر سبقت کی (یعنی زمین پر پہلے دونوں گھٹنے رکھے پھر دونوں ہاتھ)

۵۔عن انس قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا افتتح الصلٰوة کبر ثم رفع یدیه حتی یحاذی ابهامیه اذنیه ثم یقول سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالٰی جدك ولا الٰه غیرك.

(دار قطنی ج۱ ص۳۰۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو تکبیر کہتے پھر اپنے دونوں ہاتھ اس قدر اٹھاتے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کے برابر ہو جاتے پھر آپ **سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالٰی جدك ولا الٰه غیرك** پڑھتے۔

۶۔عن عبد الجبار بن وائل عن ابیه انه ابصر النبی صلی الله علیه وسلم حین قام الی الصلٰوة رفع یدیه حتی کانتا بحیال منکبیه وحاذی بابهامیه اذنیه ثم کبر. (ابو داؤد ج۱ ص۱۰۵)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی علیہ السلام کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھائے اور انگوٹھے کانوں کے برابر کیے پھر اللہ اکبر کہا۔

۷۔عن عبدالجبار بن وائل عن ابیه انه رای النبی صلی الله علیه وسلم اذا افتتح الصلٰوة رفع یدیه حتی تکاد ابهاماه تحاذی شحمة اذنیه.

(نسائی ج۱ ص۱۰۲)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے نبی علیہ السلام کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نے نماز شروع کی تو آپ نے دونوں ہاتھ اس قدر اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لَو کے برابر ہو گئے۔

۸۔عن وائل بن حجر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا وائل بن حجر اذا صليت فاجعل يديك حذاء اذنيك والمرأة تجعل يديها حذا ثديها. (مجمع الزوائد ج۱ ص۱۸۲. معجم طبرانی کبیر ج۲۲ ص۱۸)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے وائل بن حجر جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ، اور عورت اپنے دونوں ہاتھ پستانوں تک اٹھائے۔

۹۔وائل بن حجر اخبره قال قلت لانظرف الى رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف يصلى قال فنظرت عليه قام وكبر ورفع يديه حتى حاذتنا باذنيه ثم وضع يده للهي على ظهر كفه السيرٰى والرسغ من الساعد.

(سنن کبریٰ ج۲ ص۲۸)

وائل بن حجر نے خبر دی وہ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ ہم دیکھتے ہیں حضور ﷺ کی طرف کہ کیسے نماز پڑھتے ہیں۔ وائل فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ کانوں کی لو تک برابر کیے۔ پھر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھا اور رسغ بھی ساعد سے ہے۔

۱۰۔عن الحلكه بن عمير قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا اذ قمتم الى الصلوٰة فارفعوا يديكم ولا تخالف آذنكم ثم قولوا الله اكبر سبحانك اللهم الى آخره

عمیر نے فرمایا کہ حضور ﷺ ہمیں تعلیم دیتے تھے کہ جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اٹھاؤ

اپنے ہاتھوں کو لیکن کانوں کی مخالف نہ کرنا پھر اللہ اکبر کہو۔

(المعجم الکبیر طبرانی ج۳ ص۲٤٦)

مذکورہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ مردوں کے لیے تکبیر تحریمہ کہتے وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا مسنون ہے کیوں کہ اول تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عام معمول مبارک یہی تھا۔ دوسرے آپ نے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانے کا حکم بھی دیا ہے۔ جیسا کہ حدیث نمبر۸ سے واضح ہے۔ تیسرے اس طرح کانوں تک ہاتھ اٹھانے سے اس باب میں وارد تمام احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وذکر الطیبی ان الشافعی حین دخل مصر سئل عن کیفیة رفع الیدین عند التکبیر فقال یرفع المصلی یدیه بحیث یکون کفاه حذاء منکبه وابهاماه حذاء شحمتی اذنیه واطراف اصابعه حذاء فروع اذنیه لانه جاء فی روایة یرفع الیدین الی المنکبین وفی روایة الی الاذنین وفی روایة الی فروع الاذنین فعمل الشافعی بما ذکرنا فی رفع الیدین جمعا بین الروایات الثلاث." (مرقاۃ المفاتیح ج۲ ص۲٥٤)

علامہ طیبی نے ذکر کیا ہے کہ جس وقت امام شافعی مصر تشریف لائے تو آپ سے سوال ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کیسے اٹھائے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ نمازی اپنے دونوں ہاتھ اس طرح سے اٹھائے کہ اس کی دونوں ہتھیلیاں تو کندھوں کے برابر ہو جائیں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں اور انگلیوں کے پورے کانوں کے اوپر کے حصے کے برابر ہو جائیں۔ کیوں کہ ایک روایت میں کندھوں تک اٹھانے کا ذکر ہے۔ دوسری میں کانوں تک اور تیسری میں کانوں کے اوپر کے حصے تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ پس امام شافعی نے تینوں روایات پر عمل کرنے لیے تکبیر تحریمہ کہتے وقت رفع یدین میں ہمارے مذکور طریقہ کے مطابق عمل کیا۔

جونا گڑھی کا یہ کہنا کہ حنفی مونڈھوں تک رفع یدین کرنے کی حدیث کے منکر ہیں بالکل جھوٹ ہے۔ ہم نے اس مسئلہ میں وارد تمام روایات میں تطبیق دے کر یہ نظریہ قائم کیا ہے۔ جونا گڑھی نے اور بہت سی غلط باتیں کی ہیں، مگر ہم ان کا جواب نہیں دیتے ہم یہاں پر صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حنفی مسلک احادیث کے عین مطابق ہے۔ احناف کے پاس کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بھی احادیث ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۲۲:

عورت مرد کی نماز میں تفریق

(عورت کا نماز میں مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانے کا مسئلہ)

(نوٹ: مسئلہ نمبر ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ان چاروں مسئلوں میں جونا گڑھی نے مرد اور عورت کی نماز میں تفریق کا مسئلہ چھیڑا ہے۔ ہم ان شاء اللہ مسئلہ نمبر ۱۲۵ کے بعد اس مسئلے پر مفصل روشنی ڈالیں گے۔) اصل میں مسئلہ ایک تھا کہ عورت مرد کی نماز میں بعض مسائل میں کچھ فرق ہے یا کہ نہیں۔ مگر جونا گڑھی نے اس کو چار عنوانات سے پیش کیا ہے۔

مولانا جونا گڑھی حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور لطف کی بات سنیے! حنفیوں کا فیصلہ ہے ہدایہ شریف کے اسی صفحے میں ہے **وَالْمَرْأَةُ تَرْفَعُ يَدَيْهَا حِذَاءَ مَنْكِبَيْهَا** یعنی عورت اپنے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائے کیوں حنفی بھائیو! تم نے ابھی اوپر پڑھا ہے کہ حضور ﷺ اپنے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے تو کیا آپ کی سنت عورتوں کے لیے لائق عمل اور مردوں کے لیے قابل ترک؟ پھر ہم کہتے ہیں یہاں تم نے اس حدیث کا خلاف کیا جو مشکوٰۃ شریف ص ۷۵ جلد اول باب صفۃ الصلوٰۃ میں بحوالہ بخاری مسلم بروایت حضرت مالک بن حویرث منقول ہے کہ **كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا اُذُنَيْهِ** یعنی حضور ﷺ رفع الیدین

کرتے ہوئے ہاتھ اپنے کانوں تک اٹھاتے تھے۔ کیا اے حنفیو! حضور ﷺ تمہارے نزدیک ایک عورت تھے؟ نعوذ باللہ! حضور ﷺ سے دونوں باتیں مروی دونوں طریقے ثابت دونوں فعل صحیح لیکن تم نے خاص تقسیم کی۔ گھر بیٹھے حصے بخرے کر لیے۔ ایک مردوں کو دی ایک عورتوں کو دی۔ اور بیچ میں وہ حد فاصل کھڑی کر دی کہ یہ اس کی حد میں نہ جائے وہ اس کی حد میں نہ آئے عورت کانوں تک ہاتھ نہ اٹھائے مرد مونڈھوں تک نہ اٹھائے۔ سنت تو ہے لیکن اس سنت پر عمل فقط وہی کر سکتا ہے جو حنفی ہو کر مرد بھی ہو اور دوسری چیز بھی سنت تو ہے لیکن اس پر عمل وہی کر سکتی ہے جو حنفن ہو کر عورت بھی ہو۔ تقلید کے شیدائیو! تم نے اس سنت رسول کے پھر یوں ٹکڑے بھی کیے کہ حنفی تو کانوں تک رفع الیدین کرے اور شافعی مونڈھوں تک، بس کرو شخصی تقلید کے فدائیو! اللہ کے رسول کو پورا مانو نہیں تو صاف انکار کر جاؤ۔ کیوں مسلمانوں میں نئی نئی راہیں نکالتے ہو؟ کیوں خدا کے دین کو تنگ کرتے ہو؟ کیوں سنت کا بٹوارہ کرتے ہو؟ کیوں ایک کو مان کر ایک کو دھکے دیتے ہو؟ اللہ سے ڈرو خدا کے پورے دین کو مان لو۔ (شمع محمدی ص ۱۴۳، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۰۴ تا ۱۰۶)

جواب:

اس مسئلہ میں احناف کا استدلال مندرجہ ذیل احادیث سے ہے۔

۱۔عن وائل بن حجر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا وائل بن حجر اذا صليت فاجعل يديك حذاء اذنيك والمرأة تجعل يديها حذاء ثدييها.

(مجمع الزوائد ج۱ ص۱۸۲، معجم طبرانی کبیر ج۲۲ ص۱۸، كنز العمال ج۷ ص۳۰۷)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے وائل بن حجر جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ، اور عورت اپنے دونوں

ہاتھ پستانوں تک اٹھائے۔

امام بخاری نے ام درداء کا عمل نقل کیا ہے۔

۲۔ کانت ام درداء ترفع یدیها فی الصلوٰة حذو منکبیها.

(جزء رفع الیدین ص۱۲)

حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا کندھوں تک ہاتھ اٹھاتی تھیں۔

مشہور تابعی حضرت عطاء بن ابی رباح مکی کا فتویٰ

لا ترفع بذلك یدیها کالرجل (مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۲۳۹)

ہاتھ اٹھانے میں عورت مرد کی طرح نہیں۔

آپ اندازہ کریں کہ جونا گڑھی کی بات کہاں تک درست ہے اللہ کے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ میں خود مرد اور عورت کا فرق بتایا ہے۔ جب کہ جونا گڑھی نے کوئی ایسی حدیث پیش نہیں کی۔

اعتراض نمبر۱۲۴:

عورت مرد کی نماز میں فرق

(عورت کا سینے پر ہاتھ باندھنے کا مسئلہ)

جونا گڑھی صاحب لکھتے ہیں:

یہی حال سینے کی حدیث میں بھی کیا ہے کہ حنفیوں نے تو کہا سینے پر ہاتھ نہ باندھے بلکہ ناف تلے ہاتھ باندھے شافعیہ نے کہا سینے پر ہاتھ باندھے ناف تلے نہ باندھے، پھر حنفیوں نے کہا کہ ہاں اگر عورت ہو تو وہ سینے پر باندھ لے۔ لیکن مرد ہے تو ہرگز نہ باندھے۔ اب فرمایئے کہ اگر حدیثیں دونوں ہیں اور دونوں ایک ہی قوت کی ہیں تو پھر شافعیوں اور حنفیوں نے بٹوارہ کیوں کرلیا؟ اور اگر ایک گری پڑی ضعیف اور ناقابل عمل ہے جیسے ناف تلے کی

روایت تو پھر اسے کیوں مانا؟ اور صحیح اور ثابت کو کیوں چھوڑا؟ پھر جب چھوڑا ہی تھا تو عورتوں کو ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی ہدایت حنفیوں نے کیوں کی؟ کیا حدیث پر عمل کرنے کے لیے عورت ہونے کی بھی شرط ہے؟ یا کیا ان حضرات نے حضور ﷺ کی نسبت کوئی غلط رائے قائم کر رکھی ہے؟ یا اس تقسیم کی کوئی اور دلیل ہے؟ کہ حنفی مرد ناف تلے ہاتھ رکھے۔ اور حنفن عورت سینے پر۔ حدیث میں تو صاف ہے عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهِ. (اخرجه ابن خزيمة، بلوغ المرام ص۲۱) یعنی حضور ﷺ نماز پڑھتے ہوئے اپنے بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھا کرتے تھے اور ہاتھ سینے پر باندھا کرتے تھے لیکن حنفی مذہب کہتا ہے يَعْتَمِدُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى تَحْتَ السُّرَّةِ یعنی ہاتھ ناف تلے باندھے۔ (شمع محمدی ص۱۴۴)

اعتراض نمبر۱۲۵:

ایسا ہی ایک اور فرق

(آخری قعدہ میں بیٹھنے کا مسئلہ)

جوناگڑھی صاحب مزید آگے لکھتے ہیں:

یہی رنگ اس حدیث میں بھی حنفی مذہب نے اختیار کیا ہے جو مشکوٰۃ شریف کی پہلی جلد کے ص۷۵ پر بروایت حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ فَاِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْاُخْرٰى وَقَعَدَ عَلٰى مَقْعَدَتِهِ. (متفق عليه) یعنی جس التحیات کے بعد سلام پھیرنا ہوتا اس میں حضور ﷺ اس طرح بیٹھتے کہ بایاں پاؤں داہنی طرف نکال لیتے، دوسرا کھڑا کر دیتے اور اپنی بائیں ران پر بیٹھ جاتے حنفی مذہب اس کا ہے تو منکر لیکن پھر حنفی عورت کو تعلیم دیتا ہے کہ جَلَسَتْ عَلٰى اِلْيَتِهَا

الْيُسْرٰی وَاَخْرَجَتْ رِجْلَیْهَا مِنَ الْجَانِبِ الْاَیْمَنِ یعنی عورت التحیات میں اس طرح بیٹھے کہ اپنے دونوں پاؤں دائیں طرف کو نکال لے اور اپنی بائیں ران پر بیٹھے کیوں دوستو! اس کے کیا معنی؟ کہ عورت ہو تو حدیث پر عمل کر لے اور مرد وہ جو حدیث پر عمل نہ کرے۔ فعل رسول ﷺ عورت مرد دونوں کے لیے ہے۔ ساری امت کو فرمان رسول ﷺ ہے کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو تم بھی نماز پڑھو۔ پس ان تینوں مسئلوں میں خدا جانے حنفی مذہب نے حصے بخرے کیسے کیے ہیں؟ قرآن میں جاہلیت کے زمانے کی ایک قوم کا ایک رواج ہم پڑھا کرتے تھے کہ وہ کہتے ہیں مَا فِی بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓی اَزْوَاجِنَا الخ یعنی ان مویشیوں کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ صرف مرد ہی کھا سکتے ہیں عورتوں کو حرام ہے پس مرد عورت کی تقسیم کی سند کہیں یہ آیت قرآنی تو نہیں؟

(شمع محمدی ص ۱۴۲ تا ۱۴۴، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۱، ظفر المبین ص ۱۰۴ تا ۱۰۶ سبیل الرسول ۲۴۸ تا ۲۵۰)

مرد عورت کی نماز میں فرق پر تفصیلی بحث ملاحظہ فرمائیں۔

جواب:

جواب سے قبل ایک بات تمہیداً سمجھ لیں تا کہ فہم مراد میں آسانی ہو۔

کتاب وسنت میں تمام جزئی مسائل تصریحاً نہیں ہوتے بعض تنصیصاً ہوتے ہیں اور بعض تعلیلاً۔

مثال: قرآن پاک میں ہے کہ حیض والی عورت کے بارے میں سوال ہوا اس کا جواب تو اتنا ہی تھا کہ فاعتزلوا النساء عورتوں سے دور رہو لیکن اللہ تعالیٰ نے جواب سے پہلے ایک علت بیان فرمادی۔ قل ھو اذی کہہ دیجیے وہ ناپاکی ہے۔ اس میں ایک قاعدہ بتا دیا کہ حائضہ سے صحبت منع ہونے کی وجہ ناپاکی ہے۔ اب اسی علت سے نفاس کا حکم بھی معلوم ہو گیا کیوں کہ ناپاکی کی علت وہاں بھی پائی گئی اور اسی علت کی بنا پر نفاس کے تمام

مسائل کو حیض کے مسائل پر قیاس کر لیا گیا۔ مثلاً نفاس والی مسجد میں داخل نہ ہو، قرآن کو ہاتھ نہ لگائے۔ قرآن پاک کی تلاوت نہ کرے، نماز نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے، مرد سے ہمبستر نہ ہو وغیرہ اگر آپ قیاس کو نہ مانیں تو نفاس والی عورت کے لیے قرآن پڑھنے، نماز، روزہ، صحبت وغیرہ کے بارے میں حضور ﷺ کا ایک ایک صریح حکم سنا دیں۔ بالکل اسی طرح عورت کی نماز کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے دو قاعدے ارشاد فرما دیے

عن یزید بن ابی حبیب انہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علٰی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأۃ فی ذالك لیست كالرجل. (رواہ ابو داؤد فی مراسیلہ)

رسول اقدس ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنا گوشت (جسم) زمین کے ساتھ چمٹا دو کیوں کہ عورت اس (نماز) میں مرد کی مثل نہیں۔

پہلا قاعدہ:

دیکھئے اس حدیث میں حضور ﷺ نے پہلا قاعدہ بتا دیا کہ عورت کی نماز مرد کی طرح نہیں۔ لیکن جونا گڑھی نے حضور ﷺ کے اس حکم کو نہیں مانا۔

عن ابن عمر مرفوعًا اذا جلست المرأۃ فی الصلٰوۃ وضعت فخذھا علی فخذھا الاخری فاذا سجدت الصقت بطنھا علی فخذھا کاستر ما یکون فانّ اللہ تعالٰی ینظر الیھا ویقول یاملائکتی انی قد غفرتُ لھا. رواہ ابن عدی والبیھقی کنز العمال ج٤ ص١١٧.

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے پھر جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنے رانوں پر رکھے۔ جتنا زیادہ ستر (پردہ پوشی) ہو سکے کرے اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں گواہ رہو میں نے اس عورت کو بخش دیا۔

دوسرا قاعدہ:

اس حدیث میں آپ نے دوسرا قاعدہ ارشاد فرمادیا کہ عورت کی نماز کے مسائل میں سب سے زیادہ اہمیت ستر کی ہے۔اس لیے جس حالت میں ستر زیادہ ہوگی وہی نماز عورت کی خدا کو زیادہ محبوب ہوگی اور ذریعہ مغفرت بنے گی۔اس حدیث کی روشنی میں علمائے اہل سنت کہتے ہیں اصل میں عورت کی ستر کا مسئلہ ہے نماز میں جتنا بھی عورت کا ستر ہوگا بہتر ہے۔اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر مرد وعورت کا فرق واضح کیا گیا ہے۔

فرق کی بعض باتیں:

چنانچہ مرد کے لیے فرض نماز مسجد میں پڑھنا ضروری ہے۔

۱..... عورت کے لیے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ ثواب ہے۔(بوجہ ستر)

۲......نماز باجماعت میں مرد کے لیے اول صف افضل ہے عورت کے لیے آخری صف افضل ہے۔(بوجہ ستر)

۳......نماز باجماعت میں امام کا وسط صف میں کھڑا ہونا بالاتفاق مکروہ ہے لیکن عورت وسط صف میں ہی کھڑی ہو۔(بوجہ ستر)

۴......آپ کے مرد ننگے سر نماز پڑھتے ہیں اور عورتیں ننگے سر نماز نہیں پڑھتیں۔

۵......مرد ٹخنے اور آدھی پنڈلیاں ننگی کر کے نماز پڑھتے ہیں جب کہ عورتیں پنڈلیاں اور ٹخنے ڈھانپ کر نماز پڑھتی ہیں۔بہرحال یہ شریعت مقدسہ کا کلیہ قاعدہ ہے کہ عورت نماز اس طرح ادا کرے جس میں ستر کا زیادہ سے زیادہ اہتمام ہو۔اب آیئے اصل مسئلے کی طرف۔

آنحضرت ﷺ تکبیر تحریمہ میں دو طرح ہاتھ اٹھاتے رہے کبھی کانوں تک کبھی کندھوں تک پھر آپ ﷺ نے آخری عمر میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ کو جب نماز سکھائی تو حکم دیا

کہ تم اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت چھاتیوں تک (اس حالت میں ہاتھوں کی انگلیاں کندھوں تک پہنچ جاتی ہیں) (رواہ الطبرانی) اب دیکھئے آنحضرت ﷺ نے خود بوجہ ستر عورت اور مرد کی نماز میں فرق کردیا۔

ابو حنیفة عن نافع عن ابن عمر انه سئل کیف کان النساء یصلین علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کن یتربعن ثم امرن ان یحتفزن.

(جامع المسانید جلد ۱، ص ۴۰۰)

حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا گیا کہ عورتیں عہد رسالت میں نماز کیسے پڑھتی تھیں فرمایا وہ چارزانو بیٹھتی تھیں۔ پھر انہیں حکم دیا گیا کہ خوب سمٹ کر بیٹھیں۔

اب دیکھئے حدیث میں دو طرح بیٹھنا آتا تھا، ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرا بچھا کر بیٹھنا۔ اور سمٹ کر سرین پر بیٹھنا جسے تورک کہتے ہیں۔ عہد رسالت میں بوجہ تستر عورت کو نماز میں تورک کی طرح بیٹھنے کا حکم دے دیا گیا۔ جب کہ مرد پہلے طریقے پر ہی بیٹھتے رہے۔

عن علی قال اذا سجدت المرأة فلتحتفزوا لتضم فخذیها.

(رواه ابن ابی شیبة)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ عورت جب سجدہ کرے تو اس کو سمٹ کر سجدہ کرنا چاہیے اور سارے جسم کو ملا کر سجدہ کرنا چاہیے۔

دیکھئے اس طرح سجدہ کرنا مرد کے لیے بالاتفاق مکروہ ہے مگر عورت کے ستر کا اہتمام اسی میں زاید تھا اس لیے یہ حکم دیا گیا۔

اسی طرح ائمہ اربعہ کا اجماع اس پر ہے کہ عورت سینے پر ہاتھ باندھے۔ (**کتاب الفقه علی مذاهب اربعه، در مختار ۱۸ ص ۳۲۷، عالمگیری ج۱ ص ۷۳**) اور اس اجماع کی بنیاد وہی قاعدہ ہے جو فقہا نے بیان کیا۔ **لانه استر لها (شرح نقایه ج۱ ص ۷۳)** کہ اس میں ستر کا زیادہ اہتمام ہے۔

اور دوسری حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ تھی من السنة وضع الکف علی الکف تحت السرة (احمد) نماز کا سنت طریقہ یہ ہے کہ ہتھیلی ہتھیلی پر رکھ کر ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں۔ اس سنت پر بھی عمل جاری رہا۔ دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق صریح حدیث سے نہیں حدیث میں مذکور قاعدہ ستر کے مطابق بیان کر دی گئی آپ کسی صحیح حدیث سے جو صریح ہو ان دونوں قسم کی احادیث پر عمل کرنے کا طریقہ بتا دیں تو ہم یقیناً صریح کو علت پر ترجیح دیں گے اگر آپ صریح حدیث تطبیق کی پیش نہ کر سکیں تو مجتہد نے حدیث کی بیان کردہ علت کو سامنے رکھ کر دونوں قسم کی احادیث پر عمل کرنے کا جو طریقہ بتایا ہے اسے کیوں چھوڑا جائے۔

نوٹ:

اگر آپ ان دونوں قسم کی احادیث سے ایک کو صحیح دوسری کو ضعیف قرار دیں تو ان کا صحیح یا ضعیف ہونا حدیث صحیح صریح سے ثابت کریں کیوں کہ آپ کے نزدیک امتی کا قول شرعی دلیل نہیں۔ ہم امتیوں کے اجماع اور مجتہد کے ارشاد کو دلیل سمجھتے ہیں اس لیے مجتہد کی تطبیق کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد کی بات نہیں مانتے اور خیر القرون کے مجتہد کے مقابلہ میں مابعد خیر القرون کے کسی آدمی کی بات تسلیم نہیں کرتے کیوں کہ خیر القرون کی خیریت منصوص بالا احادیث ہے۔ (ماخوذ مجموعہ رسائل جلد نمبر ۲)

مرد عورت کی نماز میں فرق کے متعلق دار العلوم کراچی کا فتویٰ

استفتاء

خواتین کے طریقہ نماز کا ثبوت:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ لڑکی حنفی مذہب سے تعلق رکھتی ہے جس کی شادی غیر مقلد لڑکے سے ہوئی ہے۔ لڑکی کا شوہر اپنی حنفی بیوی سے کہتا ہے

کہ تم مردوں کی طرح نماز پڑھا کرو کیوں کہ عورتوں کی نماز کا طریقہ مردوں کی نماز کے طریقہ کے مطابق ہے۔ اور عورتوں کی نماز کا مردوں سے جدا ہونا ثابت نہیں تو اب پوچھنا یہ ہے کہ لڑکی کو غیر مقلد لوگوں کے طریقہ سے نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں اگر اس کا شوہر ایسا حکم دے تو حنفی بیوی پر غیر مقلد شوہر کا حکم ماننا ضروری ہے یا نہیں؟ اور نیز حنفی مذہب میں عورت کی نماز کا طریقہ مردوں کی نماز کے طریقہ سے جدا ہونا احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ مفصل اور مدلل جواب دے کر مطمئن فرمائیں۔ (المستفتی: شبیر احمد سانگھڑوی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ صورت میں اہل حدیث شوہر کا اپنی حنفی بیوی کو مردوں کے طریقہ سے نماز پڑھنے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ کیوں کہ عورتوں کی نماز کا طریقہ بالکل مردوں کی نماز کی طرح ہونا صراحۃً ثابت نہیں بلکہ خواتین کا طریقہ نماز مردوں کے طریقہ سے جدا ہونا بہت سی احادیث اور آثار صحابہ وتابعین سے ثابت ہے اور چاروں ائمہ فقہ، امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی وامام احمد رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

حدیث نمبر ۱:

عن ابن عمر رضی الله عنهما انه سئل کیف کان النساء یصلین علٰی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کن یتربعن ثم امرن ان یحتفزن.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ خواتین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کس طرح نماز پڑھا کرتی تھیں تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے چار زانو ہو کر بیٹھتی تھیں پھر انہیں حکم دیا کہ خوب سمٹ کر نماز ادا کریں۔ (جامع المسانید ج۱ ص۴۰۰)

حدیث نمبر ۲:

وَعن وائل بن حجر رضی الله عنه قال قال لی رسول الله صلی الله علیه

وسلم یا وائل بن حجر اذا صلیت فاجعل یدیك حذاء اذنیك والمرأة تجعل یدیها حذاء ثدییها.

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور ﷺ نے نماز کا طریقہ سکھلایا تو فرمایا کہ اے وائل بن حجر! جب نماز شروع کرو تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے ہاتھ چھاتیوں تک اٹھائے۔ (مجمع الزوائد ج۲ ص۱۰۳)

حدیث نمبر۳:

عن یزید ابن ابی حبیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مر علی امراتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأة لیست فی ذلك كالرجل.

رسول اللہ ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو تم اپنے جسم کے بعض حصوں کو زمین سے چمٹا دو اس لیے کہ اس میں عورت مرد کے مانند نہیں ہے۔ (السنن للبیهقی ج۲ ص۲۲۳، اعلاء السنن بحواله مراسیل ابی داؤد ج۳ ص۱۹)

حدیث نمبر۴:

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا جلست المرأة فی الصلاة وضعت فخذها علی فخذها الاخری واذا سجدت الصقت بطنها علی فخذیها كالستر ما یكون لها وان اللہ تعالٰی ینظر الیها ویقول یا ملائكتی اشهدكم انی قد غفرتُ لها.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز کے دوران جب عورت بیٹھے تو اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ میں جائے تو

اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے ملالے اس طرح کہ اس سے زیادہ سے زیادہ ستر ہو سکے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی طرف دیکھتے ہیں اور فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! تم گواہ رہو میں نے اس عورت کی بخشش کردی۔

(بیہقی ج ۲ ص ۲۲۳، کنز العمال ج ۷ ص ۵۴۹)

حدیث نمبر ۵:

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم التسبیح للرجال والتصفیق للنساء.

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ (اگر نماز کے دوران کوئی ایسا امر پیش آ جائے جو نماز میں حارج ہو تو) مردوں کے لیے یہ ہے کہ وہ تسبیح کہیں اور عورتیں صرف تالی بجائیں۔

(ترمذی ص ۸۵ سعید کمپنی، مسلم شریف ج ۱ ص ۱۸۰)

حدیث نمبر ۶:

قال ابو بکر بن ابی شیبة سمعت عطاءً سئل عن المرأة کیف ترفع یدیها فی الصلاة قال حذو ثدییها (وقال ایضا بعد اسطر) لا ترفع بذالك یدیها کالرجل واشار فخفض یدیه جدا او جمعها الیه جدا وقال ان للمرأة هیئة لیست للرجل.

امام بخاری کے استاد ابو بکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے سنا کہ ان سے عورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ نماز میں ہاتھ کیسے اٹھائے تو انہوں نے فرمایا کہ اپنی چھاتیوں تک، اور فرمایا نماز میں اپنے ہاتھوں کو اس طرح نہ اٹھائے جس طرح مرد اٹھاتے ہیں اور انہوں نے اس بات کو جب اشارہ سے بتلایا تو اپنے ہاتھوں کو کافی پست کیا اور ان دونوں کو اچھی طرح ملایا اور فرمایا کہ نماز میں عورت کا طریقہ مردوں کی طرح نہیں

ہے۔(المصنف لابی بکر ابن ابی شیبة ج١ ص٢٣٩)

حدیث نمبر ۷:

حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحاق عن علی رضی الله عنه قال اذا سجدت المرأة فلتحتفز و لتضم فخذیها.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ جب عورت سجدہ کرے تو سرین کے بل بیٹھے اور اپنی رانوں کو ملالے۔(بیهقی ج٢ ص٢٢٣)

حدیث نمبر ۸:

عن ابن عباس رضی الله عنهما انه سئل عن صلاة المرأة فقال تجتمع و تحتفز.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عورت کی نماز کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ (سب اعضاء) کو ملالے اور سرین کے بل بیٹھے۔

(المصنف لابن ابی بکر بن ابی شیبة ج١ ص٢٧٠)

مذکوہ بالا احادیث اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ سے عورتوں کی نماز کا طریقہ مردوں کی نماز سے واضح طور پر مختلف ہونا ثابت ہوا اب اس بارے میں ائمہ فقہ کا مسلک ملاحظہ فرمائیں۔

(١)...... وفی مذهب الحنفیة واما النساء وانفقوا علی ان السنة لهن وضع الیدین علی الصدر لانه استرلها کما فی البنایة وفی المنیة المرأة تضعهما تحت ثدییها. (ص١٥٦ ج١ السعایة)

(٢)..... والمرأة تنخفض فی سجودها وتلزق بطنها بفخذیها لان ذلك استرلها (وفی موضع آخر) وان کانت امرأة جلست علی الیتیها الیسری

اخرجت رجليها من الجانب الايمن لانه استرلها الخ (ص۱۱۱ ج۱ هدایه)

(۳)...... وفی مذهب المالكية: ندب مجافاة ای مباعدة رجل فيه ای سجود (بطنه فخذيه) فلا يجعل بطنه عليهاً ومجافاة (مرفقيه ركبتيه) ای عن ركبتيه ومجافاة ضبعيه ای مافوق المرفق الى الابط جنبيه ای عنهما مجافاة وسطًا فی الجميع وأما المرأة فتكون منضمة فی جميع احوالها.

(الشرح الصغير للدر دير المالكی ج۱ ص۳۲۹)

(٤)...... وفی مذهب الشافعية: قال النووی ليس ان يجافی مرفقيه عن جنبيه ويرفع بطنه عن فخذيه وتضم المرأة بعضها الى بعض (وقال بعد اسطر) روی البراء بن عازب رضی الله عنهما ان النبی صلی الله عليه وسلم كان اذا سجد جنح (وروی جخی) (والجنح الخاوی) وان كانت امرأة ضمت بعضها الى بعض لان ذلك استرلها. (شرح المهذب ج۲ ص٤٠٤)

(٥)...... وفی مذهب الحنابلة: وفی المغنی وان صلت امرأة بالنساء قامت معهن فی الصف وسطا قال ابن قدامة فی شرحه اذا ثبت هذا فانها اذا صلت بهن قامت فی وسطهن لانعلم فيه خلافا بين من رأی لها ان تؤمهم ولان المرأة يستحب لها التستر ولذلك لا يستحب لها التجافی الخ

(ج۲ ص۲۰۲)

مذکورہ بالا احادیث طیبہ، آثار صحابہ وتابعین اور چاروں مذاہب فقہ حقہ کے حضرات فقہاء کرام کی عبارات سے جو عورتوں کی نماز کا مسنون طریقہ ثابت ہوا وہ مردوں کے طریقہ نماز سے جدا ہے۔ عورتوں کے طریقہ نماز میں زیادہ سے زیادہ پردہ اور جسم سمیٹ کر ایک دوسرے سے ملانے کا حکم ہے اور یہ طریقہ حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک سے آج تک اس امت میں متفق علیہ اور عملاً متواتر ہے۔ آج تک کسی صحابی یا تابعی اور تبع تابعین یا دیگر فقہاء

امت کا کوئی ایسا فتویٰ نظر نہیں آیا جس میں عورتوں کی نماز کو مردوں کی نماز کے مطابق قرار دیا ہو نیز خود اکابر اہل حدیث حضرات اس مسئلہ میں مذکورہ بالا عبارات کے مطابق فتویٰ دیتے رہے ہیں چنانچہ مولانا عبدالجبار بن عبداللہ غزنوی (جو بانی جامعہ ابی بکر گلشن اقبال کراچی کے دادا ہیں) اپنے فتاویٰ (مکمل فتویٰ سوال جواب آخر میں ملاحظہ فرمائیں) میں وہ حدیث جو ہم نے کنز العمال اور بیہقی کے حوالہ سے نقل کی ہے اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''اور اسی پر تعامل اہل سنت و مذاہب اربعہ وغیرہ چلا آیا ہے۔''

نیز اس کے بعد مختلف کتب مذاہب اربعہ سے حوالہ نقل کرنے کے بعد آخر میں نتیجتاً فرماتے ہیں کہ

غرض یہ کہ عورتوں کا انضمام (اکٹھی ہو کر) اور انخفاض (سمٹ کر اور چمٹ کر) احادیث و تعامل جمہور اہل علم اور مذاہب اربعہ وغیرہم سے ثابت ہے اور اس کا منکر کتب حدیث اور تعامل اہل علم سے بے خبر ہے واللہ اعلم حررہ عبدالجبار عفی عنہ

(فتاویٰ غزنویہ ص ۲۷، ۲۸، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۳ ص ۱۴۹)

جہاں تک اہل حدیث حضرات کے دعویٰ کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں نہ تو ان کے پاس کوئی آیتِ قرآن ہے اور نہ کوئی حدیث اور نہ ہی کسی خلیفہ راشد کا فتویٰ البتہ ام درداء کا اثر استدلال میں پیش کرتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہے:

عن مکحول ان ام الدرداء کانت تجلس فی الصلاۃ کجلسۃ الرجل.

حضرت ام درداء نماز میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں۔

(المصنف لابن ابی شیبۃ ج۱ ص۲۷۰)

تو اس کے اثر کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اس اثر سے استدلال کرنا کئی وجہ سے درست نہیں۔

(۱) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اگر چہ حافظ مزی نے ان کو صحابیہ کہا ہے لیکن دوسرے محدثین و

ناقدین نے ان کو تابعیہ شمار کیا ہے۔لہٰذا یہ صحابیہ نہیں تابعیہ ہیں اور ایک تابعی کا عمل اگرچہ اصول کے مخالف نہ بھی ہو تب بھی اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

وفي الفتح وعمل التابعي بمفرده ولو لم يخالف لا يحتج به

(ص ۲۵۲ ج۲)۔

(۲) بالفرض اگر ان کو صحابیہ بھی مان لیا جائے تو یہ ان صحابیہ کی اپنی رائے ہے۔اور نہ ہی ان صحابیہ نے کسی اور کو اس کی دعوت دی ہے اور نہ ہی انہوں نے اس فعل پر حضور اکرم ﷺ کا کوئی قول و فعل اور نہ ہی کسی خلیفہ راشد کا فتویٰ نقل کیا ہے لہٰذا عورتوں کی نماز کے سلسلہ میں امت کے عمل تواتر کے خلاف اس رائے کی پوزیشن ایسی ہی ہے جیسا کہ قرآن حکیم کی متواتر قرأت کے خلاف شاذ قرأت کی ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی مسلمان شاذ قرأت کے لیے متواتر قرآن حکیم کی تلاوت نہیں چھوڑتا اور نہ ہی کسی دوسرے مسلمان کو اس کی دعوت دیتا ہے۔

(۳) نیز اگر اس اثر کے الفاظ پر غور سے نظر ڈالی جائے تو اس سے جمہور کے قول کی تائید ہوتی ہے اس لیے کہ اس میں ام درداء کے ہیئت جلوس کو مرد کے ہیئت جلوس سے تشبیہ دی گئی ہے جس سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہوتی ہے کہ ام درداء تو مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں لیکن دوسری صحابیات اور خواتین کا طریقہ نماز مردوں سے مختلف تھا جس کا احادیث بالا میں ذکر ہوا۔

(۴) اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ اگر یہ اثر قابل استدلال نہیں تو پھر امام بخاری نے اس کو اپنی صحیح بخاری میں کیوں ذکر کیا ہے تو یہ شبہ بھی صحیح نہیں ہے اس لیے کہ امام بخاری نے اس اثر کو اس لیے ذکر نہیں کیا کہ اس سے عورتوں کی نماز کے طریقہ پر استدلال کیا جائے بلکہ صرف اس بات کی تقویت کے لیے ذکر کیا ہے کہ مردوں کے جلوس کی کیفیت نماز میں کیا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں رقم طراز ہیں:

وعرف من رواية مكحول ان المراد بام الدرداء الصغری التابعية لا الكبرٰی الصحابية لانه ادرك الصغرٰی ولم يدرك الكبرٰی ولم يورد البخاری اثر ام الدرداء ليحتج به بل لتقوية الخ ج۲ ص۲۵۲

مکحول کی روایت سے یہ معلوم ہوا ام درداء سے مراد صغری تابعیہ ہیں اور کبریٰ صحابیہ مراد نہیں اس لیے کہ مکحول نے تابعیہ کو پایا ہے صحابیہ کو نہیں اور امام بخاری نے ام درداء کا اثر تقویت کے لیے ذکر کیا ہے اس لیے نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے۔

نیز اگر یہ حضرات **صلوا کما رأیتمونی اصلی** سے استدلال کریں کہ عورتوں کی نماز مردوں کے مطابق ہے تو یہ استدلال بھی صحیح نہیں اول تو اس جملہ کا سیاق وسباق ایک خاص واقعہ ہے جس کا خلاصہ یہ کہ ایک خاص وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بیس دن قیام کے لیے آیا تھا واپسی پر آپ نے ان کو کچھ نصیحتیں فرمائیں ان میں ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ **صلوا کما رأیتمونی اصلی**

بہرحال اس جملہ کو سیاق وسباق سے ہٹ کر دیکھیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حدیث کی عمومیت میں مرد وعورت سمیت پوری امت شریک ہے اور پوری امت پر لازم ہے کہ جو طریقہ آنحضرت ﷺ کی نماز کا ہے وہی طریقہ پوری امت کا ہو لیکن یہ واضح ہو کہ اس عمومیت پر عمل اس وقت تک ہی ضروری ہے جب تک کوئی شرعی دلیل اس کے معارض نہ ہو اور اگر کوئی دلیل خصوصی کسی بعض عمل یا افراد میں اس حکم کے معارض ہو تو اس دلیل خصوص کی وجہ سے وہ بعض افراد یا وہ عمل اس امر کی تعمیم سے مستثنیٰ ہوں گے چنانچہ ضعفاء اور مریض ان احادیث سے جن میں ان کو ستر پوشی اور اختفاء کا حکم دیا گیا ہے اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے لہٰذا ان مستثنیات کی موجودگی میں اس جملہ سے عورت اور مرد کی نماز میں مجموعی کیفیت اور طریقہ پر مطابقت کا استدلال درست نہیں چنانچہ حافظ ابن حجر الشافعی نے اس بات کو فتح الباری میں ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ

وهذا اذا اخذ مفردا عن ذكر سببه وسياقه اشعر بانه خطاب للامة بان يصلوا كما كان فيقول الاستدلال به على كل فعل ثبت انه فعله فی الصلاة لكن هذا الخطاب انما وقع لمالك بن الحويرث واصحابه بان يوقعوا الصلاة.

على الوجه الذى رأوه صلى الله عليه وسلم يصليه نعم يشار كهم فی الحكم جميع الامة بشرط ان يثبت استمراره صلى الله عليه وسلم على فعل ذلك الشئ المستدل به دائما حتى يدخل تحت الامر ويكون واجبا وبعض ذلك مقطوع باستمراره عليه واما مالم يدل دليل على وجوده تلك الصلوات التی تعلق الامر بايقاع الصلاة على صفتها فلا نحكم يتناول الامر (فتح ص۲۳۷ ج۱۳)

لہٰذا احادیث بالا اور فقہاء امت کی تصریحات کے مطابق سنت یہ ہے کہ عورت سمٹ کر سجدہ کرے اور سمٹ کر بیٹھے، ستر کا زیادہ اہتمام کرے، ہاتھ سینے پر رکھے ان سب باتوں میں عورت کی نماز مرد کی نماز سے مختلف ہے اور یہی حق ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

پروفیسر ابوبکر غزنوی کے دادا اور مولانا داؤد غزنوی کے والد مولانا عبدالجبار بن مولانا عبداللہ غزنوی شاگرد مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کا فتویٰ

سوال: عورتوں کو نماز میں انضمام کرنا چاہیے یا نہ، بینوا توجروا

الجواب وهو الموفق للصواب: ابوداؤد اپنے مراسیل میں اور بیہقی سنن کبریٰ میں زید بن ابی حبیب سے مرسلاً روایت کرتے ہیں:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على امرأتين تصليان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الى الارض وان المرأة ليست فی ذلك كالرجل واخرج البيهقی مرفوعا اذا سجدت المرأة الصقت بطنها فخذها

كاست ما دكتون لنا.

'' صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو آپ نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو سمٹ کر سجدہ کرو کیوں کہ عورت اس فعل میں آدمی کی طرح پر نہیں ہے۔ اور بیہقی نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملا لے اس میں زیادہ پردہ ہے۔''

اور اسی پر تعامل اہل سنت مذاہب اربعہ وغیرہ سے چلا آیا ہے۔

حافظ ابن القیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں:

ولهذا اشرح فی حق الاناث من الستر والخفر ما لاشرع مثله للذكور فی اللباس وارخاء الذيل شبرا او اكثر و جمع نفسها فی الركوع والسجود دون التجافی.

عورتوں کے لیے (نماز میں) لباس کے ساتھ اور پلو ایک بالشت یا زیادہ چھوڑنے کے ساتھ پردہ کرنا اور اپنے بدن کو رکوع اور سجدہ میں اکٹھا کرنا اور جھکانا اس قدر شروع ہے۔ جو مردوں کے لیے اتنا نہیں۔

شرح وقایہ وہدایہ وغیرہ کتب حنفیہ میں لکھا ہے:

والمرأة تنخفض فی السجود وتلحق بطنها بفخذيها

اور عورت سجدوں میں جھک جائے اور اپنے پیٹ کو رانوں سے ملائے۔

ابن ابی زید مالکی نے اپنے رسالہ میں جو مذہب امام مالک میں متون معتبرہ سے ہے لکھتے ہیں:

وهی رای المرة فی هيئة الصلوٰة مثله (ای مثل الرجل) غير انها التضم ولا تفرح فخذيها ولا عضديها وتكون منضمة منزوية فی جلسها وسجودها وامرها كله.

اور عورت صورت میں نماز مرد کی طرح ہے صرف اتنا فرق ہے کہ عورت سمٹ کر رہے اور اپنے بازو اور رانوں کو کشادہ نہ کرے۔ بلکہ اپنے سجدے اور بیٹھنے اور نماز کے سب کاموں میں مل کر رہے۔

امام نووی منہاج میں (جو فقہ شافعیہ میں معتبر متن ہے) لکھتے ہیں:

وتضم المرأة ومخنثى.

عورت اور مخنث (نماز) میں سمٹ کر رہیں۔

شہاب الدین احمد رملی شافعی نہایۃ المحتاج میں منہاج کی اس عبارت مذکور پر لکھتے ہیں:

فيضم كل منهما بعضه الى بعض ولو فى خلوة فيما يظهر لما فى تقربهما من التشبه من الرجال.

پس ہر ایک عورت اور مخنث (نماز میں اپنے) بعض (جسم) کو بعض سے ملا دے اگرچہ خلوت میں ہو ظاہر یہی ہے اس لیے کہ بعض جسم کو علیحدہ کرنے میں مردوں سے مشابہت ہوتی ہے۔

شرح اقناع (جو حنابلہ کی معتمد کتاب ہے) میں لکھتے ہیں:

و المرأة كالرجل فى ذلك لا انها تجمع نفسها فى الركوع والسجود وجميع احوال الصلوٰة وتجلس متربعة او تسدك رجليها عن يمينها وهو افضل لانه غالب فعل عائشة واشبه بجلسة الرجل انتهٰى.

عورت نماز میں مرد کی طرح ہے مگر عورت اپنے جسم کو رکوع اور سجدوں اور تمام کے تمام احوال میں اکٹھا کر کے رکھے اور (بیٹھتے وقت) چوکڑی مار کر بیٹھے یا اپنے دونوں پاؤں کو اپنی داہنی طرف نکال کر بیٹھے اور یہ (پچھلی صورت) بہتر ہے اس لیے کہ مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کا اکثر یہی طریقہ تھا اور (یہ صورت) مرد کے بیٹھنے کے ساتھ بھی بہت مشابہ ہے۔ انتہیٰ

اور دونوں پاؤں کو دائیں طرف نکال کر بیٹھنا تو رسول اللہ ﷺ سے قعدہ اخیرہ میں ثابت ہے جب مردوں کے واسطے اس کی ممانعت نہیں تو عورتوں کے واسطے بسبب تستر کے بالاولیٰ ممانعت نہیں۔

ابوداؤد وصفت صلوٰۃ نبویہ میں ابوحمید سے مروی ہے۔

فاذا کان فی الرابعة افضی بورکه الیسری الی الارض واخرج من ناحیة واحدة

جب رسول اللہ ﷺ چوتھی رکعت میں بیٹھتے تو اپنے بائیں طرف (سرین) مبارک زمین سے لگا دیتے اور دوسری طرف سے اپنے پاؤں مبارک نکال دیتے۔

غرض کے عورتوں کا انضمام وانخفاض نماز میں احادیث وتعامل جمہور اہل علم از مذاہب اربعہ وغیرہم سے ثابت ہے اس کا منکر کتب حدیث وتعامل اہل علم سے بےخبر ہے۔ واللہ اعلم حررہ **عبدالجبار بن عبداللہ الغزنویؒ عفی اللہ عنهما. (فتاوی غزنویه ص ۲۷، ۲۸)** (فتاویٰ علمائے حدیث باب الرکوع والسجود ج ۳ ص ۱۴۸، ۱۴۹)

اعتراض نمبر ۱۲۶:

تکبیر بھی بدل دی

صاحب شمع محمدی لکھتے ہیں:

مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۷ میں بخاری مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے نماز کی تعلیم فرماتے ہوئے فرمایا کہ باوضو قبلے کی طرف متوجہ ہو کر تکبیر کہہ یعنی اللہ اکبر سے نماز شروع کر لفظ ہیں فکبر مسلم کی حدیث میں ہے **کان یستفتح الصلوة بالتکبیر** حضور ﷺ ہمیشہ اپنی نماز کو لفظ اللہ اکبر سے شروع کرتے تھے۔ بخاری میں ہے **کان اذا دخل فی الصلوٰة کبر.** حضور جب نماز کو کھڑے ہوتے اللہ اکبر کہتے ایک حدیث میں

ہے تحریمها التکبیر و تحلیلها التسلیم (ابو داؤد) نماز شروع ہوتی ہے اللہ اکبر سے اور ختم ہوتی ہے السلام علیکم و رحمة الله

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان تمام حدیثوں کو حنفی مذہب کی فقہ نہیں مانتی۔ ہدایہ ص ۸۴ جلد اول صفۃ الصلوٰۃ میں ہے فان قال بدل التکبیر الله اجل الخ یعنی اگر کسی نے اللہ اکبر کے بدلے اللہ اجل کہا یا اللہ اعظم کہا یا الرحمٰن اکبر کہا یا لا الہ الا اللہ کہا یا اور کوئی نام خدا لیا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے پھر آگے چل کر لکھتے ہیں فان افتتح الصلوٰة بالافارسية الخ یعنی باوجود یہ کہ کسی کو اچھی طرح عربی آتی ہو پھر بھی اگر وہ فارسی نماز کو شروع کرے اور فارسی ہی میں قرآن کا ترجمہ پڑھے تو یہ بھی جائز ہے۔

(شمع محمدی ص ۱۴۵، ۱۴۶، ظفر المبین ج ۲ ص ۱۴۸، راہ نجات مسئلہ نمبر ۶ ص فتاوٰی عالمگیری پر ایک نظر مفتی عبید اللہ نان عفیف ص ۲۱، ۲۲، ۲۳، حقیقۃ الفقہ ص ۲۰۵، ۲۰۶)

جواب:

جونا گڑھی نے بالکل جھوٹ بولا ہے کہ حنفی ان حدیثوں کو نہیں مانتے۔ ہم ان دونوں حدیثوں پر عمل کرتے ہیں جن کا حوالہ جونا گڑھی نے دیا ہے۔ ہماری ہر فقہ کی کتاب میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ نماز تکبیر سے شروع کرے یعنی لفظ اللہ اکبر سے نماز شروع کرے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ پر ختم کرے۔ ملاحظہ فرمائیں علمائے احناف کے حوالہ جات۔

(۱) حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی حنفی لکھتے ہیں:

مسئلہ:

تکبیر تحریمہ کے لیے سب سے بہتر الفاظ اللہ اکبر ہیں جن پر آنحضرت ﷺ کا عمل رہا

ہے۔ (نماز مسنون ص ۳۱۲)

(۲) مفتی کفایت اللہ حنفی دہلوی لکھتے ہیں:

نماز کی نیت کر کے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاؤ اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھ لو۔ (تعلیم الاسلام حصہ اول ص ۲۶، ۲۷ تاج کمپنی)

(۳) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی حنفی لکھتے ہیں:

مسئلہ نمبر ۱: نماز کی نیت کر کے اللہ اکبر کہے۔

(بہشتی زیور حصہ دوم فرض نماز پڑھنے کا طریقہ کا بیان ص ۱۱۶)

(۴) مولانا فیض احمد صاحب حنفی نے ''نماز مدلل'' ص ۶۸ پر دو حدیثیں نقل کی ہیں یستفتح الصلوٰة بالتكبير (مسلم ج ۱ ص ۱۹۴) والی اور تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ (ابوداؤد، ترمذی ج ۱ ص ۳) والی پھر مسئلہ لکھا ہے۔ نمازی روبقلبہ ہو کر نماز کی نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہے۔

قارئین کرام دیکھ لیں جونا گڑھی کا دھوکہ اور جھوٹ وہ کہتے ہیں حنفی ان حدیثوں کو نہیں مانتے اور ہم نے ثابت کر دیا کہ حنفی ان حدیثوں کو مانتے ہیں اور اپنی کتابوں میں نقل بھی کرتے ہیں۔

(۵) مولانا مفتی جمیل احمد نذیری حنفی رسول اکرم ﷺ کا طریقہ نماز ص ۹۰ پر لکھتے ہیں:

تکبیر تحریمہ کا مطلب ہے اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھنا۔

(۶) مولانا محمد الیاس فیصل نماز پیمبر ﷺ کے ص ۱۰۰، ۱۰۱ پر لکھتے ہیں انگوٹھے کانوں کی لو کے بالمقابل ہوں۔ اس وقت اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لو۔

(۷) مفتی محمد ارشاد صاحب قاسمی سنت کے مطابق نماز پڑھیے کے ص ۱۴ پر لکھتے ہیں۔

فائدہ: خواہ کوئی بھی نماز ہو شروع کرنے کے لیے تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کہنا شرط اور فرض

ہے علامہ حلبی نے شرح منیہ میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (السعایہ شرح وقایہ ص ۱۰۶)

(۸) حضرت مولانا محمد الیاس گھمن صاحب نے نماز اہل السنۃ والجماعۃ کے صفحہ ۴۶ پر حضرت علیؓ کی روایت ابوداؤد ج ۱ ص ۹۸ سے نقل فرمائی ہے۔ اس میں ہے **وتحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم۔**

اس سے معلوم ہوا کہ حنفی اس حدیث کو مانتے ہیں اور حنفیوں کا عمل بھی اسی کے مطابق ہے۔

(۹) ڈاکٹر محمود الحسن عارف نماز حبیب ﷺ ص ۸۲ میں ارکان وفرائض نماز کے تحت نمبر ا پر لکھتے ہیں۔ تکبیر تحریمہ، تکبیر تحریمہ کا مطلب ہے ''ایسی تکبیر جو حلال کاموں کو بھی حرام کر دے اس سے مراد نماز شروع کرتے وقت کہی جانے والی تکبیر (اللہ اکبر) ہے۔ پھر مشکوٰۃ کے حوالہ سے حضرت علی والی روایت وتحریمہا التکبیر اور ابن ماجہ وابوداؤد کے حوالہ سے حضرت عائشہ والی روایت جس کے الفاظ میں **کان یستفتح الصلوٰۃ بالتکبیر** نقل فرماتی ہیں۔

(۱۰) مولانا امداد اللہ انور مستند نماز حنفی ص ۱۱۸ پر لکھتے ہیں:
امام ہو یا مقتدی، اللہ اکبر کہہ کر ناف کے نیچے ہاتھ باندھے۔

(۱۱) مولانا محمد امان اللہ **الدلائل السنیۃ فی اثبات الصلوٰۃ السنیۃ** کے ص ۵۴ پر لکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نماز پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ تکبیر تحریمہ سے نماز شروع فرماتے۔

(۱۲) مولانا ارشاد احمد فاروقی، احکام وآداب طہارت وضو اور نماز کے ص ۸۸ پر لکھتے ہیں۔

نمبر ۲۱، اللہ اکبر کہنا واجب ہے اور اللہ اکبر کے علاوہ سے افتتاح کرنا مکروہ ہے یہ اصح

ہے۔ (شامی ص ۴۸۰ ج ۱، ہدایہ (فتاویٰ عالمگیری) ج ۱ ص ۶۸، بحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۱ ص ۳۰۶)

(۱۳) مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی، الکتاب المقبول فی صلاۃ الرسول ﷺ کے ص ۲۴۵ میں لکھتے ہیں۔

تکبیر تحریمہ کا مطلب ہے ''اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھنا، قرآن حکیم میں ہے وربک فکبر اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر۔ (مدثر:۳)

(۱۴) مولانا ابوضیاء عبداللہ ہزاروی صفۃ الصلاۃ النبی ﷺ کے ص ۱۲۶ پر لکھتے ہیں

یعنی اللہ اکبر کہہ کر نمازی نماز میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور آخر میں السلام علیکم کہہ کر نماز سے نکل جاتا ہے۔

(۱۵) علامہ ظہیر احسن شوق نیموی حنفی آثار السنن باب افتتاح الصلاۃ بالتکبیر میں حضرت ابی حمید الساعدی کی حدیث نقل کرتے ہیں جن کے الفاظ اس طرح ہیں۔

حضرت ابوحمید الساعدی نے کہا رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو قبلہ کی طرف منہ کرتے ہاتھوں کو اٹھاتے اور فرماتے اللہ اکبر۔ یہ روایت ابن ماجہ باب افتتاح الصلوٰۃ میں موجود ہے۔

ہم نے پندرہ حوالے حنفی علماء کے پیش کر دیئے جن سے خوب واضح ہو جاتا ہے کہ ہمارے نزدیک تکبیر تحریمہ اللہ اکبر سے کہنا چاہیے اور فتاویٰ شامی، فتاویٰ عالمگیری، بحر الرائق کے حوالہ یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ اللہ اکبر کے علاوہ اور کسی لفظ سے تکبیر کہنا مکروہ ہے۔

ہدایہ کی عبارت کی وضاحت:

جونا گڑھی نے ہدایہ کی اس عبارت سے یہ سمجھا کہ امام صاحب کے نزدیک علی الاطلاق، اللہ اکبر کی جگہ دوسرے ناموں سے نماز شروع کرنا جائز ہے۔ حالانکہ امام صاحب تو اللہ اکبر کے علاوہ کسی اور نام سے نماز شروع کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

حوالہ ملاحظہ فرمائیں:

مولانا ظفر احمد عثمانی حنفی لکھتے ہیں:

فَقَدْ ذَكَرَ الْقُدُوْرِیْ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْهِ نَصًّا اِنَّهٗ كَرِهَ الْاِفْتِتَاحَ اِلَّا بِقَوْلِهٖ اَللّٰهُ اَكْبَرُ قُلْتُ لِاَنَّهٗ یُخَالِفُ السُّنَّةِ (اعلاء السنن ج۲ ص۱۵۹)

امام قدوری نے امام ابوحنیفہ سے صراحت سے ذکر کیا ہے کہ وہ اللہ اکبر کے علاوہ کسی اور کلمہ سے نماز شروع کرنے کو مکروہ کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں مکروہ اس لیے ہے کہ سنت کے خلاف ہے۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص۶۸ میں ہے:

وَهَلْ یُكْرَهُ الشُّرُوْعَ بِغَیْرِهٖ اِخْتَلَفَ الْمَشَائِغُ بَعْضُهُمْ قَالُوْا یُكْرَهُ وَهُوَ الْاَصَحُّ هٰكَذَا فِی الذَّخِیْرَةِ وَالْمُحِیْطِ وَالظَّهِیْرِیَّةِ

نماز بغیر تکبیر کے شروع کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے بعضوں نے لکھا ہے کہ مکروہ ہے اور یہی اصح ہے یہ ذخیرہ اور محیط اور ظہیریہ میں لکھا ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری مترجم اردو ج ۱ ص ۱۰۶)

فقہ حنفی میں اللہ اکبر کے علاوہ کسی اور کلمہ سے نماز شروع کرنے کو مکروہ لکھا ہے تو لازمی بات ہے کہ ہدایہ کی عبارت میں جو (اَجْزَاهُ) ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی یا پھر اس کو عذر کی حالت پر محمول کریں گے۔ یا اس کو شاذ کہہ کر ترک کردیں گے۔

باقی رہا اعتراض کا دوسرا جزء یعنی فارسی میں قراۃ کرنا تو یہ بھی حنفی مسلک میں درست نہیں۔ رہی وہ عبارت جو جوناگڑھی نے ہدایہ سے تعارض کے طور پر پیش کی ہے اس کا جواب خود ہدایہ ہی میں موجود تھا۔ جو جوناگڑھی نقل نہیں کیا۔ اس عبارت کے آگے یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔

وَيروى رجوعه فى اصل المسألة الى قولهما وعليه الاعتماد

اصل مسئلہ میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع منقول ہے۔اور اسی پر اعتماد ہے۔

(هدايه باب صفة الصلوٰة ج۱ ص۸٦)

نوح ابن مریم (شاگرد امام ابوحنیفہ) سے منقول ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ نے آخیر وقت میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا کہ دوسری زبان میں قرأت کرے گا تو کافی نہیں ہوگا۔اور اسی پر فتویٰ ہے۔(آثار الہدایہ)

درمختار میں اسی پر فتویٰ لکھا ہوا ہے۔(ج ۱ کتاب الصلاۃ)

فتاویٰ عالمگیری عربی جلد اول ص ٦٩، اردو جلد اول ص ۱۰۸ میں لکھا ہے۔

اور روایت ہے کہ انہوں نے (امام ابوحنیفہ) صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔ یہ ہدایہ میں لکھا ہے اور اسرار میں ہے کہ یہی اختیار کیا گیا ہے اور تحقیق میں ہے عامہ مشائخین کا یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ شرح نقایہ میں لکھا ہے جو شیخ ابوالمکارم کی تصنیف ہے۔اور یہی اصح ہے یہ مجمع البحرین میں لکھا ہے۔

درمختار، عالمگیری کے علاوہ امام صاحب کے رجوع کا ذکر اصول فقہ کی مشہور کتاب نور الانوار میں ہے اور اس کی شرح قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار نمبر ۱۰، ص ۹ میں بھی موجود ہے۔ اسی طرح اصول فقہ کی مشہور کتاب حسامی کے شروع میں بھی یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے دیکھئے ص ٦ اور کتاب توضیح تلویح ص ۹۷ میں بھی امام صاحب کے رجوع کا ذکر موجود ہے۔ پس جس مسئلہ میں امام صاحب کا رجوع ثابت ہے اور بعد کے فقہائے احناف نے تصریح بھی کر دی اور فقہاء کا فتویٰ بھی اس پر نہیں پھر حنفی مذہب پر یا امام صاحب پر طعن کرنا تعصب نہیں تو اور کیا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

غیر مقلدین جب جواب سے عاجز آ جاتے ہیں تو عوام کے سامنے ایک شبہ یہ پیش

کرتے ہیں کہ ایسے مسائل پھر فقہ کی کتابوں میں کیوں لکھتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک کی منسوخ آیات بھی تو قرآن میں موجود ہیں اور قرآن پاک کی تفاسیر میں بھی ہر قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں یہی حال کتب حدیث اور ان کی شروحات کا ہے۔ حدیث کی کتاب کی کوئی شرح لے لیں مثلاً بخاری کی شرح فتح الباری ابن حجر عسقلانی شافعی کی ہی دیکھ لیں۔ اس میں ہر قسم کی روایات آپ کو مل جائیں گی۔ یہی حال سیرت النبی ﷺ کی کتب کا ہے تاریخ کی کتابوں کا حال زیادہ ہی خراب ہوتا ہے۔ مگر آج تک کسی نے یہ نہیں کیا کہ ان کتابوں کو چھوڑ دو یا ان سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔ یا ان کی مصنفین کو کچھ کہا ہو۔ ہاں جو بات قرآن وسنت کے خلاف ہو اس پر عمل مت کرو۔

اور فقہ حنفی کی کتب کے لیے بھی ہم اسی اصول پر عمل کرتے ہیں جو بات زیادہ قرآن وسنت کے مطابق ہوگی اس پر عمل کریں گے۔ اور جو قرآن وسنت کے صریحاً خلاف ہوگی اس کو چھوڑ دیں گے مگر غیر مقلدین کی طرح امام ابوحنیفہ یا دیگر فقہائے احناف کو برا بھلا نہیں کہیں گے۔

اعتراض نمبر ۱۲۷:

سلام کے بدلے گوز مارنا

صاحب شمع محمدی نقل کرتے ہیں:

مندرجہ بالا حدیث میں آپ نے پڑھا ہے کہ نماز کا آخری رکن جس سے انسان کی نماز فرمان رسول کے مطابق ختم ہوتی ہے السلام علیکم الخ کہہ کر سلام پھیرنا ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب اسے بھی نہیں مانتا وہ کہتا ہے۔ وَاِنْ تَعَمَّدَ الْحَدْثَ فِیْ هٰذِهٖ

الْحَالَةِ اَوْ تَكَلَّمَ اَوْ عَمِلَ عَمَلاً يُنَافِي الصَّلاةِ تَمَّتْ صَلوتَهٗ یعنی تشہد کے بعد اگر کسی نے جان بوجھ کر (مثلاً گوز مار کر) اپنا وضو توڑ دیا یا باتیں کرنی شروع کر دی، یا کوئی اور کام ایسا کیا جو نماز کے خلاف ہے تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔ سنا آپ نے شروع کرے یہ کہہ کر اللہ بزرگ ہست ختم کرے۔ پیچھے کے راستے سے ہوا نکال کر تو بھی نماز ہوگئی۔ حالانکہ حدیث میں ہے کہ شروع صرف اللہ اکبر سے اور ختم صرف سلام پر کہو۔ بھائیو! آپ کو کیا اچھا لگتا ہے۔ حدیث شریف کا حکم یا فقہ حنفی کا؟

(شمع محمدی ص ۱۴۶ و ص ۱۲۴، ظفر المبین حصہ اول ص ۲۳۷)

جواب:

مولانا جونا گڑھی نے اس مسئلہ کو پہلے بھی ص ۱۲۴ پر نقل کیا ہے دوبارہ پھر یہاں پر نقل کر دیا ہے اور یہ مسئلہ جونا گڑھی نے ظفر المبین حصہ اول ص ۲۳۷ سے سرقہ کیا ہے۔ ہماری طرف سے اس کا جواب اسی زمانہ میں دیا گیا تھا۔ دیکھئے **نصرة المجتهدين برد هفوات** غیر المقلدین ص ۲۴۲ مطبوعہ پیر جی کتب خانہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ۔ اس کے مصنف مولانا حکیم وکیل احمد صاحب سکندر پوری ہیں اس کے علاوہ ہماری مرتب کردہ کتاب فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات ص ۲۶۹ میں بھی دیا گیا ہے۔

ہم یہاں پر بھی مختصر عرض کریں گے مگر پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حنفی مسلک کیا ہے۔ پہلے وہ بیان عرض کریں گے بعد میں اس عبارت کا جواب دیں گے۔

احناف کے ہاں نماز کے کچھ واجبات ہیں۔ جو ہماری نماز کی اردو کتب میں بھی موجود ہیں۔ ان واجبات میں سے ایک واجب لفظ سلام سے نکلنا ہے۔

(۱) مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی حنفی نے اپنی کتاب نماز مسنون کلاں کے ص ۳۰۲ پر سرخی قائم کی ہے واجبات نماز پر صفحہ ۳۰۲ سے لے کر صفحہ ۳۰۹ تک نماز کے تیرہ (۱۳) واجبات ذکر کیے ہیں، نمبر ۱۱ ص ۳۰۸ پر لفظ سلام سے نکلنا کی سرخی لگائی ہے۔ پھر لکھتے

ہیں: لفظ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا واجب ہے ہدایہ ج اص ۷۳، شرح نقایہ ج اص ۷۰، کبیری ص ۲۶۸، پھر ترمذی ص ۲۷، ابوداؤد ج اص ۹۱ کے حوالہ سے حضرت علی کی یہ حدیث نقل کی ہے۔ حضرت علی سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کی چابی طہارت ہے (طہارت ہی سے آدمی نماز میں داخل ہوسکتا ہے) اور نماز کا تحریمہ (یعنی تمام چیزوں کا اس حالت میں ممنوع ہو جانا) تکبیر ہے اور نماز سے باہر آنا جس میں تمام حلال چیزیں اس کے لیے حلال ہو جاتی ہیں وہ سلام ہے۔

حضرت صوفی صاحب کے اس حوالہ سے حنفی مسلک آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا۔

ہماری نماز پر لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں تقریباً سب میں لکھا ہے کہ دونوں طرف سلام پھیرے۔

(۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز ص ۲۰۲، ۲۰۳ میں لکھا ہے۔

یہ دعا پڑھ کر سلام پھیرے۔ پہلے دائیں جانب منہ پھیر کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ پھر بائیں جانب منہ پھیر کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ دونوں طرف سلام پھیرتے ہی نماز ختم۔

اس عبارت کے بعد عامر بن سعد کی روایت مسلم ج اص ۲۱۶ سے اور عبداللہ بن مسعود کی ترمذی ج اص ۳۹، نسائی ج اص ۱۹۴ سے نقل کی ہیں۔

(۳) نماز مدلل ص ۱۳۲ میں لکھا ہے نماز کے آخر میں دائیں بائیں منہ پھیر کر سلام کہنا پھر مسلم ج اص ۲۱۶ مشکوٰۃ ص ۸۷ کے حوالہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث نقل کی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث ابوداؤد ج اص ۱۵۰، مشکوٰۃ ص ۸۸ سے نقل کی ہے۔

(۴) مولانا ابوضیاء عبداللہ ہزاروی حنفی اپنی کتاب صفۃ صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صفحہ ۱۸۳ پر لکھتے ہیں۔ سلام۔ جب نماز ختم ہو تو پہلے دائیں جانب السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے اور پھر بائیں جانب کہہ کر نماز سے فارغ ہو جائے۔

پھر حضرت عامر بن سعد اور عبداللہ بن مسعود والی احادیث نقل فرماتے ہیں۔

(۵) حکیم محمود احمد ظفر الکتاب المقبول فی صلوۃ الرسول ص۴۲۲ پر لکھتے ہیں نماز کا اختتام: جب درود کے بعد دعا پڑھ لے تو دائیں جانب منہ پھیر کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور پھر بائیں جانب منہ پھیر کر کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اس طرح دونوں طرف منہ پھیر کر سلام پڑھنے سے نماز کا اختتام ہوگا۔

پھر سیدنا علقمہ بن وائل کے حدیث ابوداؤد سے اور عبداللہ بن مسعود کی ترمذی وغیرہ سے نقل کی ہے اوران کے علاوہ کافی دلائل ذکر کیے ہیں آخر میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر سلام پھیرے کوئی شخص نماز سے الگ نہیں ہوسکتا۔

(الکتاب المقبول ص۴۲۳)

(۶) مولانا محمد امان اللہ لکھتے ہیں: نماز کا خاتمہ سلام پھیرنے کے ساتھ کرے۔

(الدلائل السنیہ ص۸۰)

(۷) ڈاکٹر محمود الحسن عارف کی نماز حبیب ﷺ میں ص۹۵ تا ۹۸ تک نماز کے واجبات کا ذکر کیا ہے۔ص ۹۸، پھر نمبر۱۲ پر لکھتے ہیں: نماز سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر خارج ہونا پھر ص۱۰۹ پر لکھتے ہیں: اور پھر دونوں طرف سلام پھیر دیں۔

(۸) مولانا ارشاد احمد فاروقی احکام و کتب طہارت اور نماز کے ص۱۲۱ پر لکھتے ہیں: (۸۷) لفظ سلام کا کہنا واجب ہے۔ **(کذا فی المتون)**

(۹) مولانا مفتی محمد ارشاد القاسمی صاحب لکھتے ہیں:

اور دائیں جانب اور بائیں جانب رخ کر کے دو مرتبہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنا، مطلب یہ ہے کہ دعا سے فارغ ہوکر پہلے دائیں جانب رخ کرتے ہوئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے پھر اسی طرح بائیں جانب۔ (نماز سنت کے مطابق پڑھیے ص۱۵۵)

(۱۰) مولانا محمد الیاس گھمن صاحب نماز اہل السنۃ والجماعت ص۹۵ پر لکھتے ہیں:

نماز کا اختتام سلام پر ہے پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مسلم ج ۱ ص ۱۹۵ سے نقل کی ہے۔
پھر لکھتے ہیں: الفاظ سلام: سرخی کے بعد ترمذی ج ۱ ص ۶۵ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۹۰ سے حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث نقل فرمائی ہے۔

(۱۱) علامہ بدر الدین عینی حنفی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۲۴ میں بیس صحابہ کرام کے نام لکھے ہیں جن سے نماز کے آخر میں دو سلاموں کی احادیث مروی ہیں۔
آپ فرماتے ہیں: پس یہ بیس (۲۰) صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ نمازی اپنی نماز کے آخر میں دو سلام کہے۔

قارئین کرام ہم نے حنفی مسلک واضح کر دیا ہے کہ ہمارے ہاں سلام کہہ کر نماز ختم کرنا واجب ہے۔ جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اس پر ہمارا عمل ہے یہ حدیث حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے دیکھئے مسلم ج ۱ ص ۱۹۵ باب ما یجمع صفۃ الصلوٰۃ وما یفتتح بہ ویختم بہ۔

جوناگڑھی نے دھوکہ دیا ہے کہ احناف کے مذہب میں سلام نہیں ہے۔ اور حدیث میں سلام ہے۔

اب ضرورت تو نہیں ہے کہ ہم اس عبارت کا جواب دیں کیوں کہ جو حنفی مذہب ہے وہ تو ہم نے لکھ دیا ہے۔ مگر پھر بھی قارئین کی تسلی کے لیے کچھ وضاحت کرتے ہیں۔

جوناگڑھی نے ہدایہ سے وہ مسئلہ نہیں لکھا جہاں پر سلام کا ذکر تھا۔

ہدایہ میں ہے ثُمَّ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَعَنْ يَّسَارِهٖ مِثْلُ ذٰلِكَ لِمَا رَوَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضَ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَعَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضَ خَدِّهِ الْاَيْسَرِ.

پھر اپنی دائیں جانب سلام پھیرے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے اور بائیں جانب بھی ایسا ہی کرے اس حدیث کی وجہ سے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

اپنی دائیں جانب سلام پھیرتے تھے حتی کہ آپ کے دائیں رخسار کی سفیدی دیکھ لی جاتی تھی اور بائیں جانب سلام پھیرتے تھے حتی کہ بائیں رخسار کی سفیدی دیکھ لی جاتی تھی۔

(احسن الہدایہ ترجمہ وشرح اردو ہدایہ ج ۲ ص ۴۷،۴۳، باب صفة الصلاة)

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا جس ہدایہ سے یہ مسئلہ جونا گڑھی نقل کرر ہے ہیں اسی ہدایہ میں یہ مسئلہ بھی لکھا ہوا ہے۔ جونا گڑھی نے جان بوجھ کر یہ غلط بیانی کی ہے۔ اللہ اسے معاف فرمائے۔

جونا گڑھی نے ہدایہ کی جو عبارت نقل کی ہے وہ بھی پوری نقل نہیں کی شروع اور آخر کی عبارت چھوڑ دی ہے جو کہ ایک صریح خیانت ہے۔ اس مقام پر صورت مسئلہ یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے دو صورتیں نقل کی ہیں اور دونوں کا حکم الگ الگ لکھا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کسی بے اختیار اور مجبور شخص کے مجبوری کے عالم میں ایسی بات سرزد ہوگئی جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جو اسے نماز میں نہیں کرنی چاہیے تھی پھر صاحب ہدایہ نے اس کی مثالیں دی ہیں۔ غیر مقلدان مثالوں میں سے صرف ایک مثال کا ذکر کرتے ہیں باقیوں کا نہیں پھر دوسری صورت بتائی اور اس کا حکم بھی بتایا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے آخری قعدہ میں تشہد مکمل پڑھ لیا اب اس کو درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیرنا تھا۔ مگر اس نے یہ نہیں کیا اور اس نے کسی وجہ سے یا بغیر وجہ کے بغیر سلام پھیرے نماز کو ختم کر دیا۔ ایسی صورت میں اس شخص کی نماز کا کیا حکم ہے۔ وہ نماز دوبارہ پڑھے گا یا نہیں اس کی یہ نماز ادا ہوگی یا اس کے ذمہ باقی ہے۔ یہ ہے صورت اصل مسئلے کی۔ صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کا جو حل پیش کیا ہے اس پر اعتراض ہے۔ اگر جونا گڑھی زندہ ہوتے تو ہم ان سے عرض کرتے مگر وہ تو اب دنیا نہیں رہے ہم موجودہ غیر مقلدین سے کہتے ہیں کہ وہ ایسی صورت میں مسئلہ کا کیا حل بتاتے ہیں۔ فقہاء کرام نے تو جو حدیث میں حکم تھا اس سے مسئلہ کا حل بتا دیا مگر غیر مقلد نہ فقہاء کی مانتے ہیں اور نہ حدیث کی۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ پہلے قرآن پاک سے خاص اس مسئلے کا حل

بتائیں پھر سنت کی تین مشہور قسموں میں سے بتائیں کہ کس قسم (قولی، فعلی، تقریری) کی سنت سے ثابت ہے۔اصل مسئلے کا خلاصہ ہم نے عرض کردیا ہے۔اب آپ کو ہدایہ کی عبارت سمجھنی آسان ہوجائے گی۔ملاحظہ فرمائیں ہدایہ کی مکمل عبارت وان سبقه الحدث بعد التشهد توضأ وسلم.

اور اگر حدث لاحق ہوگیا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد تو وضو کرے گا اور سلام کرے گا۔

تشریح:

تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد خود بخود حدث ہوگیا تو تشہد کی مقدار بیٹھنا آخری فرض تھا پھر پورا ہوگیا لیکن ابھی سلام کرتا جو واجب ہے وہ باقی اس لیے اس کو دوبارہ وضو کر کے نماز پر بناء کرنا چاہے اور سلام کرنا چاہتے۔

لِاَنَّ التَّسْلِيْمَ وَاجِبٌ فَلاَ بُدَّ مِنَ التَّوَضِيْ لِيَاتِىْ بِهٖ

اس لیے کہ سلام واجب ہے اس لیے وضو کرنا ضروری ہے تا کہ سلام پھیر سکے۔

تشریح:

تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد خود بخود حدث ہوگیا تو نماز ابھی منقطع نہیں ہوئی ہے۔اس لیے اس پر بنا کرسکتا ہے اور سلام جو واجب ہے، وہ باقی ہے اس لیے وضو کر کے بنا کرے اور سلام پھیرے۔

نوٹ: یہ پہلی صورت کا حل ہے جو صاحب ہدایہ نے نقل کیا۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسا مجبور شخص دوبارہ وضو کر کے وہاں سے دوبارہ نماز شروع کرے جہاں سے چھوڑی تھی۔ اور اپنی بقایا نماز کو مکمل کرے اور اپنے نماز کے واجبات کو پورا کرے جو اس کے ذمہ ہے یعنی سلام پھیر کر نماز ختم کرے۔

آب آگے دوسری صورت کا حل بتارہے ہیں:

وَاِنْ تَعَمَّدَ الْحَدَثَ فِيْ هٰذِهِ الْحَالَةِ اَوْ تَكَلَّمَ اَوْ عَمِلَ عَمَلاً يُنَافِي الصَّلَاةَ تَمَّتْ صَلَاتُهٗ

اور اگر اس حالت میں (بعد التشہد) نمازی نے جان بوجھ کر حدث کر دیا یا اس نے بات کر لی یا کوئی منافی نماز عمل کر لیا تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔

نوٹ اس عبارت پر جونا گڑھی کو اعتراض ہے جو اس نے اپنی کتاب کے ص ۱۲۲ پر نقل کیا ہے۔

تشریح:

اوپر والے اور اس مسئلے میں فرق یہ ہے کہ اوپر خود بخود حدث ہوا تھا۔ اس لیے پہلی نماز پر بنا کر سکتا تھا۔ اس لیے وضو کر کے بنا کرے گا اور سلام پھیرے گا۔ اور اس مسئلے میں یہ ہے کہ نمازی نے جان بوجھ کر حدث کیا ہے اس لیے اس کی اس غلط حرکت کی وجہ سے اس کی نماز ٹوٹ گئی۔ اس لیے اب وہ بناء نہیں کر سکتا اور وضو کر کے سلام نہیں پھیر سکتا اور چونکہ صرف اس کے ذمہ سلام واجب ہے اس لیے یوں کہا جائے گا کہ نقص کے ساتھ نماز پوری ہو گئی لیکن یہ شخص بالقصد ایسا کرنے پر گنہگار ہو گا کیوں کہ اس نے نماز جیسی شان والی عبادت کو اس کے مخصوص طریقہ کے خلاف ختم کیا اور اسلام جو واجب تھا اس کا بالقصد ترک کیا لہٰذا یہ نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہو گی۔

ہدایہ میں تَمَّتْ صَلَاتُهٗ کا جو ذکر ہے وہ فرضیت کی تمامیت کا ذکر ہے کہ اس شخص کے ذمہ نماز کے فرضوں میں سے کوئی فرض باقی نہیں ہے۔ لیکن ترک واجب کی وجہ سے وجوب کی تمامیت باقی رہ گئی ہے۔ جس کی تکمیل بلا اعادہ نماز ممکن نہ ہو گی اور گناہ جو ہو گا وہ الگ ہے۔ (فتاویٰ شامی ج ۱ ص ۱۴۵) یہ ہے حنفی مسلک ہمارا یہ مسئلہ نہ قرآن کے خلاف ہے اور نہ حدیث کے اگر غیر مقلد اس کو قرآن کے خلاف کہتے ہیں تو قرآن کی کوئی ایسی آیت پیش فرمائیں۔ جس میں یہ مسئلہ ہو اگر حدیث کے خلاف کہتے ہیں تو حدیث پیش فرمائیں۔ اس

مسئلہ میں جہاں تک احادیث کا تعلق ہے وہ احناف کی تائید کرتی ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام نماز پوری کر لے اور قعدہ اخیرہ میں بیٹھ جائے پھر حدث کر دے قبل اس کے کہ کلام کرے تو اس کی نماز مکمل ہوگئی اور اس شخص کی بھی نماز مکمل ہوگئی جس نے اس کے پیچھے پوری نماز پڑھی۔

ابوداؤد ج۱ ص۱۰۷ باب الامام یحدث بعدما یرفع راسه من آخر رکعة (ترمذی مترجم ج۱ ص۱۸۵، باب ماجاء فی الرجل یحدث بعد التشهد، دار قطنی مترجم ج٤ ص٥٤٥، باب من احدث قبل التسلیم فی آخر صلوته او احدث قبل تسلیم الامام فقد تمت صلوته)

اس حدیث میں امام کے حدث کر دینے (بالقصد وضو توڑ دیتے) امام اور مقتدیوں کی نماز کے تمام ہونے کا حکم بیان کیا گیا ہے حالانکہ امام لفظ سلام سے سلام پھیر کر نماز سے نہیں نکلا ہو۔ معلوم ہوا کہ لفظ سلام فرض نہیں جب کہ خروج بصنعه فرض ہے۔

خروج بصنعه کا مطلب یہ ہے کہ نمازی ''قعدہ'' اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کسی اپنے فعل کے ذریعے قصداً نماز سے نکلے۔ یہ ارادۃً اور قصداً نکلنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک فرض ہے۔ اور سلام کے ذریعہ نکلنا یہ واجب ہے۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ متعدد احادیث میں مقدار تشہد کے بعد بغیر سلام کسی اور طریقے سے بھی نماز سے نکلنے پر نماز کی تمامیت کا حکم لگایا گیا ہے۔ جیسا کہ اوپر حدیث میں گزرا۔

تشہد کے بعد نماز کے فرائض کا پورا ہونا:

حدیث نمبر ۲:

قاسم بن مخیمرہ سے روایت ہے کہ علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود کا ہاتھ پکڑا اور ان کو

تشہد پڑھنا سکھایا بعداس کے فرمایا جب تو یہ پڑھ چکا (یعنی تشہد) تو تیری نماز پوری ہوگئی۔ اب چاہے اٹھ کھڑا ہواور چاہے بیٹھا رہ۔

(ابوداؤد مترجم جلد اول ص۳۷۲، باب التشہد، طحاوی ج۱ ص۱۸۹، مسند احمد ج۱ ص۴۲۲)

حدیث نمبر۳:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں تشہد سے فارغ ہو جاتے تھے تو ہماری طرف متوجہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو شخص جان بوجھ کر بے وضو ہو جائے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد تو اس کی نماز مکمل ہوگئی۔

(امام ابو نعیم اصفہانی ملیة الاولیاء ج۵ ص۱۱۷)

حدیث نمبر۴:

حضرت عطاء بن ابی رباح سے بھی اس مفہوم کی روایت حلیۃ الاولیاء میں موجود ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج۵ ص۱۱۷)

حدیث نمبر۵:

حضرت حکم اور حماد سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص تشہد پڑھتا ہے یا تشہد کی مقدار تک بیٹھتا ہے تو اس کی نماز مکمل ہو جاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲)

اگر کسی کو اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل دیکھنا ہو تو ملا علی قاری حنفی صاحب مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کا رسالہ تشیع الفقہاء الحنفیۃ اور علامہ عبدالحیٔ لکھنوی کا حاشیہ عمدۃ الرعایۃ شرح وقایہ کا ص۱۵۱ دیکھ لیں۔

غیر مقلدین کا مذہب:

علامہ وحید الزماں رحمہ اللہ غیر مقلد کنز الحقائق ص۲۴ میں لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے

نماز پڑھائی اور سلام کے بعد اعلان کیا کہ میں نے نماز بے وضو پڑھائی ہے تو نماز ہو گئی لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

نواب سید صدیق حسن خاں نے غیر مقلد ہونے کے باوجود اپنی کتاب کشف الاقتباس میں اس اعتراض کا رد کیا ہے جو دیکھنا چاہے دیکھ لے۔ قارئین آپ جوناگڑھی کے علم اور تعصب کا اندازہ کریں کہ ہوا نکالنے کو اسلام کے قائم مقام سمجھتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۲۸:

حج بدل کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے:

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم سَمِعَ رَجُلاً یَقُوْلُ لَبَّیْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ قَالَ مَنْ شُبْرُمَةُ قَالَ اَخٌ لِّیْ اَوْ قَرِیْبٌ لِّیْ قَالَ اَحَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ قَالَ لاَ قَالَ حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ یعنی حضور ﷺ نے سنا کہ ایک صحابی لبیک عن شبرمہ کہتے ہیں تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ شبرمہ کون ہے؟ اس نے کہا میرے بھائی ہیں یا میرے اور کوئی قریبی رشتہ دار ہیں۔ میں ان کی طرف سے حج کو آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے اپنا بھی حج کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا اولا اپنی طرف سے اپنا حج کرو پھر حج بدل کرنا۔ رواہ الشافعی وابوداؤد وابن ماجہ (مشکوۃ جلد اول ص ۲۲۳ کتاب المناسک) یہ حدیث صاف دلیل ہے کہ دوسرے کی طرف سے حج کرنے والے کے لیے شرط ہے کہ اس نے پہلے اپنا حج کر لیا ہو۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا ملاحظہ ہو ہدایہ کی سب سے اعلیٰ شرح فتح القدیر جس

میں حج بدل والے کے لیے حج کیے ہونے ہونا شرط نہیں مانا بلکہ افضل بتایا اور امام شافعی کا چونکہ مذہب اس حدیث کے مطابق ہے اس لیے اسے خوب رد کیا ہے۔ (فتح القدیر باب الحج عن الغیر) درمختار باب الحج عن الغیر ص ۲۶۱ جلد ثانی میں ہے جَازَ حَجُّ الصَّرُوْرَةِ یعنی جس نے حج نہ کیا ہو وہ بھی حج بدل کر سکتا ہے۔ (شمع محمدی ص ۱۴۷)

جواب:

اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں جس کی وجہ سے فقہاء کرام میں اختلاف واقعہ ہوا ہے۔ کسی نے جواز کا قول کیا ہے اور کسی نے منع کا۔ اور بعض نے دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ علمائے احناف نے بھی دونوں قسم کی روایات پر عمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ علمائے احناف کہتے ہیں کہ بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ حج بدل ایسے شخص کو ہی کرنا چاہیے جس نے پہلے اپنا فرض حج ادا کیا ہوا ہے۔

اگر بالفرض ایسے شخص نے حج بدل کر لیا جس نے پہلے اپنا حج ادا نہیں کیا تھا یا اس پر ابھی حج فرض ہی نہیں ہوا تھا تو کیا ایسی صورت میں حج بدل ادا ہو گیا یا نہیں۔ حنفی علماء کہتے ہیں کہ ایسے شخص سے بھی حج بدل کروانے سے حج ادا ہو جائے گا۔ دوبارہ کروانے کی ضرورت نہیں۔

جونا گڑھی نے اپنے مطلب کی روایت تو نقل کر دی مگر جواز والی روایات کا ذکر نہیں کیا۔ ہم پہلے جواز والی روایات نقل کرتے ہیں بعد میں جونا گڑھی کی روایت کا جواب عرض کریں گے۔

روایات جواز

حدیث نمبر ۱:

روایت ہے کہ ابی رزین عقیلی سے کہ وہ آئے نبی ﷺ کے پاس اور کہا یا رسول اللہ!

میرا باپ بہت بوڑھا ہے طاقت نہیں رکھتا حج کی اور نہ عمرہ کی اور نہ سواری کی تو فرمایا آپ نے تو حج کر اپنے باپ کی طرف اور سے عمرہ بجالا۔

(ترمذی مترجم جلد اول ص۲۴۸، باب ماجاء في الحج عن الشيخ الكبير والميت)

حدیث نمبر۲:

روایت ہے فضل بن عباس سے کہ ایک عورت نے قبیلہ خثعم سے کہا یا رسول اللہ! البتہ میرے باپ کو پالیا ہے اللہ کے فرض حج نے اور وہ بہت بوڑھا ہے کہ اونٹ پر بیٹھ نہیں سکتا تو فرمایا آپ نے تو حج کر اس کی طرف سے۔

(مسلم، کتاب الحج، باب: الحج عن العاجز، ترمذی مترجم جلد اول ص۲۴۸، باب: ماجاء الحج عن الشيخ الكبير والميت)

حدیث نمبر۳:

روایت ہے عبداللہ بن بریدہ سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ آئی ایک عورت نبی ﷺ کے پاس اور کہا میری ماں مرگئی ہے اور حج نہیں کیا۔ کیا میں حج کروں اس کی طرف سے آپ نے فرمایا ہاں حج کر اس کی طرف سے۔ (ترمذی مترجم ص۳۴۸،۳۴۹)

حدیث نمبر۴:

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی خثعم کے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میرے والد مسلمان ہیں اور سواری پر بیٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے اور حج ان پر فرض ہو چکا ہے تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو اس کا بڑا بیٹا ہے اس نے عرض کیا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا دیکھو اگر ان پر قرض ہوتا اور تم اسے ادا کرتے تو کیا تمہارے ادا کرنے

سے ان کی طرف سے ادا ہو جاتا اس نے کہا ہاں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس کی طرف سے تو حج کر۔ **(نسائی تشبیہ قضاء الحج بقضاء الدین)**

حدیث نمبر ۵:

ابن عباس سے روایت ہے کہ قبیلہ جہنیہ کی ایک عورت نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی لیکن حج کرنے سے قبل ہی وفات پا گئیں تو میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس کی طرف سے حج کرو۔ دیکھو اگر ان پر قرض ہوتا تو کیا اس کی طرف سے قرض ادا کرتی اس نے کہا ہاں اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا قرض ادائیگی کا اس سے بھی زیادہ مستحق ہے۔

(بخاری ج۱ ص۲۵۰، کتاب الحج، باب: الحج والنذور عن المیت)

حدیث نمبر ۶:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نے حج کی نذر مانی بعد ازاں وہ فوت ہو گئی اس کا بھائی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ مسئلہ دریافت کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تیری بہن پر قرض ہوتا تو کیا اسے ادا کرتا اس نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا تو اللہ کا قرض ادا کرو اس کا فرض ادا کرنا زیادہ اہم ہے۔

(نسائی ج۲ ص۳۰، الحج عن المیت الذی نذر ان یحج، بخاری ص۹۹۱، مسند احمد، صحیح ابن خزیمہ، مسند ابو داؤد لیاسی)

حدیث نمبر ۷:

حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگی کہ میری ماں انتقال کر گئی ہے کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تیری ماں پر کچھ قرض ہوتا تو کیا تو ادا کرتی۔ (اور کیا پھر وہ ادا

بھی ہو جاتا یا نہیں) اس نے کہا ہاں کیوں نہیں (میں ادا بھی کرتی اور وہ ادا بھی ہو جاتا) اس پر آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو اپنی ماں کے لیے حج کرنے کا حکم دے دیا۔

(رواہ الطبرانی بحوالہ تفسیر مظہری ج۹ ص۱۲۸)

حدیث نمبر ۸:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوا کہ میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور فرض حج نہ کر پایا (کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا یہ بتا اگر تیرے باپ پر قرض ہوتا (جو اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا ہوتا) تو کیا تو اس کی طرف سے ادا کرتا اس نے کہا جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا تو یہ بھی اس پر ایک قرض تھا تو ادا کر دے۔

(رواہ بزار، طبرانی بحوالہ تفسیر مظہری ج۹ ص۱۲۸)

حدیث نمبر ۹:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا منیٰ پورے کا پورا قربانی کرنے کی جگہ ہے خثعم قبیلے سے تعلق رکھنے والی عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے عرض کی میرے والد بوڑھے ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج کے معاملے میں جو چیز فرض کی ہے وہ ان پر لازم کی گئی ہے لیکن وہ اسے ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تو کیا یہ بات جائز ہو گی کہ میں ان کی طرف سے اسے ادا کروں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہاں! **(مسند شافعی مترجم جلد۲ ص۵۴٦)**

حدیث نمبر ۱۰:

طاؤس بیان کرتے ہیں ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے ان کے ذمے حج لازم تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم اپنی ماں

کی طرف سے حج کر۔ **(مسند شافعی مترجم جلد۲۔ص ۵۴۶)**

قارئین کرام ایسی روایات تو بے شمار ہیں مگر ہم نے دس نقل کر دی ہیں۔ ان میں سے کسی میں یہ نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دوسرے کی طرف سے حج کرنے والے سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا تو نے خود حج کیا ہوا ہے یا نہیں۔ آپ کا یہ نہ پوچھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خواہ خود حج کیا ہو یا نہ کیا ہو دوسرے کی طرف سے حج کرنا جائز ہے نیز آپ ﷺ نے والد کی طرف سے حج کی قضاء کو دین کی قضاء کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور تقریباً تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ والد کی طرف سے قرضہ ادا کرنا جائز اور درست ہے اگرچہ بیٹا مدیون ہو۔

قارئین آپ نے دونوں قسم کی روایات دیکھ لیں۔ جو جونا گڑھی نے منع کی نقل کی ہے وہ بھی اور جن سے جواز نکلتا ہے وہ بھی۔ اب علمائے احناف کا فیصلہ سنیے۔

علامہ کاسانی حنفی المتوفی ۵۸۷ ہجری فرماتے ہیں:

افضل یہ ہے کہ حج بدل کرنے والا اپنی طرف سے حج کر چکا ہو کیوں کہ دوسرے کی طرف سے حج کرنے میں اپنے فرض کی ادائیگی فی الحال ترک ہو رہی ہے لہٰذا ایسے شخص کو حج کرانے کی ایک قسم کی کراہت ہے۔ نیز اس لیے کہ اگر پہلے حج کر چکا ہے تو وہ مناسک حج سے زیادہ واقف ہوگا علاوہ ازیں اس صورت میں اختلاف بھی نہیں رہتا۔ اس لیے یہ افضل ہے۔ **(بدائع الصنائع ج۲)**

مولانا مفتی سعید احمد مفتی اعظم مظاہر العلوم سہارنپور انڈیا کا فتویٰ:

جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا اگر وہ کسی دوسرے کی طرف سے حج کرے ہو جائے گا۔ مگر مکروہ ہے۔ **(معلم الحجاج ص ۲۸۵)**

اب رہی وہ روایت جو جونا گڑھی نے نقل کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔

امام ابن ہمام نے فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں مضطرب ہے کیوں کہ اس کے راوی سعید بن

مروبہ اولاً بصرہ میں اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کرتے تھے پھر بعد میں کوفہ آ کر مرفوعاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے لگے۔ معلوم ہوا کہ ان پر یہ حدیث مشتبہ رہی۔ نیز اس میں تدلیس بھی ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔ مرقات

اس روایت کے موقوف ہونے کا ثبوت:

اس روایت کو ابی قلابہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اخبرنا سفیان عن ایوب عن ابی قلابة الخ

ابوقلابہ بیان کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو سنا جو یہ کہہ رہا تھا میں شبرمہ کی طرف سے حج کے لیے تیار ہوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تمہارا ستیاناس ہو یہ شبرمہ کون ہے؟ اس شخص نے اس کے ساتھ اپنی رشتے داری کا تعلق ظاہر کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم نے اپنی طرف سے حج کر لیا ہے۔ تو اس نے جواب دیا نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پہلے تم اپنی طرف سے حج کرو بعد میں شبرمہ کی طرف سے حج کرنا۔ (مسند امام شافعی مترجم جلد دوم ص ۵۴۲)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ یہ ابن عباس کا قول ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں۔ دوسری سند۔ حدثنا عبدالوھاب ثقفی، عن ایوب بن ابی تمیمة، خالد الحذاء عن ابی قلابة عن ابن عباس الخ

اس میں بھی یہ ابن عباس کا قول ہی ثابت ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں۔

روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے کا اختلاف محدثین میں موجود ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا موقوف ہونا زیادہ راجح ہے۔ غیر مقلدین کے نزدیک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال وافعال دین میں حجت نہیں ہیں۔ اسی روایت کو جوناگڑھی کا اپنے استدلال میں پیش کرنا درست نہیں۔

اعتراض نمبر ۱۲۹، ۱۳۰:

زبردستی کا دھینگا مستی

(یعنی طلاق مکرہ اور زبردستی غلام آزاد کرانا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوٰۃ شریف جلد دوم باب الخلع والطلاق میں ہے **عن عائشۃ قالت سمعت رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِيْ اِغْلَاقٍ (رواہ ابو داؤد ابن فلجیفیل معنی الاعلاق الاِکْرَاہُ** یعنی رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ جس شخص پر اکراہ زبردستی کی جائے اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دے اور جس سے زبردستی لی دھینگا مستی غلام آزاد کرایا جائے تو نہ وہ طلاق واقع ہوگی نہ غلام آزاد ہوگا۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب میں ہے کہ یہ طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ غلام بھی آزاد ہو جائے گا۔ ہدایہ جلد ۳ کتاب الاکراہ ص ۳۴۴ میں ہے **وَاِنْ اُکْرِہَ عَلٰی طَلَاقِ امْرَاَتِہٖ اَوْ عِتْقِ عَبْدِہٖ فَفَعَلَ وَقَعَ مَا اُکْرِہَ عَلَیْہِ** یعنی کسی پر زبردستی کی گئی اور اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی یا اپنے گلام کو آزاد کیا تو یہ طلاق بھی ہو جائے گی اور یہ غلام بھی آزاد ہو جائے گا۔ کہو دوستو! فقہ و حدیث کے اس مقابلے میں آپ کسے حق کہیں گے؟ اور کسے ناحق؟

(شمع محمدی ص ۱۴۸، ظفر المبین حصہ دوم ص ۱۳۶)

جواب:

اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں جونا گڑھی نے صرف اپنی مطلب کی حدیث نقل کی ہے اور دوسری نقل نہیں کی۔ ہم یہاں پر پہلے وہ احادیث نقل کریں گے۔ جو حنفی مسلک کی

تائید کرتی ہیں۔ بعد میں جوناگڑھی کی پیش کردہ حدیث کا جواب بھی عرض کریں گے۔

حنفی مذہب کے دلائل

حدیث نمبر ۱:

حضرت صفوان بن غزوان عطائی سے روایت ہے کہ ایک آدمی سویا ہوا تھا اس کی بیوی اٹھی اور اس نے چھری پکڑی اور اپنے خاوند کے سینے پر بیٹھ گئی اور چھری اس کے حلق پر رکھ دی اور کہنے لگی مجھے تین طلاقیں دو ورنہ میں تجھے ذبح کر دوں گی تو اس کے خاوند نے اس کو اللہ کا واسطہ دیا لیکن اس کی بیوی نے انکار کر دیا تو اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر وہ آدمی آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے سامنے بیان کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ **لا قیلولة فی الطلاق** کہ طلاق میں کوئی قیلولہ نہیں ہے یعنی طلاق واقع ہو گئی ہے۔(**المحلی فی الطلاق جلد نمبر ۱۰ ص ۲۰۳، نصب الرایة ج۳ ص ۲۲۲**)

امام شمنی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام عقیلی نے بھی اپنی کتاب میں نقل کی ہے۔

حدیث نمبر ۲:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکرہ کی طلاق کو جائز قرار دیتے تھے۔

(الجوهر النقی الرد علی البیهقی ج۷ ص ۳۵۸، نصب الرایة ج۳ ص ۲۲۲)

حدیث نمبر ۳:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوهِ الْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهٖ

''سب طلاقیں پڑ جاتی ہیں مگر طلاق معتوہ نہیں پڑتی۔ معتوہ کا مطلب ہے جس کی عقل جاتی رہی ہو۔''

اس حدیث سے جہاں معتوہ کی طلاق کا عدم وقوع سمجھ نہیں آیا ہے وہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی ہے کہ معتوہ کے علاوہ ہر بالغ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے جس میں مکرہ طلاق بھی شامل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ معتوہ بھی دیوانے سے ایسا دیوانہ مراد ہے جس کی عقل نہ رہی ہو اور اگر ایسا دیوانہ ہو جو کبھی کبھی ہوش میں آتا ہو اور وہ طلاق دیوے ہوش کی حالت میں تو ایسی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

حدیث نمبر۴:

حدثنا وكيع عن الاعمش عن ابراهيم عن عابس بن ربيعة عن علي كل طلاق جائز الا طلاق المعتوه

(مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص۱۲ باب: ما قالو فی الطلاق المعتوه)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر ایک طلاق پڑ جائے گی سوائے طلاق معتوہ کے۔''

حدیث نمبر۵:

قَالَ عَلِيٌّ وَّ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر ایک طلاق پڑ جائے گی مگر دیوانے کی (یعنی دیوانے کی طلاق نہیں پڑتی)۔(بخاری کتاب الطلاق، باب: الطلاق فی الاغلاق والکره (تعلیقا) ج۲ ص۷۹۳)

حدیث نمبر۶:

روایت ہے کہ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ہیں کہ اس میں سچ مچ کہنا اور خوش طبعی سے کہنا دونوں برابر ہیں۔ ایک نکاح دوسرے طلاق تیسرے رجعت (یعنی طلاق کے بعد رجوع کرنا)۔

(ترمذی ابواب الطلاق باب ما جاء فی الجد والهزل فی الطلاق)

اس حدیث میں ہازل کی طلاق ہونے کا ذکر ہے۔ ہازل اپنے اختیار سے طلاق کا حکم ہوتا ہے مگر وہ وقوع طلاق سے راضی نہیں ہوتا اس کے باوجود طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے اختیار سے طلاق کا تکلم کیا جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے گو متکلم وقوع طلاق سے راضی نہ ہو اور مکرہ طلاق میں بھی یہی صورت حال ہے۔ ظاہر ہے کہ اکراہ سے اختیار تو سلب نہیں ہوتا زیادہ سے زیادہ رضا مفقود ہوتی ہے لہٰذا ہازل کی طرح یہاں بھی طلاق واقع ہونی چاہیے۔

حدیث نمبر ۷:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ بدر میں شرکت سے مجھے کوئی چیز مانع نہیں تھی بلکہ میں اپنے والد حسیل کے ساتھ نکلا تھا لیکن راستے میں ہمیں کفار قریش نے پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہے ہو؟ ہم نے کہا ہمارا ارادہ تو صرف مدینہ منورہ جانے کا ہے۔ انہوں نے ہم سے یہ وعدہ اور مضبوط عہد لیا کہ ہم مدینہ جا کر لڑائی میں ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ ہم نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور ساری بات بتا دی۔ نبیکریم علیہ السلام نے فرمایا تم دونوں واپس چلے جاؤ ہم ان کا وعدہ وفا کریں گے۔ اور ان کے خلاف اللہ سے مدد مانگیں گے۔

(مسند احمد مترجم ج۱۰ ص۷۹۶، مستدرك حاكم ج۳ ص۲۰۱، و ج۵ ص۳۹۶، مستدرك حاكم مترجم ج۳ ص۳۸۸، كتاب معرفة الصحابة، مسلم كتاب الجهاد والسير، باب: الوفاء بالعهد، نيل الاوطار ج۷ ص۲۳۶، طحاوى ج۲ ص۴۹)

اشوکانی فرماتے ہیں جو فقہاء جبری قسم کے جواز کے قائل ہیں وہ اس بارے میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ **(نيل الاوطار اردو جلد٤ ص۲۸۰)**

امام طحاوی فرماتے ہیں:

قالوا فلما منعهما رسول الله صلى الله عليه وسلم من حضور بدر لاستحلاف المشركين التامرين لهما على ما استحلفوهما عليه ثبت بذلك ان الحلف على الطواعية ولاكراه سواء كذالك الطلاق والعتاق.

(طحاوی ج۲ ص٤٩)

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں:

بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ طلاق مکرہ واقع ہو جاتی ہے مثلاً حضرت عمر، ابن عمر، عمر بن عبدالعزیز، شعبی، ابوقلابہ، سعید بن میتب، شریح، زہری، قتادہ، سعید بن جبیر، نخعی وغیرہ۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری ج۲۰ ص۲۵۰، نصب الرایہ ج۳ ص۲۲۲)

قارئین کرام آپ نے حنفی مذہب کے دلائل ملاحظہ فرمائے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مجبوری کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ان کا ذکر جونا گڑھی نے نہیں کیا۔اب رہی وہ روایت جو جونا گڑھی نے نقل کی ہے۔اس کے کئی جواب ہیں۔احناف کا طریقہ اکثر جگہ پر یہ ہوتا ہے کہ جن روایات میں بظاہر تعارض نظر آئے ان میں ایسی تطبیق دی جائے جن سے تعارض خود بخود ختم ہو جائے۔لہٰذا یہاں پر بھی اس حدیث کا ایسا مطلب بیان کرنا چاہیے۔ جس سے تعارض ختم ہو جائے۔وہ مطلب یہ ہے کہ اغلاق سے مراد یہاں اغلاق الفہم ہے۔ یعنی کسی شخص کا منہ جبراً اس طرح سے بند کر دیا جائے کہ وہ طلاق اور عتاق کے الفاظ کے ایسے تکلم پر قادر نہ رہے جیسا تکلم طلاق اور عتاق کے حکم واقع ہونے کے لیے ضروری ہے۔ اس اکراہ کی صورت میں طلاق کا عدم وقوع متفق علیہ ہے۔جیسا کہ اغلاق کا معنی صرف اکراہ ہی متعین نہیں ہے۔ بلکہ اس کے معنی میں اور احتمالات بھی ہیں۔اور معانی کے احتمال ہوتے ہوئے یہ حدیث قابل استدلال نہیں جیسا کہ اصول ہے۔**اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**

دوسرا جواب:

اس بات پر اجماع ہے کہ قتل خطاء میں دیت ہے۔ ہاں گناہ نہیں ہے یہی حال یہاں بھی ہے کہ طلاق واقع ہو جاتی ہے گو اس کا گناہ نہیں ہوتا۔

اعتراض نمبر ۱۳۱:

ریشم حلال کر دیا گیا

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

آپ جانتے ہوں گے کہ ہماری شریعت میں ریشم مردوں پر حرام ہے۔ مشہور مسئلہ مشکوٰۃ شریف جلد دوم ص ۳۷۴ کتاب اللباس میں ہے۔ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وسلم وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَاَنْ تَجْلِسْ عَلَيْهِ یعنی آنحضرت ﷺ نے ہمیں ریشم پہننے سے اور ریشم پر بیٹھنے سے بھی منع فرمادیا ہے ابوداؤد اور نسائی کے حوالے سے ہی مشکوٰۃ میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لَا تَرْكَبُوا الْخَزَّ ریشم پر نہ بیٹھو۔ یہ حدیثیں صاف ہیں کہ ریشم کا پہننا بھی حرام ریشمی فرشوں پر بیٹھنا لیٹنا تکیہ لگانا بھی حرام۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا۔ ہدایہ جلد ۴ کتاب الکراھیة ص ۴۴۰ میں ہے۔ وَلَا بَاْسَ بِتَوَسُّدِهٖ وَالنَّوْمِ عَلَيْهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ یعنی ریشمی تکیے لگانے میں اور ریشمی بستروں پر سونے میں کوئی حرج نہیں دیکھیں اب ہمارے بھائی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں یا مذہب کو؟ (شمع محمدی ص ۱۴۸، ظفر المبین حصہ دوم ص ۱۶۰)

جواب:

ہمارے حنفی مذہب میں مردوں کے لیے ریشم حرام ہے۔ جونا گڑھی نے جو احادیث نقل کی ہیں احناف کا اسی پر عمل ہے۔ ہدایہ کی عبارت اگر جونا گڑھی مکمل نقل کر دیتے تو مسئلہ صاف ہو جاتا۔ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ حنفی مذہب میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

ہدایہ کی عبارت نقل کرنے میں خیانت:

جونا گڑھی نے شروع کی اور آخر کی عبارت چھوڑ دی ہے اور درمیان سے عبارت کا کچھ حصہ نقل کر دیا ہے۔ آپ پہلے ہدایہ کی مکمل عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: فصل فی اللبس یہ فصل کپڑا پہننے کے احکام کے بیان میں ہے۔

امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مردوں کے لیے ریشم پہننا حلال نہیں ہے۔ البتہ عورتوں کے لیے حلال ہے۔ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم اور دیباج کے پہننے سے منع فرمایا ہے اور یوں فرمایا کہ انہیں وہی شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ ایک دوسری حدیث کی رو سے ریشم صرف عورتوں کے لیے حلال ہے اور وہ حدیث چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جن میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ کے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے ہاتھ میں سونا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک ریشم کا تکیہ لگانے اور اس پر سونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جونا گڑھی نے امام صاحب سے لے کر کوئی حرج نہیں تک عبارت لکھی ہے۔ اس عبارت کے آگے آتا ہے۔

وَقَالَا يُكْرَهُ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ ذِكْرَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَحْدَهُ وَلَمْ يُذْكَرْ قَوْلُ اَبِيْ يُوسُفَ وَاِنَّمَا ذَكَرَهُ الْقُدُوْرِيُّ وَغَيْرُهُ مِنَ الْمَشَايِخِ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ اَجْمَعِيْنَ.

حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے۔ جامع صغیر میں صرف امام محمد کا قول مذکور ہے۔ امام ابو یوسف کے قول کا تذکرہ نہیں ہے۔ ان کا قول امام قدوری اور دیگر مشائخ نے بیان کیا ہے۔

ہم نے ہدایہ کی مکمل عبارت نقل کر دی ہے جس میں واضح طور پر مردوں پر ریشم حرام ہونے کا ذکر موجود ہے۔ باقی رہا ریشم کے تکیہ اور اس پر سونے کا مسئلہ اس میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ صاحبین تکیہ کے استعمال اور اس پر سونے کو بھی مکروہ فرما رہے ہیں اور احناف کا مذہب صاحبین والا ہے۔

ہدایہ کی مکمل عبارت ملاحظہ کرنے بعد مسئلہ واضح ہو گیا کہ حنفی مسلک حدیث کے خلاف نہیں ہے اب مزید وضاحت کی ضرورت تو نہیں مگر عوام کے لیے کچھ باتیں نقل کرتے ہیں۔

امام صاحب جو تکیہ کے جواز کے قائل تھے ان کے پاس بھی دلائل موجود ہیں مگر احناف کا مذہب بالکل منع کا ہے۔

(۱) مولانا محمد حنیف گنگوہی لکھتے ہیں حقائق میں ہے۔ فقہ حنفی کی کتاب تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق مراد ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ نے قول صاحبین کو لیا ہے اس لیے کہ راشد کا اثر مذکور صحیح بھی ہو تب بھی یہ حدیث حذیفہ سے معارض ہے کہ حضور علیہ السلام نے حریر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی صحت اعلیٰ درجہ پر ہے تو ایسی صورت میں ارشاد نبوی کے علاوہ کسی کا قول و فعل نہیں لیا جائے گا۔

(طلوع النیرین شرح اردو ھدایہ آخیرین ج۲ ص۲۸، ۲۹)

(۲) درمختار میں ہے:

یحرم لبس الحریر ولو بحائل بینه وبین بدنہ علی المذهب الصحیح.

صحیح مذہب میں ریشم کا مرد کے لیے پہننا حرام ہے۔خواہ کپڑے پر ہی کیوں نہ ہو۔

(۳)علامہ شامی فرماتے ہیں:

انه مخالف لما فی المتون الموضوعة لنقل المذهب فلا یجوز العمل والفتوٰی بہ

یہ روایت متون معتبرہ کے خلاف ہے جو کہ (امام اعظم کے) مذہب کی نقل کے لیے وضع کیے گئے ہیں تو اس پر عمل اور فتویٰ جائز نہیں۔

نواب قطب الدین محدث دہلوی حنفی (مظاہر حق شرح مشکوٰۃ ج۴ص۱۶۵ میں) اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تشریح:

سونے چاندی کے برتنوں وغیرہ میں کھانے پینے اور ریشمی کپڑے پہننے کے بارے میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ ریشمی کپڑے کا استعمال جس طرح مردوں کے لیے حرام ہے اسی طرح اس کو بچوں کو بھی پہنانا حرام ہے اور پہنانے والوں کو گناہ ہوتا ہے۔اور حضرت امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ریشمی کپڑے کو بچھونے میں استعمال کرنا اور اس پر سونا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا اس طرح اگر تکیہ کے غلاف اور پردے ریشمی کپڑے کے ہوں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

جب کہ حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد نے ان سب کو مکروہ کہا ہے۔حاصل یہ ہے کہ (حدیث میں مردوں کے لیے ریشمی کپڑے پہننے اور ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کی جو ممانعت منقول ہے اس میں پہننے کی ممانعت تو متفقہ طور پر سب کے نزدیک تحریم پر محمول ہے لیکن ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کی) ممانعت صاحبین کے نزدیک تو تحریم ہی پر محمول ہے۔جب

کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک تزیہ پر محمول ہے کیوں کہ ابھی اوپر ان کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ وہ ریشمی کپڑے کو بچھونے وغیرہ میں استعمال کرنے کے مسئلہ میں یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں میں ریشمی کپڑے کا استعمال بہرحال احتیاط وتقویٰ کے خلاف ہے۔ کیوں کہ کسی عمل کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کے کرنے میں ''کوئی مضائقہ نہیں ہے'' اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ ہونے کے شک سے بچنے کے لیے اس عمل کو نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ پرہیز گار و متقی شخص اسی کو کہتے ہیں جو اس کام کو بھی چھوڑ دے جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس خوف کے سبب کہ شاید اس میں کوئی مضائقہ ہو اور یہی معنی اس مشہور حدیث کے بھی ہیں: (دع ما يريبك الى ما يريبك) یعنی اس کام کو چھوڑ دو جس میں شک ہو اور اس کام کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔ بہرحال حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کو چونکہ ایسی کوئی دلیل قطعی حاصل نہیں ہوئی جس کی بنیاد پر ریشمی کپڑے پر بیٹھنے یا سونے کو حرام قرار دیا جا سکے اور کپڑے پہننے کی ممانعت میں جو صریح نصوص (یعنی اس کی حرمت کے واضح احکام) منقول ہیں ان کے دائرہ حکم میں ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کا مسئلہ نہیں آتا۔ کیوں کہ پہننا اور بیٹھنا دو الگ الگ چیزیں ہیں کہ پہننے کا اطلاق بیٹھنے پر نہیں ہو سکتا اس لیے انہوں نے اس حدیث میں (یعنی کپڑے پر بیٹھنے کی) ممانعت کو نہی تنزیہہ پر محمول کیا ہے۔

(۵) مولانا محمد منظور نعمانی حنفی معارف الحدیث جلد نمبر ۶ ص ۲۹۲ میں لکھتے ہیں:
مردوں کے لیے وہ کپڑا حرام و ناجائز ہے جو خالص ریشم سے بنایا گیا ہو یا اس میں ریشم غالب ہو۔

(۶) موطا امام محمد مترجم ص ۴۷۲ تا ۴۷۵ باب مَا يُكْرَهُ مِن لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ امام محمد کہتے ہیں کہ مسلمان مرد کے لیے روا نہیں کہ وہ ریشم، ریشمی کپڑا یا سونا

پہنے۔ یہ تمام چیزیں چھوٹے بڑے مردوں کے لیے ناجائز ہیں۔ عورتوں کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح حربی مشرک کو بطور تحفہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ ہتھیار یا زرہ دینا جائز نہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

(۷) مولانا حبیب اللہ مختار حنفی نے المختار شرح کتاب الآثار کے مختلف مقام پر مردوں کے لیے ریشم کا استعمال ناجائز لکھا ہے۔ دیکھئے ص ۶۰۸، ص ۶۰۹، ۶۱۰ وغیرہ۔

صفحہ ۶۱۱ پر لکھتے ہیں: بچوں کو سونا چاندی یا ریشم پہنانا مکروہ ہے اس لیے کہ جب مردوں کے لیے اس کا پہننا منع ہے تو اس کا پہنانا بھی منع ہے۔ جیسے شراب پینا پلانا دونوں حرام ہیں بچہ غیر مکلف ہے اسے پہنانے والے کو گناہ ہوگا۔

قارئین کرام! حوالے تو بہت ہیں مگر ہم یہاں پر ختم کرتے ہیں۔ امید ہے آپ کو مسئلہ سمجھ آ گیا ہوگا۔ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ امام ابوحنیفہ نے تکیہ استعمال کرنے اور بیٹھنے کے متعلق جو یہ کہا ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کی تفصیل قاضی خان کے حوالہ سے مظاہر حق میں گزر چکی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک بھی ان دونوں چیزوں کا استعمال بہتر نہیں ہے۔ آپ صرف ان کے استعمال کو قطعی حرام نہیں کہتے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ احادیث اس مسئلہ میں مختلف ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں بعض احادیث۔

مردوں کے لیے سرخ کپڑا پہننے کا حکم

حدیث:

مشکوٰۃ شریف میں حدیث موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص دو سرخ کپڑے پہنے ہوئے گزرا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ یہ حدیث صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مرد کو سرخ کپڑا پہننا جائز نہیں۔ اب آپ اس کے معارض یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث:

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کے غلام کا نام عبداللہ تھا، وہ عطاء کے لڑکے کے ماموں تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرت اسماء نے مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا، اور یہ کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ تین چیزوں کو حرام کہتے ہیں۔ کپڑوں کے نقش ونگار کو، سرخ گدوں کو اور ماہِ رجب کے تمام روزے رکھنے کو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا آپ نے جو رجب کے متعلق ذکر کیا ہے تو جو شخص دائمی روزے رکھتا ہو (وہ رجب کے روزوں کو حرام کیسے کہہ سکتا ہے) باقی رہا کپڑوں کے نقش ونگار کا مسئلہ تو بات یہ ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ریشم کو صرف وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور مجھے یہ خدشہ تھا کہ نقش ونگار بھی شاید ریشم سے بنائے جاتے ہیں۔ رہا سرخ گدا تو عبداللہ بن عمر کا گدا بھی سرخ رنگ کا ہے۔ راوی کہتے ہیں میں یہ جوابات لے کر حضرت اسماء کے پاس گیا اور ان کو وہ جوابات بتلائے۔ حضرت اسماء نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے انہوں نے ایک طیالسی کسروانی جبہ نکالا جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔ حضرت اسماء نے کہا یہ جبہ حضرت عائشہ کی وفات تک ان کے پاس تھا اور جب ان کی وفات ہوئی تو پھر میں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جبہ کو پہنتے تھے۔ ہم اس جبہ کو دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتے ہیں اور اس جبہ سے ان کے لیے شفا طلب کرتے ہیں۔

(مسلم شریف، کتاب اللباس والزینۃ، باب: تحریم استعمال)

اس حدیث سے کئی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کسروانی جبہ تھا جس کی آستینوں اور گریبان پر ریشم کے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے اس حدیث سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ کپڑے پر چار انگل ریشم کا کام بنوانا جائز ہے۔

(۲) سرخ رنگ کے گدے کا استعمال جائز ہے۔ ہمارا استدلال اصل میں اس بات سے ہے کہ پہلے جو حدیث نقل کی اس میں سرخ رنگ کے کپڑے مردوں کو پہننا درست نہیں تھے۔ مگر اس مسلم کی حدیث سے سرخ رنگ کے گدے کا استعمال کرنا جائز ثابت ہو رہا ہے۔ اسی طرح ریشم کے کپڑے حرام اور تکیہ کا استعمال مباح ہو سکتا ہے۔

(۳) اس حدیث سے بزرگوں کے تبرکات کے ثبوت بھی ہو رہا ہے۔ اور ان سے بیماروں کو شفاء بھی ہوتی ہے یہ شرک نہیں ہے۔

(۴) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی کپڑے پر اگر تھوڑی مقدار میں ریشم لگا ہو تو جائز ہے۔ شریعت میں صرف خالص ریشم کا کپڑا بنا ہوا پہننا حرام ہے۔ ہاں اگر کسی کپڑا پر ریشم لگا ہوا ور ہو بھی تھوڑی مقدار میں تو وہ کپڑا استعمال کرنا جائز ہے۔ کیوں کہ وہ بالتبع ہوا۔

حدیث:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کو ایک سفر میں ریشم پہننے کی اجازت دی کیوں کہ ان کو خارش یا کوئی اور تکلیف لاحق ہوگئی تھی۔ (مسلم، کتاب اللباس والزینۃ)

حدیث:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جوؤں کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنگ کے دنوں میں ریشم پہننے کی اجازت دے دی۔ (مسلم، کتاب اللباس والزینۃ)

حدیث:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ریشم کی ایک قباء ہدیہ میں دی گئی آپ نے اس کو پہن کر نماز پڑھی پھر کراہت کے ساتھ اس کو زور سے کھینچ کر اتارا

پھر فرمایا کہ یہ متقیوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔(مسلم، کتاب اللباس والزینۃ)

حدیث:

ابوعثمان بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہم آذربائیجان میں تھے حضرت عمر نے ہمیں لکھا اے عتبہ بن فرقد تمہارے پاس جو مال ہے۔ اس میں تمہاری کوشش کا دخل ہے نہ تمہارے باپ کی کوشش کا دخل ہے نہ تمہاری ماں کی کوشش کا دخل ہے۔ سو مسلمانوں کو ان کے گھروں پر ان چیزوں سے پیٹ بھر کر کھلاؤ جن سے تم اپنے گھر پر پیٹ بھر کر کھاتے ہو اور تم عیش و عشرت، مشرکین کے لباس اور ریشم پہننے سے بچتے رہنا۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے۔ مگر ریشم کی اتنی مقدار جائز ہے یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے اپنی دو انگلیاں درمیانی انگلی اور انگشت شہادت ملا کر بلند فرمائیں۔ زہیر نے بھی اپنی دو انگلیاں بلند کیں۔ (مسلم)

حدیث:

ابوعثمان کہتے ہیں ہم عتبہ بن فرقد کے ساتھ تھے کہ ہمارے پاس حضرت عمر ؓ کا یہ مکتوب آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ریشم کو صرف وہی شخص پہنے گا جس کو آخرت میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ البتہ ریشم کی اتنی مقدار جائز ہے۔ ابوعثمان نے اپنے انگوٹھے کے ساتھ ملی ہوئی دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا پھر جب میں نے طیالسہ کی چادر کو دیکھا تو ان انگلیوں کو طیالسی کی چادر میں دیکھا۔ (مسلم)

حدیث:

ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت عمر ؓ کا مکتوب آیا درآں حالیکہ اس وقت ہم آذربائیجان میں عتبہ بن فرقد کے پاس تھے یا شام میں تھے۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ریشم پہننے سے منع کیا ہے۔ لیکن دو انگلیوں کی مقدار کا استثناء کیا ہے، ابو

عثمان نے کہا ہم نے اس سے نقش ونگار سمجھے۔ (مسلم کتاب اللباس و الزینة)

حدیث:

حضرت سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے البتہ دو یا تین یا چار انگلیوں کا استثناء فرمایا ہے۔ (مسلم کتاب اللباس و الزینة)

ان چاروں روایات میں نقش ونگار کے لیے چار انگلیوں تک ریشم لگانے کی مرد کو اجازت مل گئی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ کو بھی لگا ہوا تھا۔ حرام اور ناجائز ہونے کے باوجود چار انگلیوں کی مقدار کپڑے پر لگا کر کپڑا استعمال کرنے کی اجازت شریعت میں موجود ہے۔

امام صاحب کے خیال میں یہ چار انگلیوں کی اجازت بھی بالتبع ہوئی ہے۔ ویسے نہیں۔ آپ کے نزدیک کسی نہ کسی صورت میں ریشم بالتبع کا استعمال کرنے کا جواز ان روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ اور تکیہ اور گدا بھی بالتبع ہی میں شامل ہے کیوں کہ انسان ریشم کو براہ راست پہن نہیں رہا۔ جب کہ اس کی تجارت جائز ہے۔ ایک دوسرے کو تحفہ اور ہدیہ دینا جائز ہے۔ مشرک کو دینا جائز ہے۔ بیماری میں بطور علاج اس کا استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ احادیث میں موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خنزیر یا شراب کی طرح حرام نہیں ہے۔ ان دلائل کی وجہ سے امام صاحب نے یہ کہہ دیا کہ اگر کوئی استعمال کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یہاں یہ یاد رہے کہ عام حالات میں امام صاحب ریشم استعمال کرنے کا حکم نہیں دے رہے۔ صرف ان دو چیزوں میں تھوڑی نرمی کی ہے۔ اور ہماری سمجھ میں تو یہ بات آتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام کے متعلق بعض روایات میں جو آتا ہے کہ انہوں نے کسی نہ کسی شکل میں ریشم کا استعمال فرمایا ہے۔ روایات کی پوزیشن کیسی بھی ہو۔ امام ابوحنیفہ نے بطور احتیاط ان شخصیات کو بچانے کی کوشش کی ہے۔ باقی آپ کے فرمان کی صحیح توجیہہ قاضی خان نے فرمادی ہے۔ جس سے تمام اشکالات ختم ہوجاتے ہیں۔

اگر پھر بھی کسی کی تسلی نہیں ہوتی اس کی مرضی ہم تو ایسے مقام پر یہ کہیں گے کہ آپ مجتہد ہیں اگر واقعتاً آپ سے کہیں غلطی ہو بھی گئی تو پھر بھی آپ کو ایک اجر تو ملتا ہی ہے۔ اسی لیے علمائے احناف نے بطور احتیاط فتوی امام محمد اور امام ابو یوسف کے قول پر ہی دیا ہے۔ باقی یہ سوچنے کی بات ہے کہ امام صاحب نے بھی صرف تکیہ اور گدے کے استعمال کے متعلق کہہ دیا کہ کوئی مضائقہ نہیں اور کسی چیز کے متعلق کیوں نہیں کہا۔ جب ہم ہدایہ کی شروحات کو دیکھتے ہیں تو ان میں ایسی احادیث موجود ہیں جن سے ان دو چیزوں کا کچھ نہ کچھ جواز نکلتا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۳۲:

سجدہ سہو کا وقت بدل دیا

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۹۲ باب السہو میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو ایک مرتبہ ظہر کی نماز پڑھائی۔ پہلی دو رکعتوں کے بعد بھول سے التحیات میں نہ بیٹھ کر سیدھے کھڑے ہو گئے لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ جب چاروں رکعتیں پوری ہو گئیں تو لوگ منتظر تھے کہ اب آپ سلام پھیریں گے کہ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُّسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ (متفق علیہ) آپ نے بیٹھے ہی بیٹھے اللہ اکبر کہا اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے سہو کے کر کے پھر سلام پھیرا۔ اس سے ایک صفحہ پہلے یہ حدیث بھی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز کی رکعتوں کے تین یا چار ہونے میں شک ہو جائے تو جس طرف زیادہ اطمینان ہو اس گنتی کو لے کر شک کو چھوڑ دے پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے سہو کے کر لے۔ یہ حدیثیں صاف ہیں کہ سجدہ سہو سلام پھیرنے کے پہلے کرے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا۔ ہدایہ جلد اول ص۱۳۶، باب سجود السہو میں ہے
یَسْجُدُ لِلسَّھْوِ فِی الزِّیَادَۃِ وَالنُّقْصَانِ سَجْدَتَیْنِ بَعْدَ السَّلَامِ ثُمَّ یَتَشَھَّدُ ثُمَّ یُسَلِّمُ یعنی سجدہ سہو سلام کے بعد کرے الخ کہو حنفی بھائیو! اب عمل حدیث پر ہوگا یا فقہ پر؟
(شمع محمدی ص۱۴۹، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص۱۲۷)

جواب:

اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں ہم پہلے وہ روایات نقل کرتے ہیں جن سے حنفی مذہب کا ماخوذ ہے بعد میں جونا گڑھی کی نقل کردہ روایت کا جواب بھی عرض کریں گے۔

حنفی مسلک کے دلائل

حدیث نمبر ۱:

عن ابن مسعود مرفوعًا واذا شك احدكم فى صلوٰته فليتحر الصواب فليتم عليه ثم يسلم ثم يسجد سجدتين. (بخاری ج۱ ص۵۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تم سے کسی کو جب اپنی نماز میں شک ہو جائے تو اسے چاہیے کہ صحیح کے لیے سوچ بچار کرے اور اس پر اپنی نماز پوری کرے پھر سلام پھیر کر دو سجدے کرے۔

حدیث نمبر ۲:

عن عبداللہ بن جعفر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من شك فى صلوٰته فليسجد سجدتين بعد ما يسلم.

(مسند احمد ج۱ ص۲۰۵، نسائی ج۱ ص۱۴۰، ابوداؤد ج۱ ص۱۴۸)

حضرت عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جسے اپنی نماز میں شک ہو جائے تو اسے چاہیے کہ سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے۔

حدیث نمبر۳:

عن ثوبان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لکل سھو سجدتان بعد ما یسلم. (ابوداؤد ج۱ ص۱۴۹)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہر سہو کے لیے دو سجدے ہیں سلام پھیرنے کے بعد۔

حدیث نمبر۴:

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلم ثم سجد سجدتی السھو وھو جالس ثم سلم. (نسائی ج۱ ص۱۴۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا، پھر بیٹھے، بیٹھے دو سجدہ سہو کیے پھر سلام پھیرا۔

حدیث نمبر۵:

عن عمران بن حصین ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی ثلاثا ثم سلم فقال الخرباق انک صلیت ثلاثا فصلی بھم الرکعۃ الباقیۃ ثم سلم ثم سجد سجدتی السھو ثم سلم. (نسائی ج۱ ص۱۴۹)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے (ایک مرتبہ بھولے سے) تین رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا، حضرت خرباق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ نے تین رکعتیں پڑھائی ہیں۔ چنانچہ آپ نے انہیں باقی (چوتھی) رکعت پڑھا کر سلام پھیرا پھر دو سجدہ سہو کیے پھر سلام پھیرا۔

حدیث نمبر٦:

عن عمران بن الحصین ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلیٰ بهم فسهیٰ فسجد سجدتین ثم تشهد ثم سلم.

(ابو داؤد ج١ ص١٤٩، ترمذی ج١ ص٩٠)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی تو آپ کو سہو ہو گیا، آپ نے دو سجدۂ سہو کیے پھر التحیات پڑھی پھر سلام پھیرا۔

حدیث نمبر٧:

عن زیاد بن علاقة قال صلی بنا المغیرة بن شعبة فنهض فی الرکعتین قلنا سبحان اللہ قال سبحان اللہ ومضیٰ فلما اتم صلوٰته وَسَلَّمَ سَجَدَ سجدتی السهو فلما انصرف قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع کما صنعت.

(ابو داؤد ج١ ص١٤٨، ترمذی ج١ ص٨٢، مسند احمد ج٤ ص٢٤٧)

حضرت زیاد بن علاقہ فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں نماز پڑھائی تو (بھولے سے) دوسری رکعت پڑھ کر کھڑے ہو گئے ہم نے سبحان اللہ کہا تو آپ نے اپنی نماز پوری کر لی اور سلام پھیرا تو دو سجدہ سہو کیے پھر نماز سے فارغ ہو کر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا جیسا کہ میں نے کیا۔

حدیث نمبر٨:

عن علقمة ان ابن مسعود سجد سجدتی السهو بعد السلام وذکر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعل ذلك. (ابن ماجة ص٨٦)

حضرت علقمہ ؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے دو سجدۂ سہو کیے سلام پھیرنے کے بعد اور ذکر کیا کہ نبی ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

حدیث نمبر۹:

عن ابی عبیدة قال قال عبداللہ بن مسعود اذا قام احدکم فی قعود او قعد فی قیام او سلم فی الرکعتین فلیتم ثم یسلم ثم یسجد سجدتین یتشهد فیها ویسلم. (المدونة الکبریٰ ج۱ ص۱۳۶)

حضرت ابوعبیدہ ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا تم میں سے کوئی جب قعدہ کی جگہ قیام کر لے یا قیام کی جگہ قعدہ کر لے یا دو رکعتوں میں سلام پھیر لے تو اسے چاہیے کہ نماز پوری کر کے سلام پھیرے پھر دو سجدۂ سہو کر کے التحیات پڑھے اور سلام پھیرے۔

حدیث نمبر۱۰:

عن عبداللہ بن عباس قال سجدتا السهو بعد السلام.

(طحاوی ج۱ ص۲۹۹)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ سجدۂ سہو سلام پھیرنے کے بعد ہیں۔

حدیث نمبر۱۱:

عن عطاء بن ابی رباح قال صلیت خلف ابن الزبیر فسلم فی الرکعتین فسبح القوم فقام فاتم الصلوٰة فلما سلم سجد سجدتین بعد السلام قال عطاء فانطلقت الی ابن عباس فذکرت له ما فعل ابن الزبیر فقال احسن واصاب. (طحاوی ج۱ ص۲۹۹)

حضرت عطاء بن ابی رباح ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ

کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے (بھولے سے) دو رکعتوں ہی میں سلام پھیر دیا، لوگوں نے سبحان اللہ کہا تو آپ کھڑے ہو گئے اور نماز پوری کی پھر آپ نے سلام پھیر کر دو سجدۂ سہو کیے، سلام کے بعد حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور ان سے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایسے کیا ہے، آپ نے فرمایا انہوں نے اچھا کیا اور درست کیا۔

حدیث نمبر ۱۲:

عن ابی عبدالرحمن بن حنظلة بن الراهب ان عمر بن الخطاب صلّٰی صلٰوته المغرب فلم يقرأ فی الركعة الاولٰی شيئًا فلما كانت الثانية قرأ فيها بفاتحة الكتاب وسورة مرتين فلما سلم سجد سجدتی السهو.

(طحاوی ج۱ ص۲۹۸)

حضرت ابو عبدالرحمٰن بن حنظلہ بن راہب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (ایک مرتبہ) مغرب کی نماز پڑھائی تو پہلی رکعت میں بالکل قرأت نہیں کی دوسری رکعت میں آپ نے سورہ فاتحہ اور دوسری سورت دو مرتبہ پڑھیں پھر آپ نے سلام پھیر کر دو سجدہ سہو کیے۔

حدیث نمبر ۱۳:

عن عمران بن حصين قال فی سجدتی السهو يسلم ثم يسجد ثم يسلم. (طحاوی ج۱ ص۲۹۹)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سجدہ سہو میں پہلے سلام پھیرے پھر سجدہ سہو کرے پھر سلام پھیرے۔

حدیث نمبر ۱۴:

عن انس انه قال فی الرجل يهم فی صلٰوته لا يدری أَزَادَ أَمْ نقص قال

يسجد سجدتين بعد ما يسلم. (طحاوى ج١ ص٢٩٩)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کے بارے میں جسے نماز میں وہم ہوتا ہے اور پتہ نہیں چلتا کہ زیادتی کی ہے یا کمی کی ہے۔ فرمایا کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد دو سجدہ سہو کرے۔

حدیث نمبر ۱۵:

عن قيس بن ابى حازم قال صلى بنا سعد بن مالك فقام فى الركعتين الاوليين فقالوا سبحان الله فقال سبحان الله فمضى فلما سلم سجد سجدتى السهو. (طحاوى ج١ ص٢٩٨)

حضرت قیس بن حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تو آپ (بھولے سے) پہلی دو رکعتوں ہی میں کھڑے ہو گئے لوگوں نے سبحان اللہ کہا تو آپ نے بھی سبحان اللہ کہا اور کھڑے ہی رہے پھر (نماز پوری کر کے) سلام پھیرا اور دو سجدہ سہو کیے۔

قارئین کرام! آپ نے حنفی مذہب کے دلائل ملاحظہ فرمائے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حنفی مذہب حدیث کے عین مطابق ہے۔ رہی وہ روایت جو مولانا جوناگڑھی نے نقل کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔

جواب:

یہ روایت منسوخ ہے۔ نواب قطب الدین محدث دہلوی فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ثابت ہوا ہے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد ہی سجدہ سہو کیا کرتے تھے لہٰذا حضرت عمر کا عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

(مظاهر حق شرح مشكوة جلد اول ص٦٧٥)

اعتراض نمبر ۱۳۳:

نماز نبی کو باطل کر دیا

(یعنی اگر کسی نے پانچ رکعتیں پڑھ لیں تو ساری نماز باطل ہو جائے گی)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوٰۃ ص ۹۲ جلد اول باب السہو میں ہے عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَّی الظُّھْرَ خَمْسًا فَقِیْلَ لَہٗ اُزِیْدَ فِی الصَّلٰوۃِ فَقَال وَمَا ذَاکَ قَالُوْا صَلَّیْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ. بخاری مسلم کی یہ حدیث ہے اس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ سہو سے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھا دی جب لوگوں سے معلوم ہوا تو آپ نے دو سجدے سہو کے کر لیے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب اس کے برخلاف فتویٰ دیتا ہے کہ وَاِنْ قَیَّدَ الْخَامِسَۃَ بِسَجْدَۃٍ بَطَلَ فَرْضُہٗ عِنْدَنَا یعنی اگر کسی نے بھولے سے پانچویں رکعت مع سجدہ ادا کر لی تو اس کی وہ ساری فرض نماز باطل ہو گئی۔ کہو بھائیو! فقہ سچی اور رسول اللہ کی نماز باطل؟ یا فقہ باطل اور رسول اللہ ﷺ کی نماز صحیح؟ مسئلہ شریعت کا یہ کہ ایسے وقت صرف دو سجدے سہو کے کر لینے حدیث کے مطابق کافی ہیں؟ یا یہ کہ فقہ کے مطابق ساری نماز نئے سرے سے پڑھے؟ جواب دیتے وقت فقہ و حدیث کا فرق سامنے رہے۔ گور و محشر سوالِ قہار و جبار بھی سامنے رہے۔ (شمع محمدی ص ۱۵۰، فتح المبین علی رد مذاهب المقلدين ص ۵۴، ۱۳۵)

جواب:

اس بات پر اجماع ہے کہ نماز میں آخری قعدہ میں بیٹھنا فرض ہے۔ اور اس پر بھی

اتفاق ہے کہ فرض کے چھوٹ جانے سے نماز نہیں ہوتی، اس لیے امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ چوتھی رکعت میں قعدہ کے لیے بیٹھے بغیر پانچویں رکعت میں کھڑے ہو جانے سے فرض نماز ادا نہیں ہو گی کیوں کہ آخری قعدہ جو کہ فرض ہے فوت ہو گیا ہے، بلکہ اس صورت میں یہ نماز نفل ہو جائے گی۔ جب یہ دونوں قاعدے مسلم ہیں تو فقہی نقطہ نظر سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ روایات میں مذکور واقعہ میں حضور اکرم ﷺ چوتھی رکعت میں قعدہ کے لیے نہیں بیٹھے تھے۔ جب روایات اس بارے میں خاموش ہیں اور بیٹھنے یا نہ بیٹھنے سے کسی کی بھی تصریح نہیں کرتیں۔ تو ایک محتمل امر کی بنا پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فقہ و درایت کے لحاظ سے مضبوط مسلک پر اعتراض کرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔

اعتراض نمبر ۱۳۴:

سجدہ سہو کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوۃ جلد اول ص ۹۲ باب السہو میں ہے عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِىْ صَلٰوتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلّٰى ثَلٰثًا اَوْ اَرْبَعًا فَلْيَطْرِحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلٰى مَا اسْتَيْقَنَ ثُمَّ الْيَسْجُدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُسَلِّمَ الخ (رواہ مسلم) یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز کی رکعتوں کی گنتی میں شک پیدا ہو جائے کہ نہ معلوم تین پڑھیں یا چار تو چاہیے کہ شک چھوڑ دے اور یقین پر بنا کرے پھر سلام سے پہلے دو سجدے کر لے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا وہ اس کے بالکل برعکس کہتا ہے وَمَنْ شَكَّ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ ثَلٰثًا صَلّٰى اَمْ اَرْبَعًا وَذٰلِكَ اَوَّلُ مَا عَرَضَ لَهٗ اسْتَاْنَفَ (هدایه ص ۱۴۰ جلد اول باب سجود السهو) یعنی جسے اول اول دفعہ اپنی نماز کی رکعتوں کی گنتی میں شک پیدا ہو جائے کہ نہ معلوم تین پڑھیں یا چار تو اسے چاہیے کہ نئے سرے سے دوسری نماز پڑھے۔ کہو میرے بھائیو! رسول اللہ ﷺ کی بات شریعت یا جو آپ کے خلاف کہے اس کی بات شریعت؟ وہ تو کر گئے جو کر گئے اب تم بتاؤ کیا کرو گے؟ (شمع محمدی ص ۱۵۰)

جواب:

مولانا جوناگڑھی نے احناف کا مسلک بھی پورا نقل نہیں کیا ہدایہ کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں بھی خیانت کی ہے۔ اللہ ان کو معاف فرمائے۔

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا صحیح مسلک ملاحظہ فرمائیں:

نواب قطب الدین محدث دہلوی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک کا ماحصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو نماز میں شک ہو جائے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اگر اس شخص کی عادت شک کرنے کی نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ پھر نئے سرے سے نماز پڑھے اور اگر اس کو شک ہونے کی عادت ہو تو اپنے غالب گمان پر عمل کرلے جتنی رکعتیں اس کو غالب گمان سے یاد پڑیں تو اسی قدر رکعتیں سمجھے کہ پڑھ چکا ہے اور اگر غالب گمان کسی طرف نہ ہو تو کمتر عدد کو اختیار کرے مثلاً کسی کو ظہر کی نماز میں شک ہوا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور غالب گمان کسی طرف نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ تین رکعتیں شمار کرے، ایک رکعت اور پڑھ کر نماز پوری کرلے پھر سجدہ سہو کرلے۔

اتنی بات سمجھ لیجیے کہ غالب گمان پر عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں غالب گمان کو اختیار کرنے کی اصل موجود ہے۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ نماز پڑھنا چاہے جہاں اسے قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو سکے تو اس کے لیے حکم ہے کہ وہ جس سمت کے بارے میں

غالب گمان رکھے کہ ادھر قبلہ ہے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے اس کی نماز ہو جائے گی۔

غالب گمان کو اختیار کرنے کے سلسلہ میں احادیث بھی مروی ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ صحیح رائے قائم کر کے (یعنی کسی ایک پہلو پر غالب گمان کر کے) نماز پوری کر لے اس حدیث کو شمنی نے بھی شرح نقایہ میں نقل کیا ہے۔ نیز جامع الاصول میں بھی نسائی سے ایک حدیث تحری (غالب گمان) پر عمل کرنے کے صحیح ہونے کے بارے میں منقول ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب موطا میں تحری کی افادیت کے سلسلہ میں یہ کہتے ہوئے کہ تحری کے سلسلہ میں بہت آثار وارد ہیں بڑی اچھی بات یہ کہی ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے یعنی تحری کو قابل قبول نہ قرار دیا جائے تو شک اور سہو سے نجات ملنی بڑی مشکل ہو جائے گی اور شک وشبہ کی صورت میں اعادہ بڑی پریشانیوں کا باعث بن جائے گا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر مسئلہ مذکور کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس موقع پر حاصل کلام یہ ہے کہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں تین احادیث منقول ہیں۔ پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں جب بھی کسی کو شک واقع ہو جائے تو وہ نماز کو از سر نو پڑھے۔ دوسری حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ جب کسی کو نماز میں شک واقع ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ صحیح بات کو حاصل کرنے کے لیے تحری کرے یعنی غالب گمان پر عمل کرے۔ تیسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب نماز میں شک واقع ہو تو یقین پر عمل کرنا چاہیے یعنی جس پہلو پر یقین ہو اسی پر عمل کیا جائے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان تینوں حدیثوں کو اپنے مسلک میں جمع کر دیا ہے اس طرح کہ انہوں نے پہلی حدیث کو تو پہلی مرتبہ شک واقع ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے۔ دوسری حدیث کو کسی ایک پہلو غالب گمان ہونے کی صورت پر محمول کیا ہے اور تیسری حدیث کو کسی بھی پہلو پر غالب گمان نہ ہونے کی

صورت پر محمول کیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ یہ حضرت امام اعظم کے مسلک کی کمال جامعیت اور انتہائی محقق ہونے کی دلیل ہے۔ (مظاہر حق شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۶۷۱، ۶۷۲)

قارئین کرام! ہم نے مسئلہ کو واضح کرنے کے لیے مظاہر حق سے کافی لمبی عبارت نقل کر دی ہے۔ اب زیادہ ضرورت نہیں کہ ہم کچھ مزید عرض کریں مگر ہمیں واسطہ ایسے لوگوں سے پڑا ہے جو ضدی قسم کے ہیں۔ اس لیے ہم ایسی تینوں قسم کی روایات کا بحوالہ ذکر بھی کر دیتے ہیں۔ جن کا ذکر شیخ عبدالحق نے فرمایا ہے۔ اور وہ تینوں قسم کی روایات ہدایہ میں بھی موجود ہیں۔

پہلی قسم کی حدیث:

اگر کسی شخص کو پہلی بار اپنی نماز میں شک ہوا ہو تو ایسا شخص نماز از سر نو پڑھے۔ ہدایہ کی جو عبارت نقل کی ہے اس کے آگے صاحب ہدایہ نے حدیث سے اس مسئلہ کی دلیل بھی نقل کی تھی جو مولانا نے نقل نہیں کی اگر نقل کر دیتے تو اعتراض خود ہی ختم ہو جاتا۔ ہم یہاں پر ہدایہ کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں۔ جس سے مولانا جونا گڑھی کی خیانت کا علم بھی ہو جائے گا۔ اور حدیث کا پتہ بھی چل جائے گا۔ ہدایہ کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

وَمَنْ شَكَّ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ ثَلٰثًا صَلّٰى؟ اَمْ اَرْبَعًا وَذٰلِكَ اَوَّلُ مَا عَرَضَ لَهٗ اسْتَاْنَفَ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ اَنَّهٗ كَمْ صَلّٰى فَلْيَسْتَقْبِلِ الصَّلَاةَ.

اور جس شخص کو اپنی نماز میں شک ہو گیا چنانچہ اسے یہ نہیں معلوم کہ اس نے تین رکعات پڑھی یا چار اور یہ شک اسے پہلی مرتبہ عارض ہوا ہے تو وہ شخص از سر نو نماز پڑھے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کو اس کی نماز میں شک ہو جائے کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں تو وہ از سر نو نماز پڑھے۔ **(ھدایہ باب سجود السھو)**

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ علامہ زیلعی حنفی نے نصب الرایہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے درایہ میں اور ہدایہ کی دیگر شروحات میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری نے العرف الشذی شرح ترمذی ج ۲ ص ۳۴۰ میں بھی نقل کیا ہے۔

اس حدیث کے علاوہ بھی متعدد روایات سے یہ مفہوم نکلتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

حدیث:

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اس قسم کی روایت نقل کی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابن عمر فی الذی لا یدری ثلاثا صلی اور اربعا قال یعید حتی یحفظ.

(مصنف ابن ابی شیبة ص۲۸ ج۲، باب من قال اذا شك فلم یدر کم صلی اعاد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں جو شخص یہ نہ جانے کہ تین پڑھیں یا چار وہ اعادہ کرے یہاں تک کہ ٹھیک یاد ہو۔

حدیث:

عن ابن سیرین عن ابن عمر قال اما انا فاذا لم ادر کم صلیت فانی اعید.

(مصنف ابن ابی شیبة ص۲۷، ۲۸ ج۲ باب: من قال اذا شك فلم یدر کم صلی اعاد)

ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب میں شک کرتا ہوں کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھی تو اعادہ کرلیتا ہوں۔

ابن ابی شیبہ نے سعید بن جبیر، ابن الحنفیہ اور قاضی شریح سے بھی یہی روایت کیا ہے۔
(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ باب: من قال اذا شك فلم یدر کم صلی ا۔)

علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس، اور عبداللہ بن عمرو بن العاص سے بھی یہی مروی ہے۔ امام شعبی اور امام طاؤس سے بھی یہ ہی منقول ہے۔

ان دلائل سے اتنی بات تو ثابت ہوگئی کہ امام صاحب کے حوالہ سے صاحب ہدایہ نے جو بات ذکر کی اس کی کچھ نہ کچھ اصل روایات میں موجود ہے۔ اور امام صاحب کو بھی زندگی میں صرف پہلی بار شک ہوا ہو اس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ہر شک والے کا یہ حکم نہیں ہے۔ دوسری بات احناف کے ہاں اس طرح کرنا یعنی از سر نو نماز پڑھنا کوئی ضروری نہیں نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت صرف جواز کی حد تک ہے اور وہ بھی اس مسئلہ میں واردان احادیث وآثار مذکورہ کی وجہ سے۔

امام ترمذی نے بھی یہ بات نقل کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: اور کہا بعض علماء نے جب شک کرے نماز میں تو پھر دوبارہ پڑھے۔ (ترمذی باب: فیمن یشك فی الزیادۃ والنقصان) امام شوکانی نے بھی نیل الاوطار میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔

دوسری قسم کی حدیث:

صاحب ہدایہ اس عبارت کے آگے لکھتے ہیں (ترجمہ ملاحظہ فرمائیں)

اور اگر مصلی کو زیادہ شک پیش آتا ہو تو وہ اپنی اکبر رائے کے مطابق بنا کرے اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جس شخص کو اس کی نماز میں شک ہو جائے وہ درستگی کی تحری کرے۔ (یعنی غالب گمان کرے پھر جس طرف اس کا غالب گمان ہو اس پر عمل کرے)

یہ اس مسئلے کا دوسرا جزء ہوا اور صاحب ہدایہ نے اس کی دلیل بھی ساتھ نقل کر دی ہے۔ وہ مکمل حدیث اس طرح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی ابراہیم نے کہا مجھے پتا نہیں اس نماز میں آپ ﷺ نے کچھ زیادتی کی یا کمی کی۔ پس جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ کیا نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے آپ نے پوچھا

اس کا کیا مطلب ہے۔ صحابہ نے کہا آپ نے اس طرح اور اس طرح نماز پڑھی ہے آپ نے اپنے پیر موڑے اور قبلہ کی طرف منہ کیا اور دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا۔ پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا اگر نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوتا تو میں تمہیں اس کی خبر دیتا لیکن میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں میں اس طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو پس جب میں بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلایا کرو اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو اسے غور کر کے صحیح بات معلوم کرنی چاہیے (وَاِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَتَحَرَّى الصَّوَابَ) پھر اپنی نماز پوری کرنی چاہیے پھر سلام پھیر کر دو سجدے کرنے چاہییں۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب: التوجه نحو القبلة حيث كان حديث نمبر ۴۰۱)

بخاری میں اس باب کے علاوہ بھی چار اور مقامات پر یہ حدیث امام بخاری نے نقل کی ہے۔ یہ حدیث مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن الکبری بیہقی، المنتقیٰ، ابن جارود، صحیح ابن خزیمہ، دارقطنی، مسند احمد، جامع المسانید ابن جوزی وغیرہ میں موجود ہے۔ اس حدیث سے احناف کا مذہب تحری کرنا ثابت ہوتا ہے۔

اس حدیث کے علاوہ بھی تحری کرنے کی احادیث مروی ہیں۔ بعض کا ذکر مظاہر حق کی عبارت میں گزر چکا ہے۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ امام قدوری فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب یعنی امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کا قول ہے کہ شک کرنے والا تحری کرے اور اس میں کوئی تفصیل نہیں فرمائی اور یہی اصول کی روایت ہے۔ (عینی شرح ہدایہ)

تیسری قسم کی حدیث:

اس مسئلہ کا تیسرا جزیہ ہے کہ جس پر یقین ہو اس پر عمل کرے یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب اس کی تحری کسی بات پر نہ جمے یعنی غلبہ ظن حاصل نہ ہو تو کیا کرے اس کے متعلق صاحب ہدایہ آگے فرماتے ہیں:

اور اگر اس کی کوئی رائے نہ ہو تو یقین پر بناء کرے اس لیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جسے اپنی نماز میں شک ہو گیا اور وہ یہ نہیں جانتا کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہے یا چار تو وہ شخص اقل پر بنا کرے۔

یہ حدیث ترمذی کتاب الصلاۃ باب فیمن شک فی الزیادۃ والنقصان میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے اس طرح مروی ہے۔

پہلی حدیث:

روایت ہے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا سنا میں نے نبی ﷺ سے فرماتے تھے جب بھول جاوے کوئی شخص نماز میں اور نہ جانے کہ دو پڑھیں یا ایک یعنی رکعتیں تو ایک قرار دے اور اگر نہ جانے کہ دو پڑھیں یا تین تو دو قرار دے اور اگر نہ جانے کہ تین پڑھیں یا چار تو تین قرار دے اور جو باقی ہو سو پڑھ کر آخر میں دو سجدے کرے قبل سلام کے۔

دوسری حدیث:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو نماز میں شک ہو جائے اور پتہ نہ چلے کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہے یا چار تو شک کو ساقط کر دے اور جتنی رکعات کا یقین ہو اس کے مطابق نماز پڑھے اور سلام سے پہلے دو سجدے کر لے اور اگر اس نے (واقع میں) پانچ رکعات پڑھی ہیں تو ان دو سجدوں کے ساتھ چھ رکعات ہو جائیں گی اور اگر چار رکعابت پڑھی ہیں تو یہ دو سجدے شیطان کی ذلت کا سبب ہو جائیں گے۔ **(مسلم باب السھو فی الصلوۃ والسجود)**

ہم نے تینوں قسم کی احادیث نقل کر دی ہیں اس لیے کہ کسی کے خیال میں آئے کہ شیخ عبدالحق نے یہ کہا ہے مگر نقل نہیں کیں۔ ویسے ہمیں تو اول قسم کی ضرورت تھی کیوں کہ مولانا جونا گڑھی کو صرف اسی پر اعتراض تھا۔ رہی وہ روایت جو جونا گڑھی نے نقل کی ہے ہم اس

کے مخالف نہیں ہم اس کا وہ مفہوم لیتے ہیں جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی نے بیان کیا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۳۵:

فطرے کا مسئلہ

(یعنی فطرے کے لیے صاحب نصاب ہونا شرط ہے)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۱۶۱ باب صدقۃ الفطر میں ہے وَاَمَّا فَقِيْرُ كُمْ فَيَرُدُّ عَلَيْهِ اَكْثَرَ مِمَّآ اَعْطَاهُ رواہ ابو داؤد یعنی صدقۃ الفطر مسکین فقیر بھی ادا کریں اللہ تعالیٰ انہیں اوروں سے اس سے بھی زیادہ دلوا دے گا۔ معلوم ہوا کہ فطرہ ادا کرنے کے لیے مالداری شرط نہیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا ان کی فقہ کی کتاب ہدایہ ص ۱۸۸ جلد اول باب صدقۃ الفطر میں ہے اِذَا كَانَ مَالِكًا لِمِقْدَارِ النِّصَابِ یعنی فطرہ اس وقت واجب ہوگا جب زکوٰۃ کے واجب ہونے کے برابر کا وہ مالک ہو۔ کہو حنفی بھائیو! پیغمبر کی مانو گے یا فقہ کی؟

(شمع محمدی ص ۱۵۱، ظفر المبین حصہ دوم ص ۸۶)

جواب:

عید فطر کے دن جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کو صدقۃ الفطر اور زکوٰۃ الفطر کہتے ہیں۔ چونکہ پورے رمضان روزے رکھ کر وہ افطار کا دن ہوتا ہے اس لیے اس کو صدقۃ الفطر کہتے ہیں۔ نیز قرآن کریم میں صدقۃ الفطر پر زکوٰۃ کا اطلاق کیا گیا ہے مثلاً قرآن میں آتا ہے۔ قَدْ

اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ترجمہ بے شک اس نے فلاح پالی جو پاک ہو گیا اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتا رہا۔ (پ۳۰، سورۃ الاعلیٰ:۱۴،۱۵)

ان دو آیتوں میں بہت سے مفسرین کے قول کے مطابق صلوٰۃ سے مراد صلوٰۃ عید ہے اور تزکی سے مراد صدقۃ الفطر کی ادائیگی ہے۔ (دیکھئے تفسیر روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۲۶ جزء عم سورۃ الاعلیٰ آیت نمبر ۱۴،۱۵ کی تفسیر میں حضرت علی کی روایت میں ہے ''تزکی'' ای تصدق صدقه ذکر اسم ربه کبر یوم العید فصلی صلاة العید وعن جماعة من السلف ما یقتضی ظاهره)

احادیث میں جا بجا صدقۃ الفطر کو زکوٰۃ الفطر کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۱...... چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ترمذی ابواب الزکوۃ باب ما جاء فی صدقۃ الفطر میں موجود ہے۔ اس میں آتا ہے عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ کُنَّا نُخْرِجُ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ

۲...... ترمذی کے اسی باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بھی موجود ہے اس میں بھی فَرَضَ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ کے الفاظ موجود ہیں۔

۳...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی کی ایک روایت ترمذی باب ما جاء فی تقدیمها قبل الصلوۃ میں آتی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں یَاْمُرُ بِاِخْرَاجِ الزَّکٰوۃِ قَبْلَ الْغُدُوِّ لِلصَّلٰوۃِ.

۴...... سنن الکبری بیہقی باب جماع ابواب زکوٰۃ الفطر ج ۴ ص ۲۶۸ میں ایک روایت جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

عن کثیر بن عبدالله المزنی عن ابیه عن جده ان رسول الله صلی الله علیه وسلم سئل عن قوله (قد افلح من تزکی وذکر اسم ربه فصلی آیت نمبر ۱۴، ۱۵ پاره نمبر ۳۰ سورة الاعلیٰ) قال هی زکوٰة الفطر.

ان دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ صدقۃ الفطر کو زکوٰۃ الفطر کہنا اور سمجھنا قرآن وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے لہٰذا جب صدقۃ الفطر کو زکوٰۃ قرار دیا گیا تو اس کا نصاب بھی وہی ہوگا جو زکوٰۃ کا ہے۔ فقہ حنفی میں صدقۃ الفطر واجب ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں: (۱) آدمی آزاد ہو (۲) مسلمان ہو (۳) مقدار نصاب کا مالک ہو۔ شرط نمبر ۳ پر مولانا جونا گڑھی کو اعتراض ہے کہ یہ جو ہدایہ میں لکھا ہے غلط ہے فطرانہ دینے کے لیے غنی کا ہونا ضروری نہیں، مسکین فقیر بھی ادا کریں گے۔

حنفی مسلک کے دلائل

حدیث نمبر ۱:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو جب یمن کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا: تم عنقریب اہل کتاب کی قوم کی طرف جاؤ گے سو جب تم ان کے پاس جاؤ تو پہلے ان کو یہ دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں پس اگر وہ اس دعوت میں تمہاری اطاعت کرلیں تو پھر ان کو یہ خبر دینا کہ اللہ نے ان پر ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں پس اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کرلیں تو پھر ان کو یہ خبر دینا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔(تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِهِمْ) جو ان کے مال دار لوگوں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء کی طرف لوٹا دی جائے گی۔ پس اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کرلیں تو تم ان کے اموال میں سے عمدہ چیزوں سے اجتناب کرنا اور مظلوم کی دعا سے ڈرنا کیوں کہ مظلوم کی دعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔

(بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب: اخذ الصدقة من الاغنیاء و ترد فی الفقراء حیث ماکانوا ص ۲۰۳ ج ۱)

حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ صدقہ مال داروں سے لیا جائے گا۔ اور مال دار اس کو کہتے ہیں کہ حاجت اصلیہ سے مقدار نصاب مال زیادہ ہو۔

حدیث نمبر۲:

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا صَدَقَۃَ اِلَّا عَنْ ظَھْرِ غِنًی.

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ عمدہ صدقہ وہی ہے جس کے بعد آدمی مال دار ہی رہے۔ (یعنی فقیر نہ ہو جائے)

(بخاری کتاب الوصایا، باب: تاویل قول اللہ تعالٰی من بعد وصیة توصون بھا او دین. تعلیقًا)

امام بخاری نے کتاب الزکوۃ میں ایک مستقل باب بھی اس نام سے باندھا ہے۔

باب لا صدقة الا عن ظهر غنی

باب صدقہ وہی بہتر ہے جس کے بعد آدمی کے مال دار رہنے میں بظاہر کوئی فرق نہ آئے۔

اس باب میں آگے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اور جو خیرات کر کے خود محتاج وفقیر ہو جائے یا اس کے گھر والے یا خود مقروض ہے تو قرض اتارنا خیرات دینے سے بہتر ہے۔

حدیث نمبر۳:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا بہترین خیرات وہی ہے جس کے دینے کے بعد بھی آدمی مال دار رہے اور پہلے انہیں خیرات دے جو تیری نگہبانی میں ہیں۔ **(بخاری، کتاب الزکوٰة، باب: لا صدقة الا عن ظهر غنی)**

حدیث نمبر۴:

حکیم بن حزام کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اوپر والا (دینے والا) ہاتھ

نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔ اور پہلے اپنے اہل وعیال، اعزہ واقرباء کو خیرات دے اور بہترین خیرات وہی ہے جسے دے کر بھی آدمی مال دار رہے اور جو کوئی سوال کرنے سے بچنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بچائے گا۔ جو غناء کی دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے غنی رکھے گا۔

(بخاری کتاب الزکٰوۃ باب: لا صدقة الا عن ظهر غنی)

حدیث نمبر۵:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اصل صدقہ تو دل کے غناء کے ساتھ ہوتا ہے اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے اور تم صدقہ وخیرات میں ان لوگوں سے ابتدا کرو جو تمہاری ذمہ داری میں آتے ہیں۔ **(مسند احمد ۷۱۵۵)**

ہم نے حنفی مسلک کے دلائل نقل کر دیئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ غنی پر یعنی صاحب نصاب پر صدقہ الفطر واجب ہے مسکین وفقیر پر نہیں۔ رہی وہ روایت جو مولانا جونا گڑھی نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر۱:

یہ حدیث قابل حجت نہیں کیوں کہ اس کی سند میں نعمان بن راشد موجود ہے جو سخت قسم کا ضعیف ہے۔ اس کے متعلق امام بخاری نے فرمایا کہ یہ وہمی ہے امام احمد نے فرمایا کہ یہ مضطرب الحدیث ہے۔ امام نسائی اس کو ضعیف اور کثیر الغلط کہتے ہیں۔ **(تھذیب)**

جواب نمبر۲:

جونا گڑھی نے حدیث کے الفاظ صرف **مِمَّا اَعْطَاه** تک نقل کیے ہیں جب کہ ابوداؤد میں اس کے آگے یہ الفاظ بھی موجود تھے **زَادَ سُلَيْمَانُ فِیْ حَدِيْثِهٖ غِنِی اَوْ فَقِيْرٍ** سلیمان نے اپنی روایت میں غنی اور فقیر زائد کیا۔ یعنی اصل حدیث جو تھی او انثی تک تھی اس حدیث

کے راوی سلیمان بن داؤد نے یہ الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں۔

جواب نمبر۳:

قرآن حکیم سے پتہ چلتا ہے کہ زکوٰۃ صدقات جن لوگوں کو دینی چاہیے ان میں فقرا اور مسکین شامل ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ (التوبہ:۶۰)

صدقے صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے۔

اس آیت سے ایک اصول سمجھ آتا ہے کہ زکوٰۃ لینے والوں میں فقیر اور مسکین شامل ہیں دینے والوں میں نہیں۔

جواب نمبر۴:

عقلی طور پر بھی یہ بات عجیب سی لگتی ہے کہ فقیر فطرہ دے بھی اور دوسروں کا فطرہ لے بھی۔

اعتراض نمبر ۱۳۶:

غیر مسلمان کو مسلمان کی جگہ کر دیا

(یعنی کافر غلام کی طرف سے فطرہ ادا کرنا)

صاحب شمع محمدی نقل کرتے ہیں:

اسی فطرے کی حدیثوں میں صاف یہ لفظ ہیں مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اور عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ وغیرہ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ ص۱۶۰ جلد اول باب صدقۃ الفطر اس سے ظاہر ہے کہ فطرہ مسلمان کی طرف سے ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا وہ نہایت آزادی سے اس قید کو مہمل قرار دیتے ہوئے حکم دیتا ہے کہ وَيُوَدِّي الْمُسْلِمُ الْفِطْرَ عَنْ عَبْدِهِ الْكَافِرِ کسی مسلمان کا کوئی کافر غلام ہو تو اس کی طرف سے بھی اسے فطرہ ادا کرنا ضروری ہے۔

(شمع محمدی ص ۱۵۲ ظفر المبین حصہ دوم ص ۸۷)

جواب:

جونا گڑھی نے جن دو حدیثوں کا حوالہ دیا ہے ان میں سے من المسلمین کے الفاظ حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت کے ہیں۔ جو مشکوٰۃ باب صدقۃ الفطر الفصل الاول کی پہلی حدیث ہے۔ مگر اس میں یہ خاص بات کہیں نہیں کہ مسلمان آقا اپنے کافر غلام کی طرف سے صدقۃ الفطر نہ دے۔

دوسری روایت حضرت عمرو بن شعیب سے مروی ہے۔ اسی باب کی فصل الثالث کی پہلی حدیث ہے جس میں آتا ہے۔ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اس روایت میں بھی یہ خاص مسئلہ نہیں ہے کہ آزاد آقا اپنے کافر غلام کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا نہ کرے۔ جس سے ثابت ہوا کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف نہیں ہے۔ حنفی مسلک میں اس مسئلے کی بنیاد کیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

حنفی مسلک کے دلائل

(۱)......امام بخاری نے ج ۱ ص ۲۰۵ کتاب الزکوٰۃ میں ایک باب قائم کیا ہے۔

باب: صَدَقَةُ الْفِطْرِ عَلَى الْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ

باب: آزاد اور غلام پر صدقہ فطر واجب ہونا

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ غلام اور باندیاں تو کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے ان پر صدقہ فطر کیسے واجب کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا مالک ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا

کرے گا۔

(۲)...... مسلم شریف ج ۱ ص ۳۱۶ کتاب الزکوٰۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

قال ليس فِي العَبْدِ صَدَقَةٌ اِلَّا صَدَقَةُ الْفِطْرِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام پر زکوٰۃ (ادا کرنا واجب) نہیں ہے۔ مگر صدقہ فطر (ادا کرنا واجب) ہے۔ اس حدیث میں بھی مسلمان کی قید موجود نہیں۔

(۳)...... جعفر بن محمد (یعنی امام جعفر صادق بن امام محمد باقر) اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے اور بڑے اور آزاد اور غلام غرض ہر اس شخص سے جو تمہاری عیال داری میں ہوں صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم کیا ہے۔

(تلخيص الحبير، مسند امام شافعي مترجم جلد۲ ص۴۰۷)

احناف کے نزدیک ہر قسم کی مملوک کی طرف سے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر صدقہ فطر ادا کرنا مالک کے ذمے ضروری ہے جس پر وہ روایات دال ہیں جن میں من المسلمین کا لفظ نہیں۔

(۴)...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ فطر ہر چھوٹے اور بڑے مذکر اور مونث یہودی اور عیسائی (غلام) آزاد اور غلام کی طرف سے ادا کیا جائے گا جو گندم کا نصف صاع ہو گا یا کھجور کا ایک صاع ہو گا یا جو کا ایک صاع ہو گا۔

(سنن دار قطنی مترجم جلد۵ ص۳۵٤ کتاب زکوة الفطر)

اگرچہ اس حدیث کے ایک راوی سلام طویل پر کچھ جرح بھی موجود ہے۔ مگر اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ کافر غلام کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا چاہیے۔

(۵)...... مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۹۹ میں ایک حدیث ہے جس میں آتا ہے۔

ما قالوا في العبد النصراني يعطي عنه اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودی ہو یا نصرانی ہو اس مملوک کا صدقۃ الفطر واجب ہے۔

(۶)...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کو فرض کیا ایک صاع جو سے یا ایک صاع کھجور سے چھوٹے اور بڑے پر اور آزاد اور غلام پر۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ، باب: صدقة الفطر علی الصغیر والکبیر ج۱ ص۲۰۵)

اس حدیث میں والمملوک مطلق ہے یعنی کافر اور مسلمان دونوں قسم کے غلاموں پر صدقۃ الفطر واجب ہے۔

رہی وہ روایت جو جوناگڑھی نے نقل کی ہے اس کے جواب کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہی۔ جوناگڑھی کا استدلال مسلمین کے لفظ سے ہے۔ مگر ایسی بہت سی روایات بھی مروی ہیں جن میں مسلمین وغیرہ کے الفاظ نہیں ہیں۔ جب احناف کے پاس دلائل موجود ہیں تو پھر یہ کہنا کہ احناف کا مذہب حدیث کے خلاف ہے غلط ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھئے: درس ترمذی ج۲ ص۵۰۴ تا ۵۰۶)

اعتراض نمبر ۱۳۷ تا ۱۴۳:

فطرے کے مسائل میں قلابازیاں

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

حدیث میں موجود ہے کہ فطرہ غلام پر بھی ہے لفظ ہیں **عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ** بخاری مسلم کی حدیث ہے مشکوٰۃ کے باب صدقۃ الفطر ص۱۶۰ پر موجود ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا ہدایہ میں ہے ولا یُخرِجُ عَنْ مَکَاتِبِہٖ ...... وَلَا الْمُکَاتَبُ عَنْ نَفْسِہٖ ...... وَلَا یَخْرُجُ عَنْ مَمَالِیْکِہٖ لِلتِّجَارَۃِ...... وَالْعَبْدُ بَیْنَ شَرِیْکَیْنِ ...... وَکَذَا الْعَبْدُ بَیْنَ اثْنَیْنِ

بلکہ ہدایہ کے اسی ص ۱۸۹ باب صدقۃ الفطر میں تو یہاں تک ہے کہ وَلَا یُؤَدِّیْ عَنْ زَوْجَتِہٖ یعنی جس غلام نے تحریر آزادی لکھوالی ہے اس کی طرف سے فطرہ نہ ادا کرے۔ خود ایسا غلام بھی اپنا فطرہ آپ بھی نہ دے۔ تجارت کے طور پر جو غلام ہوں ان پر بھی فطرہ نہیں۔ شریکوں کے درمیان جو غلام ہو اس کا فطرہ بھی نہ دیں۔ دو شخصوں کے درمیان جو غلام ہوں ان کا صدقہ فطر بھی نہ ادا کیا جائے۔

برادران! دونوں چیزیں آپ کے سامنے کر دینا اتنا کام تو میرا تھا۔ آگے کسے ماننا کسے نہ ماننا یہ آپ خود فیصلہ کرلیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ مسلمان ہونے کی قید حدیث میں تھی تو فقہ نے اسے اڑا دی، غلام جب مسلمان ہو تو عام طور پر اس کی طرف سے فطرے کی ادائیگی کا حکم تھا تو فقہ نے اس کی کئی کئی صورتیں مختلف بنا کے ان کو فطرے کے حکم سے الگ کر دیا۔ بلکہ یہ بھی تحریر فرما دیا کہ بیوی کی طرف سے بھی اس کے میاں کے ذمے فطرے کا ادا کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی لکھ دیا ہے وَلَا عَنْ اَوْلَادِہٖ الْکِبَارِ وَاِنْ کَانُوْا فِیْ عِیَالِہٖ یعنی بڑی اولاد گو اسی کی عیال داری اور پرورش میں ہو ان کی طرف سے بھی اس پر فطرے کا ادا کرنا ضروری نہیں۔ اب آپ سمجھ لیجیے۔ حدیث مانیے یا فقہ؟ آپ کو اختیار ہے۔

(شمع محمدی ص ۱۵۲، ظفر المبین حصہ دوم ص ۸۲، ۲۸۶)

جواب:

ان سات مسائل مسئلہ نمبر ۱۳۷ تا ۱۴۳ میں بھی جونا گڑھی نے وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو ان کی پرانی عادت ہے۔ اپنی دلیل چاہے جیسی بھی ہو وہ ذکر کر دینی اور حنفی مذہب کے دلائل کا ذکر نہ کرنا۔ یہاں پر بھی انہوں نے یہ ہی کیا ہے۔ ہم یہاں پر ان تمام مسائل کے

دلائل نقل کرتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوگا کہ حنفی مذہب قرآن وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیمات کے مطابق ہے خلاف نہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۳۷ (مکاتب غلام کے فطرے کا مسئلہ) (یعنی ایسا غلام جس نے تحریری آزادی لکھوائی ہے اس کی طرف سے آقا فطرہ نہ ادا کرے)

اس سے پہلے مسئلہ نمبر ۱۳۶ میں گزرا کہ آقا اپنے غلام کا فطرہ دے گا۔ چاہے وہ غلام مسلمان ہو اور چاہے وہ کافر ہو۔ مولانا جونا گڑھی کہتے ہیں کہ مسلمان کا تو دینا چاہیے کافر کا نہیں دینا چاہیے۔ اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ فقہ حنفی میں آقا کے اوپر اپنے غلام کا فطرانہ دینا ضروری ہے۔ اب یہاں پر مسئلہ کا فرق آ گیا ہے غلام کی قسم بدل گئی ہے۔ اور اصول میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ علت بدلی مسئلہ بدلہ۔ اس لیے فقہ حنفی ہر موقعہ پر قرآن وسنت کے حکم کو سامنے رکھتی ہے اپنی مرضی نہیں کرتی۔

حنفی مسلک کے دلائل

صاحب ہدایہ نے اس عبارت کے آگے اس مسئلہ کی دلیل بھی ذکر فرمائی تھی۔ وہ یہ ہے کہ **لعدم الولایة** اس لیے کہ اس پر آقا کی ولایت نہیں ہے۔ جب مولیٰ مکاتب غلام کی کفالت ہی نہیں کرتا۔ اس لیے آقا پر مکاتب کا صدقۃ الفطر ادا کرنا واجب نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہی نظریہ ہے ملاحظہ فرمائیں:

(۱)عن ابن عمر انه كان يودى زكوة الفطر عن كل مملوك له فى ارضه وغير ارضه وعن كل انسان يعوله من صغير او كبير وعن رقيق امرأته وكان له مكاتب بالمدينة مكان لا يودى عنه.

(سنن الكبرىٰ بيهقى باب: من قال لا يودى عن مكاتبه ج٤ ص٢٧٢)

(۲) امام بخاری کے استاد امام ابن ابی شیبہ نے اپنی حدیث کی مشہور کتاب مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۰۰ باب ما قالوا فی المکاتب یعطی عنه میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے

نقل کیا ہے۔

کان لابن عمر مکاتبان فلا یعطی عنهما الزکوٰة یوم الفطر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مکاتب غلام تھے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا نہیں کرتے تھے۔ اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکاتب کا صدقۃ الفطر خود ادا نہیں کرتے تھے کیوں کہ وہ ان کی مؤنت میں نہیں تھا۔

مسئلہ نمبر ۱۳۸:

مکاتب غلام خود بھی اپنی جانب سے صدقہ فطر نہ نکالے

صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کی دلیل یہ نقل کی تھی کہ وہ خود فقیر ہے۔ لہٰذا جب وہ فقیر ہوا تو فقیر پر صدقہ فطر واجب نہیں اس لیے وہ خود بھی نہیں دے گا۔ وجہ اس کی یہ بنتی ہے کہ مکاتب پر ابھی مال کتابت کا قرض ہے اس لیے اس کے پاس مال نصاب بھی ہو تو وہ ایک اعتبار سے فقیر ہے۔ اس لیے خود مکاتب بھی صدقۃ الفطر نہ نکالے۔ اس کی دلیل حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فرمان ہے۔

ان عمر بن عبدالعزیز قال: لیس فی مال المکاتب زکوٰة

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مکاتب پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص۳۸۷ باب: فی المکاتب من قال لیس علیه زکوٰة)

اس اثر میں ہے کہ مکاتب کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے اور صدقۃ الفطر بھی زکوٰۃ کا ایک حصہ ہے اس لیے صدقۃ الفطر بھی نہیں ہوگا۔

مسئلہ نمبر ۱۳۹:

تجارت کے طور پر جو غلام ہوں ان پر بھی فطرہ نہیں

ہمارے ہاں فطرہ نہ نکالنے کی وجہ یہ ہے کہ تجارت کے مال میں مالک پر زکوٰۃ بنتی

ہے۔اور یہ غلام جو اس کے پاس ہیں یہ اس نے تجارت کی غرض سے رکھے ہوئے ہیں یہ بھی اس کا مال ہی ہیں۔اس لیے تجارت کے غلام کی قیمت میں زکوۃ ہے اس لیے اس کے لیے صدقۃ الفطر دینے کی ضرورت نہیں ورنہ دو مرتبہ اس کی زکوۃ نکالی جائے گی۔

حدیث میں دو مرتبہ زکوۃ نکالنے سے منع فرمایا گیا ہے۔جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت موجود ہے۔جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔**عن امه فاطمه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لاثناء فی الصدقة**

(مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص۴۳۱ باب: من قال لا توخذ الصدقة فی السنة الا مرة واحدة)

اس حدیث میں ہے کہ سال میں دو مرتبہ صدقہ نہ لیا جائے۔

حضرت عطاء، سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی بھی اسی کے قائل ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۴۰:

شریکوں کے درمیان جو غلام ہو اس کا فطرہ بھی نہ دیں

صاحب ہدایہ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں دو آقاؤں میں سے ہر ایک میں ولایت اور مونث میں ناقص ہونے کی وجہ سے۔

یعنی جب دونوں شریکوں میں سے کوئی بھی پورا مالک نہیں ہے اور نہ پوری پوری کفالت کر رہے ہوں اور نہ پورا ولی ہے بلکہ دونوں کی ولایت اور مؤنت آدھی آدھی ہے۔اس لیے کسی شریک پر صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا۔جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عن ابی هریرة قال لیس فی المملوك زکٰوة الا مملوك تملکه

(مصنف ابن ابی شیبة ج۲ ص۴۲۳ باب: فی المملوك یکون بین الرجلین علیه صدقة الفطر)

اس اثر میں الا مملوک تملکہ کا مطلب یہی ہے کہ تم مملوک کے مکمل مالک ہو تو زکوٰۃ (یعنی صدقۃ الفطر) واجب ہے۔ اور مکمل مالک نہیں ہو بلکہ شرکت میں مملوک ہے تو صدقہ الفطر واجب نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۴۱:

دو شخصوں کے درمیان چند غلام ہوں تو ان کا صدقۃ الفطر بھی نہ ادا کیا جائے

اس کی وجہ یہ ہے کہ تقسیم کرنے سے پہلے امام ابوحنیفہ کے نزدیک زید کا ایک غلام اور بکر کا ایک غلام نہیں ہے۔ بلکہ زید کا آدھا آدھا دونوں غلاموں میں ہے اور بکر بھی آدھا آدھا دونوں غلاموں میں ہے تو دونوں غلاموں کی ولایت اور مؤنت ناقص ہے اس لیے دونوں میں سے کسی پر بھی صدقہ واجب نہیں ہوگا۔ یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے۔ کہ پورا پورا ولایت اور مؤنت ہو تب صدقہ واجب ہوتا ہے۔

اگر غیر مقلدین کے پاس خاص اس مسئلے کی کوئی دلیل قرآن اور سنت رسول میں ہو تو ہمیں آگاہ فرمائیں۔ جونا گڑھی نے تو خاص اس مسئلہ کی دلیل ذکر نہیں کی۔

مسئلہ نمبر ۱۴۲:

بیوی کی طرف سے بھی اس کے میاں کے ذمہ فطرے کا ادا کرنا نہیں ہے

صاحب ہدایہ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس پر ولایت اور کفالت کے ناقص ہونے کی وجہ سے اس لیے حقوق مکان کے علاوہ میں اس پر ولایت نہیں اور شوہر ثابت شدہ امور کے علاوہ میں اس کی مؤنت برداشت نہیں کرتا، جیسے دوا کرنا۔

احناف ابن سیرین، سفیان ثوری، ابن [illegible]، ظاہریہ اور ایک روایت میں امام مالک کے نزدیک عورت کا صدقہ فطر خود اسی پر واجب ہے۔ [illegible] دلیل یہ ہے کہ وجوب صدقہ کا

سبب ولایت تامہ اور مؤنت تامہ دونوں مل کر ہیں اور یہ دونوں باتیں اولاد صغار اور ممالیک میں تو موجود ہیں لیکن زوجہ میں موجود نہیں۔

مولانا ثمیر الدین قاسمی ہدایہ کی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

تشریح:

بیوی کا صدقۃ الفطر شوہر پر ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیوی پر پورے طور پر ولایت نہیں ہے۔ چنانچہ نکاح کے معاملات ہیں صرف اسی معاملے میں شوہر کا بیوی پر ولایت ہے اور سر پرتی ہے۔ باقی معاملے میں وہ آزاد ہے۔ کیوں کہ وہ خود عاقلہ، بالغہ ہے اس لیے ولایت ناقص ہوئی اور کفالت اس طرح ناقص ہے کہ نان، نفقہ اور سکن وغیرہ جو شریعت سے دینا ثابت ہیں شوہر اسی کا ذمہ دار ہے ان کے علاوہ کا وہ ذمہ دار نہیں۔ چنانچہ بیوی بیمار ہو جائے تو دوا کرانا شوہر کے ذمہ نہیں ہے۔ (یعنی فرض واجب نہیں ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ کفالت بھی ناقص ہے اس لیے شوہر پر بیوی کا صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے کیوں کہ دار قطنی کتاب زکوۃ الفطر کی حدیث میں **تمونون** کا مطلب یہ ہے کہ جن کی مکمل کفالت اور ولایت ہو ان کا صدقہ ادا کرنا واجب ہے۔ یوں ادا کرے تو جائز ہے ادا ہو جائے گا۔

بیوی کا نان ونفقہ اگر چہ شوہر کے ذمہ ہوتا ہے لیکن یہ شوہر کے گھر میں اقتباس کی وجہ سے اس پر نفقہ لازم ہے۔ کفالت کی وجہ سے نہیں ہے۔ اسی لیے بیوی کی ملکیت الگ شمار کی جاتی ہے اور شوہر کی ملکیت الگ شمار کی جاتی ہے اس لیے شوہر پر بیوی کا صدقۃ الفطر لازم نہیں ہے۔ **(اثمار الهدایه ج۲ ص۵۶۲)**

مسئلہ نمبر ۱۴۳:

بڑی اولاد گو اسی کی عیال داری اور پرورش میں ہوں ان کی طرف سے بھی اس پر فطرے کا ادا کرنا ضروری نہیں

صاحب ہدایہ نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس پر ولایت نہ ہونے کی وجہ سے مولانا قمر

الدین قاسمی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

تشریح:

اس طرح بڑے لڑکے کی ملکیت باپ سے الگ ہو جاتی ہے اور وہ خود ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ باپ کی اس پر ولایت اور سرپرستی نہیں رہتی۔ چاہے کسی محتاجگی کی وجہ سے لڑکے کا نفقہ باپ پر لازم ہو اس لیے بڑے لڑکے کا صدقۃ الفطر باپ پر لازم نہیں۔ (اثمار الهدایہ)

یہ دونوں مسئلے عورت اور اولاد اور بڑے بیٹے والا (یہاں پر بڑے بیٹے سے مراد ایسا بڑا بیٹا مراد ہے جو بالغ ہو چکا ہو) ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ولو ادی عنهم او عن زوجته بغیر امرهم اجزاهم استحسانا لثبوت الاذن عادة

اور اگر اولاد کی جانب سے یا بیوی کی جانب سے بغیر ان کے حکم کے صدقہ ادا کر دیا تو استحساناً ادا ہو جائے گا۔ عادۃً اجازت کے ثابت ہونے کی وجہ سے۔

ہدایہ کی یہ عبارت جونا گڑھی نے نقل نہیں کی جس سے سارا مسئلہ ہی صاف ہو جاتا ہے۔

اس کی تشریح میں مولانا ثمیر الدین قاسمی لکھتے ہیں:

اگر چہ بیوی اور بڑی اولاد پر ولایت نہیں ہے تاہم ان کے حکم کے بغیر صدقہ ادا کر دیا تو ادا ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گھر میں عام طور پر بیوی نہیں سمجھتی ہے کہ شوہر صدقہ ادا کریں گے اور ان کی جانب سے عادۃً اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح بالغ لڑکا یا لڑکی کے ساتھ رہتے ہوں تو یہی سمجھتے ہیں کہ والد صاحب ہی ادا کر دیں گے اس لیے عادۃً اجازت کی وجہ سے صدقہ کی نیت بھی ہو گئی اور ان کی جانب سے ادا بھی ہو جائے گا۔

قارئین کرام! ہم نے فطرانے سے متعلق تقریباً سات مسائل کے جوابات دیے ہیں ۱۳۷ تا ۱۴۳ تک۔ الحمدللہ ایک مسئلہ بھی ایسا ثابت نہیں ہوا جو قرآن و سنت کے خلاف ہو۔ ہمارا یہ اعلان ہے کہ فقہ حنفی کا کوئی بھی مسئلہ جو احناف کے نزدیک مفتیٰ بہ بھی ہو اور معمول بہ

بھی ہو وہ قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح فطرانے کے تمام مسائل بھی قرآن وسنت کے مطابق ہیں۔

اعتراض نمبر۱۴۴:

صبح کی نماز کا وقت چھوڑ دیا

(یعنی فجر کی نماز روشنی میں پڑھنا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوٰۃ شریف باب المواقیت میں بحوالہ صحیح مسلم بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں وَقْتُ صَلٰوةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ یعنی فجر کی نماز کا وقت صبح صادق کے طلوع ہونے سے آفتاب کے طلوع ہونے تک ہے۔ اس کے بعد کی حدیث میں ہے کہ نماز کے وقتوں کو جو سائل پوچھنے آیا تھا۔ اس کے سامنے حضور نے پہلے دن صبح کی نماز صبح صادق کے طلوع ہوتے ہی پڑھے لفظ ہیں فَاَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ اور آخری وقت بتانے کے لیے آپ نے دوسرے دن صبح کی نماز اسفار کر کے پڑھی لفظ ہیں وَصَلَّى الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ بِهَا اس کے بعد کی حدیث میں جبریل کی امامت صبح کا وقت ان لفظوں سے بیان ہوا ہے وَصَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَى الصَّائِمِ مجھے حضرت جبرئیل نے صبح کی نماز اپنی امامت سے اس وقت پڑھائی جب روزے دار پر کھانا پینا حرام ہو گیا۔ یہ اول وقت تھا اور آخری وقت بتانے کے لیے مجھے اسفار کر کے نماز پڑھائی۔ الفاظ ہیں وَصَلَّى بِیَ الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ ص ۶۰ پر بخاری مسلم کے حوالے سے روایت ہے اس میں ہے وَالصُّبْحَ بَغَلَسٍ یعنی حضور ﷺ صبح کی نماز غلس میں پڑھتے تھے یعنی اس وقت جب کہ اندھیرا موجود ہوتا تھا۔ اسی صفحہ کے آخر میں حدیث ہے کہ کھانا پینا صبح صادق کے دیکھتے ہی بند کر دیتے تھے پھر نماز

فرض شروع کرتے تھے اس کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہوتا تھا کہ کوئی پچاس آیتیں پڑھ لے اور حدیث میں ہے حضور فرماتے ہیں سب سے افضل عمل نماز کو اول وقت پڑھنا ہے۔

(ترمذی وغیرہ)

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن ان تمام صحیح اور صریح حدیثوں کے برخلاف ان کی پرواہ نہ کر کے حنفی مذہب کہتا ہے وَيُسْتَحَبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ یعنی فجر کی نماز اسفار کر کے پڑھنا مستحب ہے۔ اسفار کرنا صبح کی نماز کا آخری وقت ہے جیسے اوپر کی حدیثوں میں ہے اور غلس میں پڑھنا فعل رسول ﷺ ہے لیکن فقہاء حنفیہ کا کتب فقہ کا فرمان اس کے بالکل برعکس ہے وہ کہتے ہیں کہ غلس میں نہ پڑھے۔ لیکن اسفار میں پڑھے یہی مستحب ہے۔ اب ہمارے حنفی بھائی بتلائیں کہ صبح کی نماز کو اول وقت غلس میں سنت کے مطابق ادا کرنا وہ پسند کریں گے۔ یا آخری وقت اسفار میں قول فقہاء پر عمل کر کے پڑھنا پسند فرمائیں گے۔

(شمع محمدی ص ۱۵۳، ظفر المبین حصہ دوم ص ۶۹)

جواب:

جونا گڑھی نے احناف کے دلائل کا ذکر نہیں کیا ہم پہلے احناف کے دلائل ذکر کریں گے بعد میں جونا گڑھی کی نقل کردہ روایت کا جواب دیں گے۔ ان شاءاللہ

دلائل احناف:

فجر کی نماز خوب روشنی میں پڑھنا افضل ہے

۱...... عن عبد الله بن مسعود قال ما رأيت النبی صلی الله علیه وسلم صلی صلاة لغیر میقاتها الا صلوتین جمع بین المغرب والعشاء (بجمع)

وصلی الفجر قبل میقاتها. (بخاری ص۲۲۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے نماز بھی بے وقت پڑھی ہو سوائے دو نمازوں یعنی مغرب اور عشاء کے کہ ان کو آپ نے (مزدلفہ میں) اکٹھا پڑھا اور فجر کو وقت سے پہلے۔

۲...... عن رافع بن خدیج قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر. (ترمذی ج۱ ص۴۰)

حضرت رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ فجر کو خوب روشنی میں پڑھو کیوں کہ اس میں بہت بڑا ثواب ہے۔

۳...... عن محمود بن لبید عن رجال من قومه من الانصار ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ما اسفرتم بالصبح فانه اعظم للاجر.

(نسائی ج۱ ص۶۵)

حضرت محمود بن لبید نے اپنی قوم کے کئی انصاریوں سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنا روشن کرو گے تم فجر کو اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔

٤...... ثنا المعتمر سمعت بیانا ابا سعید قال سمعت انسًا یقول کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی الصبح حین یفسح البصر رواه الامام ابو محمد القاسم ثابت السرقسطی فی کتاب غریب الحدیث وقال یقال فسح البصر وانفسح اذا رأی الشئ من بعد یعنی به اسفار الصبح.

(نصب الرایة ج۱ ص۲۳۹)

حضرت معتمر نے بیان کیا کہ میں نے بیان یعنی ابوسعید کو سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جس وقت کہ آنکھ دور سے کسی چیز کو دیکھ لیتی تھی۔ یہ حدیث امام ابو محمد قاسم ثابت سرقسطی

نے کتاب ''غریب الحدیث'' میں روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ فَسَحَ الْبَصَرُوْا الْفَسَحَ اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ آنکھ دور سے کسی چیز کو دیکھے اور مراد اس سے حدیث میں صبح کا اجالا ہے۔

۵..... عن رافع بن خديج يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لبلال رضى الله عنه نور بصلٰوة الصبح حتى يبصر القوم مواقع نبلهم من الاسفار.

(رواه ابن ابى حاتم وابن عدى والطيالسى واسحاق وابن ابى شيبة والطبرانى واسناده حسن. آثار السنن ص۵۸)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ صبح کی نماز کو روشنی میں پڑھو یہاں تک کہ لوگ روشنی کی وجہ سے اپنے تیراندازی کے نشانے کو دیکھنے لگیں۔

۶ ..... عن عبدالرحمن بن يزيد قال كان عبدالله بن مسعود يسفر بصلٰوة الغداة. (معجم طبرانى كبير ج۱ ص۲۵۸)

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فجر کی نماز خوب اجالا کر کے پڑھتے تھے۔

۷..... عن على بن ربيعة قال سمعت عليا رضى الله عنه يقول لموذنه اسفر اسفر يعنى بصلاة الصبح.

(مصنف عبدالرزاق ج۱ ص۵۲۹، مصنف ابن ابى شيبة ج۱ ص۳۲۱، طحاوى ج۱ ص۱۲۳)

حضرت علی بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سنا آپ اپنے مؤذن سے کہہ رہے تھے کہ خوب اجالا کر خوب اجالا کر، مراد یہ تھی کہ صبح کی نماز اجالے میں پڑھو۔

۸...... عن جبیر بن نفیر قال صلی بنا معاویة الصبح بغلس فقال ابو الدرداء اسفروا بهذه الصلٰوة فانه افقه لکم انما تریدون ان تخلوا بحوائجکم. (طحاوی ج۱ ص۱۲۶)

حضرت جبیر بن نفیر فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت معاویہ نے فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھائی۔ حضرت ابودرداء نے فرمایا اس نماز کو خوب اجالے میں پڑھو۔ کیوں کہ تمہارے لیے زیادہ سمجھداری کی بات ہے تم چاہتے ہو کہ اپنے کام کاج کے لیے فارغ ہو جاؤ۔

۹...... عن مجاهد قال کنت اقود مولای قیس بن السائب فیقول ادرکت الشمس فاذا قلت نعم صلی الظهر ویقول هکذا کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یفعل وکان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی العصر والشمس بیضاء وکان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی المغرب والصائم یتماری ان یفطر وکان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی الفجر حتی یتغشی النور السماء. (رواه الطبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد ج۱ ص۳۰۵)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے آقا قیس بن سائب کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتا تھا۔ آپ فرماتے سورج ڈھل گیا۔ میں کہتا ہاں تو آپ ظہر کی نماز پڑھتے اور فرماتے کہ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور نبی علیہ السلام عصر کی نماز ادا فرماتے تھے اس حال میں کہ سورج بالکل سفید ہوتا اور نبی علیہ السلام مغرب کی نماز ادا فرماتے تھے اس حال میں کہ روزہ دار روزہ افطار کرنے کے متعلق شک میں ہوتا (کہ ابھی افطار کرے یا نہ کرے) اور نبی علیہ السلام فجر کی نماز ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ روشنی آسمان پر چھا جاتی۔

۱۰...... عن ابراهیم قال ما اجمع اصحاب محمد علی شئ ما اجمعوا علی التنویر بالفجر.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۳۲۲، طحاوی ج۱ ص۱۲۶)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کا کسی چیز پر اتنا اتفاق رائے نہیں ہے جتنا اتفاق نماز فجر کے روشنی میں پڑھنے پر ہے۔

ان احادیث کے پیش نظر احناف یہ کہتے ہیں کہ اسفار میں فجر کی نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ احناف کا مسلک احادیث کے مطابق ہے نہ کہ مخالف۔

اعتراض نمبر ۱۴۵:

امام کے نوافل اور مقتدی کے فرض

جونا گڑھی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَاْتِيْ قَوْمَهُ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ (متفق عليه مشكوة جلد اول ص۱۰۲، باب من صلى صلوة مرتين) یعنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز عشا ادا کر کے پھر جا کر اپنی قوم کے لوگوں کی امامت کراتے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا وہ کہتا ہے وَلَا يُصَلِّيْ الْمُفْتَرِضُ خَلْفَ الْمُتَنَفِّلِ یعنی فرض نماز اس شخص کے پیچھے نہیں ہوتی جو نفل پڑھ رہا ہے پس حدیث میں تو ہے کہ حضرت معاذ حضور کے ساتھ اپنے فرض ادا کر کے پھر اپنی قوم کی امامت کراتے لیکن حنفی مذہب کہتا ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہیے۔ اب دیکھیں ہمارے زمانے کے حنفی حضرات اس حدیث کو مانتے ہیں یا اس مذہب کو؟

(شمع محمدی ص ۱۵۵، ظفر المبین حصہ دوم جدید ص ۵۲، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۴، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۳، سبیل الرسول ص ۲۵۶، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۱۱۵)

جواب:

جونا گڑھی نے جو حدیث نقل کی ہے اس میں کسی نماز کا ذکر نہ تھا مگر جونا گڑھی نے ترجمہ میں عشاء کا لفظ اپنے پاس سے بڑھا دیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت معاذ کس نیت سے پڑھتے تھے اس کا کوئی ذکر نہیں کیوں کہ نیت تو ایک باطنی امر ہے اس پر کوئی دوسرا مطلع نہیں ہو سکتا۔ جب تک نیت کرنے والا خود نہ بتائے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نفل کی نیت سے نماز پڑھتے ہوں تاکہ وہ آنحضرت ﷺ سے نماز کا طریقہ سیکھ سکیں اور آپ کے پیچھے نماز پڑھ کر برکت حاصل کر سکیں اور پھر اپنی قوم کے پاس جا کر فرض نماز پڑھاتے ہوں جب اس بات کا بھی احتمال ہے تو جونا گڑھی کا استدلال درست نہ ہوگا۔

اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ ایک صحابی رسول کے فعل کو ایسے معنی پر محمول کرنا جو متفق علیہ ہے زیادہ بہتر ہوگا ایک ایسے معنی پر محمول کرنے سے جو مختلف فیہ ہے (چنانچہ نفل نماز کی نیت کے ساتھ اس امام کے پیچھے نماز پڑھنی جو فرض نماز پڑھ رہا ہو بالاتفاق سب کے نزدیک جائز ہے لیکن نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض والے کی نماز میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ احناف مالکیہ حنابلہ اس کے قائل نہیں۔

اگر غیر مقلدین اس بات پر ہی بضد ہوں کہ وہ فرض نماز ہی پڑھ کر جاتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس عمل کا علم ہوا آپ ﷺ نے منع فرما دیا۔

جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے۔

عن مَعَاذِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ سُلَيْمٍ رَجُلٍ مِنْ بَنِيْ سَلِمَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ لَا تَكُنْ فَتَّانًا اِمَّا اَنْ تُصَلِّيَ مَعِيَ وَاِمَّا اَنْ تُخَفِّفَ عَلٰى قَوْمِكَ (مسند احمد ج٥ ص٧٤)

آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ سے فرمایا اے معاذ بن جبل یا تو تم میرے ساتھ نماز پڑھو اور یا پھر اپنی قوم کے ساتھ ہلکی نماز پڑھو۔

اس کا معنی یہی ہے کہ یا تو تم فرض نماز میرے ساتھ پڑھو اور اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ فرض نہ پڑھو، اور یا میرے ساتھ فرض نہ پڑھو تا کہ وہ تمہارا انتظار نہ کریں۔

چنانچہ امام عبدالسلام ابن تیمیہ جو اکابر حنابلہ میں سے ہیں (صاحب منتقی) کہتے ہیں۔

وَقَدِ احْتَجَّ بِهٖ بَعْضُ مَنْ مَّنَعَ اِقْتِدَآءَ الْمُفْتَرِضِ بِالْمُتَنَفِّلِ قَالَ لِاَنَّهٗ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ مَتٰى صَلّٰى مَعَهٗ اِمْتَنَعَتْ اِمَامَتُهٗ وَبِالْاِجْمَاعِ لَا تَمْتَنِعُ صَلَاةُ النَّفْلِ مَعَهٗ فَعُلِمَ اَنَّهٗ اَرَادَ بِهٰذَا الْقَوْلِ صَلَاةَ الْفَرْضِ وَاَنَّ الَّذِيْ كَانَ يُصَلِّيْ مَعَهٗ كَانَ يَنْوِيْهِ نَفْلاً (منتقی مترجم ج۱ ص۵۷۸)

جو نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز کو درست نہیں قرار دیتے، اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس حدیث میں دلالت ہے اس بات پر کہ فرض پڑھنے والے کی اقتداء نفل پڑھنے والے کے پیچھے نہیں ہوتی کیوں کہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو پھر ان کی امامت ممنوع ہوگی حصر والی تقسیم کا یہی مقتضیٰ ہے۔

اور یہ بات بالاجماع ثابت ہے، اگر وہ آپ کے پیچھے نفل کی نیت سے نماز پڑھیں تو پھر ان کی امامت ممنوع نہ ہوگی۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ معاذ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے مامور تھے کہ وہ اپنی قوم کو امامت کرائیں۔ تو ظاہر ہے وہ فرض نماز یقیناً اپنی قوم کے ہمراہ جماعت کے ساتھ ہی ادا کرتے تھے۔ (شرح نقایہ ج۱ ص۸۸)

اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذ نے یہ کام حضور اکرم ﷺ کی اجازت سے کیا ہو اور حضور اکرم نے آپ کو اجازت دی ہو کر فرض میرے پیچھے پڑھ لیا کرو۔ اور نفل کی

نیت سے اپنے مقتدیوں کو پڑھا دیا کروزیادہ سے زیادہ یہ حضرت معاذ کا عمل تھا مگر جب حضورا کرم قوم کواطلاع ملی تو آپ نے حضرت معاذ کومنع فرما دیا۔

اعتراض نمبر۱۴۶:

آدھا سجدہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوۃ شریف جلد اول ص ۷٦ باب صفۃ الصلوۃ میں حضرت ابوحمید والی حدیث میں ہے کہ یعنی سجدے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناک اور پیشانی دونوں زمین پر ٹکائی۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب کہتا ہے **فَاِنْ امصر علی احدھما جاز عند ابی حنیفۃ.**

یعنی اگر کوئی شخص صرف پیشانی ٹکائے ناک زمین سے نہ لگائے یا صرف ناک ٹکائے، پیشانی نہ لگائے تو بھی جائز ہے اب فرمائیے کیا ارادے ہیں؟ نماز محمدی ہوگی یا نماز حنفی؟ (شمع محمدی ص ۱۵۵، ظفر المبین حصہ دوم ص ۵۵)

جواب:

جونا گڑھی نے احناف کا مسلک صحیح نقل نہیں کیا۔ ہمارا صحیح مسلک ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مولانا مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

اس بات پر اتفاق ہے کہ سجدہ سات اعضاء پر ہوتا ہے، یدین، رکبتین، قدمین اور وجہ پھر وجہ میں تفصیل ہے اس پر تو اتفاق ہے کہ پیشانی اور ناک دونوں کا ٹیکنا مسنون ہے۔ (درس ترمذی جلد دوم ص ۵۱)

(۲) مولانا محمد سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں:

صحیح بات یہی ہے کہ انف وجبہۃ دونوں پرسجدہ ضروری ہے

(خزائن السنن ج ۲ ص ۱۱۳)

(۳) مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی لکھتے ہیں:

۱...... مسائل سجدہ۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جبہہ (پیشانی) اور ناک دونوں پر سجدہ کرنا فرض ہے۔ (نماز مسنون کلاں ص ۳۶۷)

۲...... مسئلہ بلا عذر صرف ناک پر سجدہ کرنے سے نماز ادا نہ ہوگی اور پیشانی پر اکتفاء مکروہ تحریمی ہے۔ (نماز مسنون ص ۳۶۷)

جب احناف کا یہ مسلک ہے تو پھر اعتراض کرنا بے کار ہے۔

اعتراض نمبر ۱۴۷:

سود کا جواز

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۱۴۴ کتاب البیوع باب الربو میں ہے عن عُبَادَةَ ابنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مَثَلاً بِمَثَلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ الخ رواہ مسلم یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ سونا سونے کے بدلے چاندی چاندی کے بدلے گیہوں گیہوں کے بدلے جو جو کے بدلے کھجور کھجور کے بدلے نمک نمک کے بدلے مقدار میں بالکل برابر اور نقد ہونا چاہیے (ادھار اور کمی بیشی سود ہے) یہ حدیث صاف ہے کہ کھجور کو کھجور کے بدلے برابر ہونا چاہیے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب یہ نہیں مانتا ہدایہ جلد ۳ کتاب البیوع باب الربوٰ میں ہے وَیَجُوْزُ...... التَّمْرَۃُ بِالتَّمْرَتَیْنِ یعنی ایک کھجور کے بدلے دو کھجوریں لینی جائز ہیں کہیے حنفی دوستو! اب آپ فقہ مان کر اس تجارت کو جائز قرار دیں گے یا حدیث مان کر اس سودی تجارت کو حرام قرار دیں گے؟ (شمع محمدی ص ۱۵۶)

جواب:

حنفی مذہب میں سود قطعی حرام ہے۔ علمائے احناف کی تمام تفاسیریں کتب احادیث کی شروحات، کتب فقہ حنفی اور تقریباً تمام فتاوجات اور اس کے علاوہ علمائے احناف نے حرمت سود پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔ اگر کوئی شخص صرف مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی کتاب مسئلہ سود پڑھ لے تو اس کی تسلی ہو جائے گی۔ اس کتاب میں ایسی تمام آیات جن تعلق مسئلہ سود سے ہے کا ترجمہ و تفسیر کو بیان کیا گیا ہے پھر حرمت سود پر مکمل چالیس احادیث ترجمہ و تشریح کے ساتھ لکھی ہیں۔ پھر ان کے بیٹے مفتی محمد تقی عثمانی نے تجارتی سود پر بہترین کتاب تالیف فرمائیں۔ مفتی تقی عثمانی نے حرمت سود پر ایک فیصلہ بھی لکھا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی کئی کتابیں مارکیٹ میں موجود ہیں جن میں سود کو حرام کہا گیا ہے۔ علمائے احناف سود کو قطعی حرام کہتے ہیں ملاحظہ فرمائیں علمائے احناف کے اقوال:

۱......علامہ شبیر احمد عثمانی سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بیع اور ربوٰ میں بڑا فرق ہے کہ بیع کو حق تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

(تفسیر عثمانی ص ۵۹)

۲......علامہ شبیر احمد عثمانی سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اول تو سود مطلقاً حرام و قبیح اور یہ صورت تو بہت ہی زیادہ شنیع و قبیح ہے۔

(تفسیر عثمانی ص ۸۶)

۳......ہدایہ شریف میں بھی سود کو حرام لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

قَالَ الرِّبَا مُحَرَّمٌ فِيْ كُلِّ مَكِيْلٍ اَوْ مَوْزُوْنٍ اِذَا بِيْعَ بِجِنْسِهٖ مُتَفَاضِلاً فَالْعِلَّةُ عِنْدَنَا الْكَيْلُ مَعَ الْجِنْسِ اَوِ الْوَزْنُ مَعَ الْجِنْسِ قَالَ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ وَيُقَالُ الْقَدْرُ مَعَ الْجِنْسِ وَهُوَ اَشْمَلُ وَالْاَصْلُ فِيْهِ الْحَدِيْثُ الْمَشْهُوْرُ وَهُوَ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَعَدَّ الْاَشْيَاءَ السِّتَّةَ الْحِنْطَةُ وَالشَّعِيْرُ وَالتَّمْرُ وَالْمِلْحُ وَالذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ہر اس چیز میں ربو (سود) حرام ہے جو مکیلی یا وزنی ہے بشرطیکہ اسے اس کی ہم جنس کے عوض زیادتی کے ساتھ بیچا جائے چنانچہ ہمارے یہاں ربو (سود) کی علت کیل مع الجنس یا وزن مع الجنس ہے۔ (صاحب ہدایہ فرماتے ہیں) کہ قدر مع الجنس کو بھی علت قرار دیا جاتا ہے اور یہ زیادہ شامل ہے۔

اور اس سلسلے میں اصل وہ حدیث مشہور ہے جس میں آپ ﷺ نے الحنطۃ بالحنطۃ الخ کا مضمون بیان فرمایا ہے اور آپ ﷺ نے چھ چیزیں شمار فرمائیں ہیں ① گیہوں ② جو ③ کھجور ④ نمک ⑤ سونا ⑥ چاندی۔

اور حدیث دو طرح سے مروی ہے ایک رفع کے ساتھ یعنی مثلٌ اور ایک نصب کے ساتھ یعنی مثلاً۔ اول کے معنی یہ ہیں کہ کھجور کی بیع برابر ہے اور ثانی کے معنی یہ ہیں کہ کھجور کو کھجور کے عوض برابر سرابر بیچو اور حکم باجماع مجتہدین علت کے ساتھ ہے لیکن ہمارے نزدیک علت وہ ہے جو ہم نے بیان کی۔

ہدایہ کی اس عبارت سے سود کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے اور جن چھ چیزوں کا ذکر جونا گڑھی نے کیا ہے ان ہی کا صاحب ہدایہ نے بھی کیا ہے۔

۴..... مفتی عبدالحلیم قاسمی حنفی نے ہدایہ کا ترجمہ وشرح احسن الہدایہ کے نام سے کیا ہے وہ ہدایہ کی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں۔

علت ربوٰ کے سلسلے میں معتمد اور بنیاد وہ حدیث شریف ہے جس میں آپ ﷺ نے چھ

چیزوں کو شمار فرما کر انہیں برابر برابر اور ہاتھ در ہاتھ بیچنے کو جائز قرار دیا ہے اور کمی اور زیادتی کو آپ نے ربوٰ سے تعبیر کیا ہے لہٰذا ان چھ چیزوں کی علت جہاں بھی موجود ہوگی وہاں کمی بیشی ربو ہوگی اور حرام و ناجائز ہوگی۔

کتاب میں تو حدیث پاک کا ایک ٹکڑا موجود ہے لیکن کتب حدیث میں تقریباً ۱۶ اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس مضمون کی حدیث وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ ترمذی وغیرہ میں حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ہے۔

قَالَ قَالَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذهب بالذهب مثلا بمثل والفضة بالفضة مثلا بمثل والتمر بالتمر مثلا بمثل والبر بالبر مثلا بمثل والملح بالملح مثلا بمثل والشعير بالشعير مثلا بمثل فمن زاد او استزاد فقد اربٰی وبيعوا البر بالشعير كيف شئتم يدا بيد. (احسن الهداية جلد ۸ ص۳۰۴)

۵......مظاہر حق شرح مشکوٰۃ جو حنفیوں کی مشہور اردو شرح ہے اس میں بڑی تفصیل سے سود کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ جو حدیث تعارض کے طور پر جونا گڑھی نے نقل کی ہے اس کی شرح میں سود کی حرمت پر بحث موجود ہے۔ (دیکھئے جلد نمبر ۳ ص ۶۸ تا ۷۰)

ان حوالہ جات سے واضح ہوتا ہے کہ حنفی اس حدیث کو مانتے ہیں جونا گڑھی کا یہ کہنا کہ حنفی مذہب اس حدیث کے خلاف ہے بالکل جھوٹ ہے۔

اب اس عبارت کا جواب ملاحظہ فرمائیں جو جونا گڑھی نے پیش کی ہے۔ ہدایہ کی مکمل عبارت اس طرح ہے۔

اور جائز ہے ایک انڈے کی بیع دو انڈوں کے عوض اور ایک کھجور کی بیع دو کھجوروں کے عوض اور ایک اخروٹ کی بیع دو اخروٹ کے عوض کیوں کہ معیار مفقود ہے تو ربوٰ متحقق نہ ہوگا۔

اس کی شرح میں مولانا محمد حنیف گنگوہی لکھتے ہیں:

ایک انڈے کی بیع دو انڈوں کے عوض جائز ہے اور کیوں کہ معیار شرعی مفقود ہے یعنی

اشیاء مذکورہ نہ کیلی ہے نہ وزنی لہٰذا ربو متحقق نہ ہوگا۔

کیلی کا مطلب ہے ناپنے والی اشیاء اور وزنی کا مطلب ہے تولنے والی اشیاء۔ شریعت میں ناپنے والا پیمانہ یعنی برتن سب سے کم درجے کا جو ہوتا ہے وہ مد ہوتا ہے مد سے کم کوئی پیمانہ نہیں۔ جب آپ کسی سے ناپ کا معاملہ کریں گے تو کم از کم ایک مد کے کیل کا اعتبار کریں گے۔ اگر اس کا اعتبار نہ کیا جائے تو حدیث میں مد ابمد کی جو صراحت ہے وہ بے فائدہ ہو جاتی ہے جب ان کیلی اشیاء میں جنس کے ساتھ کم از کم ایک مد کیل کا اعتبار ہے تو جو اشیاء اس معیار سے کم ہے یعنی ایک مد سے کم ہے یا جو جنس ہونے کے باوجود کیلی یا وزنی نہیں تو ان میں سود کی علت نہیں پائی جاتی اس لیے ان میں سود کا حکم نہیں پایا جاتا۔ اس بات کو صاحب ہدایہ نے یہاں بیان کیا ہے۔

جونا گڑھی کو یا تو ہمارے مسلک کی واقعی خبر نہیں یا پھر انہوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے میرے خیال میں تو جان بوجھ کر وہ ایسا کرتے ہیں۔

حنفی مذہب میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

معلیٰ نے امام محمد سے بھی یہی روایت کیا ہے کہ ان کے نزدیک بیع تمر بالتمرین مکروہ ہے نیز امام محمد کا قول ہے کہ جو شی کثیر میں حرام ہے وہ اس کے قلیل میں بھی حرام ہے شیخ کمال الدین نے فتح القدیر میں امام محمد کے قول کی تصحیح نقل کی ہے۔

(طلوع النیرین شرح ھدایہ آخرین ج۱ ص۳۲۶)

مولانا ظفر احمد عثمانی حنفی لکھتے ہیں:

ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک لپ (گندم وغیرہ) دو لپ کے بدلہ میں اور ایک کھجور کی دو کھجوروں کے بدلہ میں بیع سے بچنا بہتر ہے۔ اس لیے نہیں کہ امام ابوحنیفہ کا نظریہ دلیل کے لحاظ سے کمزور ہے۔ بلکہ خلاف سے نکلنے کے لیے ہے۔

(اعلاء السنن جلد۱۴ ص۲۶۴ بحوالہ انکشاف حقیقت ص۳۴۵) (تفصیل کے لیے دیکھئے الشرح ثمیری علی المختصر للقدوری ج۲ ص۷۲ تا ۸۳ باب الربوٰ)

اعتراض نمبر ۱۴۸:

بوٹی کے بدلے بکرا

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۲۴۵ کتاب البیوع باب الربوٰ میں ہے عن سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ مُرْسَلاً اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَہٰی عَنْ بَیْعِ اللَّحْمِ بِالْحَیَوَانِ الخ رواہ فی شرح السنۃ یعنی رسول اللہ ﷺ نے گوشت کو جانوروں کے بدلے بیچنا حرام فرمایا ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی اسے نہیں مانتے چنانچہ ہدایہ جلد سوم ص ۶۵ کتاب البیوع باب الربوٰ میں ہے یَجُوْزُ بَیْعُ اللَّحْمِ بِالْحَیَوَانِ یعنی گوشت کو جانور کے بدلے بیچنا جائز ہے۔اب دیکھیں ہمارے زمانے کے احناف اس حرام بیع کو فقہ سے حلال کرتے ہیں؟ یا حدیث کے مطابق حرام ہی کہتے ہیں؟ اس نے تو اس مثل کو اصل کر دکھایا کہ بوٹی دے کر بکرا لے لو۔

(شمع محمدی ص ۱۵۶، ظفر المبین ج ۲ ص ۱۴۵)

جواب:

جونا گڑھی نے جو حدیث نقل کی ہے اس کی شرح میں نواب قطب الدین محدث دہلوی حنفی لکھتے ہیں:

حضرت امام ابوحنیفہ کے ہاں یہ معاملہ جائز ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اس معاملہ میں ایک موزوں چیز (یعنی گوشت کہ اس کا لین دین وزن کے ذریعہ ہوتا ہے) کا تبادلہ ایک غیر موزون چیز (یعنی جانور کا اس کا لین دین وزن کے ذریعہ نہیں ہوتا) کے ساتھ کیا جاتا ہے جس میں دونوں طرف کی چیزوں کا برابر سرابر ہونا ضروری نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ لین دین اور خرید و فروخت کی یہ صورت جائز ہے ہاں اس صورت میں چونکہ لین دین کا دست بدست

ہونا ضروری ہے اس لیے حدیث میں مذکور بالا ممانعت کا تعلق دراصل گوشت اور جانور کے باہم لین دین کی اس صورت سے ہے جب کہ لین دین دست بدست نہ ہو بلکہ ایک طرف تو نقد ہو اور دوسری طرف وعدہ یعنی ادھار ہو۔ (مظاہر حق جدید ج ۳

قاری عبدالحلیم قاسمی بستوی احسن الہدایہ ترجمہ و شرح ہدایہ میں اس مسئلہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

حضرات شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تحقیق ربوٰ کے لیے دو علتوں کا پایا جانا ضروری ہے اور یہاں دونوں معدوم ہیں اس لیے کہ گوشت موزون ہے اور حیوان غیر موزون وعددی) ہے کیوں کہ حیوان کو عرفِ عام میں نہ تو وزن کیا جاتا ہے اور نہ ہی وزن سے اس کی مقدار معلوم ہو سکتی ہے کیوں کہ کبھی تو وہ خود کو ہلکا کر لیتا ہے اور کبھی سانس وغیرہ بھر کے خود کو بہت بھاری بنا لیتا ہے۔ لہٰذا ان میں اتحاد وقدر نہیں پایا گیا۔ اور صاحب کفایہ کی وضاحت کے مطابق یہاں اتحاد جنس بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ حیوان متحرک اور حساس ہوتا ہے جب کہ گوشت حرکت وحس سے عاری ہوتا ہے۔ تو جب حیوان اور گوشت میں ربوٰ کی دونوں علتیں معدوم ہیں تو انہیں ایک کو دوسرے کے عوض فروخت کرنا درست اور جائز ہوگا خواہ برابری کے ساتھ ہو یا کمی اور بیشی کے ساتھ ہو۔ (احسن الہدایہ جلد۲ ص ۳۴۹)

اعتراض نمبر ۱۴۹:

سودی بیع

(یعنی تر کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے بیچنا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے:

مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۲۴۵ کتاب البیوع باب الربوٰ میں ہے عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ شِرٰى التَّمَرِ بِالرَّطْبِ فَقَالَ اَيَنْقُصُ الرَّطْبُ اِذَا يَبِسَ فَقَالَ نَعَمْ فَنَهَاهُ عَنْ ذٰلِكَ. رواه مالك

والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجه) یعنی رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا خشک کھجوروں کو تر کھجوروں کے بدلے بیچ سکتے ہیں؟ آپ نے پوچھا کہ کیا تر کھجوریں خشک ہونے کے بعد وزن میں کم ہو جاتی ہیں؟ جواب ملا جی ہاں۔ تو آپ نے اس سے منع فرما دیا۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی اسے بھی نہیں مانتے ہدایہ جلد ۳ کتاب البیوع باب الربوٰ ص ۲۷ میں ہے **یَجُوزُ بیعُ الرُّطَبِ بِالتَّمرِ مَثَلاً بِمَثَلٍ** یعنی تر کھجوروں سے خشک کھجوروں کی بیع جائز ہے۔ کہو حنفیو! حدیث مانو گے یا فقہ ممنوع تجارت کرو گے یا مشروع؟

(شمع محمدی ص ۱۵۷، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۷،۱۳۲)

جواب:

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ خشک کھجوروں اور تر کھجوروں کی بیع آپس میں جائز ہے۔ بشرطیکہ دونوں طرف سے کھجوریں بالکل برابر ہوں اور سودا نقد ہو کسی طرف سے بھی ادائیگی نقد ہو ادھار نہ ہو۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اس معاملے میں دو ہی باتیں کہنا ممکن ہے یا تو خشک کھجور اور تر کھجور کی جنس الگ الگ ہے یا پھر ایک ہی جنس ہے اگر دونوں ایک ہی جنس ہوں تو حدیث میں بصراحت مذکور ہے کہ کھجور کے بدلے کھجور کو برابری اور نقد سودا ہونے کی شرط پر بیچنا جائز ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵)

گویا جو بھی صورت اختیار کی جائے خشک کھجور اور تر کھجور کی آپس میں بیع کو ممنوع نہیں قرار دیا جا سکتا۔ تاہم چونکہ یہ بالکل واضح ہے کہ خشک کھجور کی جنس ایک ہی ہے اس لیے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ان کی آپس میں بیع ان دو شرطوں کے مطابق ہی درست ہو گی جو احادیث میں صراحتاً مذکور ہیں یعنی یہ کہ کھجوریں دونوں طرف سے برابر ہوں اور سودا نقد ہو۔

رہی وہ روایت جو جوناگڑھی نے نقل کی ہے اس کے کئی جواب ہیں۔

۱......حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی خود اسی روایت کے بعض طرق میں صراحت ہے کہ حضور

اکرم ﷺ نے یہ نہی ادھار بیچنے سے کی تھی۔ چنانچہ سنن الکبریٰ بیہقی ج ۵ ص ۲۹۴ اور طحاوی ج ۲ ص ۱۶۱ میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی جو روایت آتی ہے اس میں حضرت سعد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے خشک کھجوروں کے بدلے میں تر کھجوروں کو ''ادھار کر کے'' بیچنے سے منع فرمایا۔ اور اس صورت میں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ امام ابوحنیفہ بھی اس بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

حضرت سعد کی روایت کے علاوہ بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات میں بھی نہی وارد ہے۔ ان روایات میں جو نہی مذکور ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ درحقیقت بیع مزابنہ کے بارے میں وارد ہوتی ہے۔ (مزابنہ کا مطلب ہے درختوں پر لگی کھجوروں کا اندازہ کر کے انہیں کٹی ہوئی معلوم المقدار کھجوروں کے بدلے بیچنا) اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت مسلم میں مکمل آئی ہے اور اس میں صراحت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مزابنہ سے منع فرمایا اور مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی کھجوروں کو کٹی ہوئی کھجوروں کے ساتھ ماپ کر اور میوے کو (درخت پر لگے) انگوروں کے ساتھ ماپ کر بیچا جائے۔ (مسلم ج ۲ ص ۹)

مزابنہ سے نہی کی علت یہ ہے کہ اس میں کمی بیشی کا احتمال قوی موجود ہے جب کہ زیر بحث مسئلہ میں کھجوروں کی مقدار دونوں طرف سے مساوی ہے اس لیے مزابنہ کا حکم اس پر جاری نہیں ہو سکتا۔ (امام ابوحنیفہ اور عمل بالحدیث ص ۱۸۱ تا ۱۸۳)

اعتراض نمبر ۱۵۰، ۱۵۱:

کھیت اور باغ کی شرکت

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۲۵۷ کتاب البیوع باب المساقاۃ والمزارعۃ میں ہے عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَفَعَ اِلٰی یَھُوْدِ خَیْبَرَ نَخْلَ خَیْبَرَ وَاَرْضَھَا عَلٰی اَنْ یَعْتَمِلُوْھَا مِنْ اَمْوَالِھِمْ وَلِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَطْرُ ثَمَرِهَا رواه مسلم یعنی رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے رہنے والے یہودیوں کو خیبر کی زمین دی اور یہ ٹھہرا کر کہ وہ اپنا مال لگا کر خود ہی کام کاج کریں اور جو پیداوار کھجور کے باغ کی ہو اس میں آدھا ان کا اور آدھا آپ کا اسی طرح وہاں کی کھیت کی زمین بھی اسی بٹوارے پر انہیں دی۔ یہ حدیث صحیح ہے صریح ہے کہ مزارعہ اور مساقاۃ یعنی اس طرح کی شرکت کی کھیتی اور اس طرح کے شرکت کے باغ شرعاً جائز ہیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن ہدایہ میں ہے قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ الْمَزَارَعَةُ بِالثُّلُثِ وَالرُّبْعِ بَاطِلَةٌ یعنی اس طرح کھیت کرنا ناجائز ہے۔ باطل ہے ہدایہ جلد ۴ ص ۴۰۸ کتاب المزارعہ اور ص ۴۱۵ کتاب المساقاۃ میں ہے قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ الْمُسَاقَاةُ بِجُزْءٍ مِنَ الثَّمَرِ بَاطِلَةٌ یعنی اس طرح کھجوروں کے باغات کی بٹواری بھی ناجائز اور باطل ہے۔

(شمع محمدی ص ۱۵۸، ظفر المبین حصہ اول ص ۲۱۶)

جواب:

اس معاملے میں جمہور صحابہ وتابعین کا مسلک یہ ہے کہ مزارعت (یعنی بٹائی پر معاملہ کرنا) جائز ہے چنانچہ امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں سے ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہ ہی مسلک ہے اور فقہ حنفی میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (طلوع النیرین ج ۵ ص ۱۷۲)

لیکن یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ امام ابوحنیفہ کی اس رائے کی بنیاد معاذ اللہ حدیث کے مقابلے میں اپنی رائے اور قیاس پر نہیں ہے جیسا کہ جوناگڑھی نے لکھا ہے بلکہ ان کا استدلال بھی اس معاملہ میں احادیث ہی سے ماخوذ ہے۔

پہلی حدیث:

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس

شخص کے پاس کچھ زمین ہو تو اسے چاہیے کہ اس میں کوئی چیز خود کاشت کرے۔ اگر وہ خود یہ نہ کرسکتا ہو تو اپنے کسی مسلمان بھائی کو دے دے (کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے) لیکن اس کو کرایہ پر نہ دے (یعنی زمین دینے کے عوض اس سے اس کا کرایہ نہ لے۔

(مسلم ج ۲ ص ۱۱)

دوسری حدیث:

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اپنے کھیتوں کو اگنے والی فصل کے تیسرے یا چوتھے حصے یا کسی معین مقدار کے عوض میں کرائے پر دیتے۔ تو ایک دن میرے چچاؤں میں سے ایک آیا اور اس نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس سے منع کر دیا ہے جس میں ہمارا فائدہ تھا لیکن اللہ اور رسول کے حکم کی فرماں برداری ہمارے لیے زیادہ فائدہ مند ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اپنی زمینیں فصل کے تیسرے یا چوتھے حصے یا کسی معین مقدار کے عوض میں کرائے پر دینے سے منع فرما دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ یا زمین کا مالک خود کاشت کرے یا کسی دوسرے کو کاشت کے لیے دے دے۔ لیکن زمین کا کرایہ لینے کو آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۱)

تیسری حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ ہم لوگ مخابرت کیا کرتے تھے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے یہاں تک کہ جب حضرت رافع ابن خدیج نے یہ بتایا کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے تو ہم نے اس وجہ سے اسے ترک کر دیا۔

(مشکوٰۃ باب المساقاۃ والمزارعۃ فصل اول، جونا گڑھی نے جو حدیث نقل کی ہے اس کے بعد کی یہ حدیث ہے)

نواب قطب الدین محدث دہلوی حنفی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

مخابرت اس مزارعت کو کہتے ہیں جس کا ذکر اوپر کی حدیث میں ہوا حضرت امام اعظم

ابوحنیفہ کے نزدیک چونکہ مزارعت ممنوع ہے اس لیے یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔

(مظاہر حق ج ۳ ص ۱۶۹)

مزارعت سے مخالفت کی احادیث اس کے علاوہ دیگر صحابہ کرام سے بھی مروی ہیں (دیکھئے کتب حدیث) اور انہی سے استدلال کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

اور جو روایت جوناگڑھی نے نقل کی ہے۔ اس کا مطلب امام ابوحنیفہ کے نزدیک کیا ہے وہ ہم نواب قطب الدین کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

نواب صاحب لکھتے ہیں:

حضرت امام اعظم یہ فرماتے ہیں کہ خیبر کی زمین اور درختوں کو وہاں کے یہودیوں کو دینا مساقات و مزارعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا کیوں کہ خیبر کی زمین اور وہاں کے درخت آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں نہیں تھے کہ آپ بطور مساقات و مزارعت وہاں کے یہودیوں کو دیتے بلکہ وہ زمین بھی یہودیوں ہی کی ملکیت تھی اور وہاں کے درختوں کے مالک بھی یہودی ہی تھے۔ آپ نے ان کی املاک کو انہیں کے حوالہ کیا اور اس کی پیداوار کا نصف بطور خراج اپنے لیے مقرر فرمایا۔ چنانچہ خراج کی دو قسمیں ہیں۔ ① خراج موظف ② خراج مقاسمت۔ خراج موظف کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اسلامی مملک کی طرف سے جن لوگوں پر خراج عائد کیا جاتا ہے ان سے سربراہ مملکت ہر سال کچھ مال لینا مقرر کر لیتا ہے۔ جیسا کہ اہل نجران سے ہر سال بارہ سو ۱۲۰۰ حلے یعنی جوڑے لیے جاتے تھے۔

خراج مقاسمت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں پر خراج عائد کیا جاتا ہے ان کی زمین کی پیداوار ان لوگوں اور اسلامی حکومت کی درمیان کسی مقررہ مقدار میں تقسیم ہوتی ہے جیسا کہ اہل خیبر کے ساتھ ہوا کہ ان کی زمین اور درختوں کی نصف پیداوار آنحضرت ﷺ لے لیتے تھے۔ (مظاہر حق ج ۳ ص ۱۶۹)

بہرحال یہ بات حدیث کے فہم و تدبر سے تعلق رکھتی ہے۔ جس سے خطا اور صواب

دونوں کا امکان ہر شخص کے حق میں پایا جاتا ہے۔ اس کی بنا پر فقہ اور حدیث کے ایک جلیل القدر امام کے بارے میں جس نے اپنے اس مسلک کی بار بار وضاحت کی ہو کہ حدیث کے مقابلہ میں کسی شخص کی رائے اور قیاس کا کوئی اعتبار نہیں یہ کہنا کہ اس نے حدیث کے خلاف محض قیاس کی بنا پر رائے قائم کی ہے۔ محض ایک بے بنیاد الزام ہے۔

(ماخوذ امام حنیفہ اور عمل بالحدیث)

یہ اعتراض اصل میں ظفر المبین کا تھا اس کا جواب فتح المبین ص ۲۵۴ تا ۲۵۶ میں دیا گیا تھا۔

اعتراض نمبر ۱۵۲:

دو اذانوں کو ایک کر دیا

(یعنی مزدلفہ میں ایک اذان اور ایک اقامت)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوٰۃ شریف جلد اول ص ۲۲۵ میں آنحضرت ﷺ کے حجۃ الوداع کے قصہ میں مروی ہے کہ جب حضور مزدلفہ میں پہنچے تو فَصَلّٰی بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِاَذَانٍ وَّاحِدٍ وَّاِقَامَتَيْنِ یعنی وہاں آپ نے مغرب عشاء کی نماز جمع کر کے پڑھی اذان ایک ہی ہوئی اور اقامت یعنی تکبیریں دو ہوئیں۔ ملاحظہ بخاری مسلم۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس سنت کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے وَيُصَلِّي الْاِمَامُ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءَ بِاَذَانٍ وَّاِقَامَةٍ وَّاحِدَةٍ یعنی مزدلفہ میں امام مغرب عشاء کی نماز ایک اذان اور ایک اقامت سے پڑھائے۔ (شمع محمدی ص ۱۵۹، ظفر المبین حصہ دوم ص ۱۲۶)

جواب:

اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں کسی میں آتا ہے کہ ہر نماز کے لیے اذان بھی دی

جائے گی اور اقامت بھی کہی جائے گی اور کسی میں آتا ہے ایک اذان اور دو تکبیروں سے دونوں نمازیں پڑھیں گے اور کسی روایت میں آتا ہے کہ ایک اذان ایک ہی تکبیر سے دونوں نمازیں پڑھیں گے۔ جونا گڑھی نے دو تکبیروں والی روایت نقل کر دی اور ایک تکبیر والی کا ذکر نہیں کیا۔ حنفی مذہب کا عمل ایک تکبیر والی احادیث کے مطابق ہے۔

حنفی مذہب کے دلائل

حدیث نمبر ۱:

روایت ہے عبداللہ بن مالک سے کہ البتہ ابن عمر نے نماز پڑھی مزدلفہ میں اور ملا کر پڑھیں دو نمازیں ایک تکبیر سے اور فرمایا دیکھا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی کرتے ہوئے اس مکان میں۔

(ترمذی مترجم جلد اول ص ۳۳۵، ترجمہ علامہ بدیع الزماں غیر مقلد ابواب الحج باب: ما جاء فی الجمع بین المغرب والعشاء)

حدیث نمبر ۲:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز جمع کر کے پڑھی۔ آپ نے مغرب کی تین رکعات اور عشاء کی دو رکعات ایک اقامت کے ساتھ پڑھیں۔

(مسلم کتاب الحج، باب: الافاضة من عرفات الی المزدلفة)

حدیث نمبر ۳:

حضرت سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ گئے حتی کہ مزدلفہ پہنچے وہاں انہوں نے ہمیں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اقامت کے ساتھ پڑھائیں پھر واپس لوٹے اور کہا رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ اسی طرح ہمیں نماز پڑھائی تھی۔

(مسلم کتاب الحج، باب: الافاضة من عرفات الی المزدلفة، ابوداؤد کتاب المناسک، باب: الصلوٰة البجمع)

حدیث نمبر۴:

عبداللہ بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے مغرب کی تین رکعتیں اور عشاء کی دو رکعتیں عبداللہ بن عمر کے ساتھ پڑھیں تو مالک بن الحارث نے ان سے کہا یہ کس طرح کی نماز ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان دونوں نمازوں کو اسی جگہ پڑھا تھا ایک تکبیر سے۔ (ابو داؤد، کتاب المناسک باب: الصلوٰۃ بجمع)

حدیث نمبر۵:

سعید بن جبیر و عبداللہ بن مالک سے روایت ہے کہ ہم نے عبداللہ بن عمر کے ساتھ مزدلفہ میں نماز مغرب اور عشاء پڑھی ایک تکبیر سے۔

(سنن ابو داؤد کتاب المناسک باب الصلوٰۃ بجمع)

حدیث نمبر۶:

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ ملا کر پڑھیں اور ان کے درمیان کسی قسم کی نماز نہیں پڑھی۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، بحوالہ نصب الرایہ ج۳ ص۶۸)

حدیث نمبر۷:

حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مغرب کی تین رکعات اور عشاء کی دو رکعات ایک اقامت کے ساتھ ملا کر پڑھیں۔

(نصب الرایہ ج۳ ص۶۹)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھے۔ اور مغرب اور عشاء کے درمیان کسی قسم کی نفل نماز نہ پڑھی جائے۔ حضور اکرم ﷺ کا یہی عمل ہے اور احناف کا یہ یہی مختار مسلک ہے۔ باقی رہی وہ حدیث جو جوناگڑھی نے نقل کی ہے۔ وہ اس صورت پر محمول ہے کہ اگر مغرب اور عشاء کے درمیان کسی قسم کا وقفہ کر دیا جائے مثلاً کھانا کھانے کا یا اونٹ وغیرہ

بٹھانے کا تو پھر عشاء کی نماز کے لیے دوبارہ اقامت کہی جائے تاکہ جو لوگ ادھر ادھر ہو چکے ہیں وہ نماز کے لیے حاضر ہو جائیں۔ صاحب ہدایہ نے ایک عقلی دلیل بھی نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عشاء اپنے وقت پر پڑھی جا رہی ہے۔ اس لیے الگ سے اقامت کہنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ لوگ تو عشاء کے لیے پہلے سے منتظر ہی ہیں۔ اس کے برخلاف عرفہ میں عصر کی نماز اپنے وقت سے پہلے پڑھی جا رہی ہے اس لیے لوگوں کو مزید بتلانے کے لیے کہ عصر کی نماز ابھی ہی ہو رہی ہے۔ عصر کے لیے الگ سے اقامت کہی جائے گی۔

اعتراض نمبر۱۵۳:

مسکینوں پر تنگی

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

مشکوٰۃ جلد اول ص ۲۴۶ کتاب البیوع باب المنہی عنہا الخ میں ہے عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْخَصَ فِیْ بَیعِ الْعَرَایَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمَرِ فِیْ مَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ اَوْ فِیْ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ شَكَّ دَاوٗد بن الحسین متفق علیہ یعنی جو لوگ غربا کو چند درخت خرما کا پھل ہبہ کر دیں تو اگر وہ اندازاً پانچ وسق ۱۹ من سے کم ہوں تو ان کے لیے جائز ہے کہ ان کے انداز اور انکل سے تیار کھجوریں لے لیں۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا ان کی ہدایہ کے ص ۳۶ جلد ۳ کتاب البیوع میں اسے منع لکھا ہے بلکہ امام شافعی جو اسے مانتے ہیں ان کی تردید کی ہے اب حنفیوں کو اختیار ہے خواہ اصلی پیغمبر کی لیں خواہ بعد والے کی؟

(شمع محمدی ص ۱۶۰، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۱۳۶)

جواب:

جونا گڑھی نے یہاں پر ہدایہ کی مکمل عبارت نقل نہیں کی جس سے مسئلہ خود ہی صاف ہو جاتا تھا۔ ہدایہ میں اصل مسئلہ بیع مزابنہ اور بیع عرایا کا چل رہا ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں۔

یہاں پر اصل مسئلہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک کھجوروں کے ساتھ اندازہ کر کے بیچنا درست یا نہیں۔

احناف کہتے ہیں کہ درست نہیں کیوں کہ یہ بیع مزابنہ ہے اور شریعت میں بیع مزابنہ منع ہے۔ کیوں کہ حدیث میں آتا ہے حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع مخابزہ، محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا۔ محاقلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا کھیت سو فرق گندم کے عوض بیچے اور مزابنہ یہ ہے کہ درخت میں لگی کھجوروں کو سو فرق کے عوض بیچنا اور مخابرہ زمین کو کرایہ پر دینا ہے تہائی یا چوتھائی پر۔ (مشکوٰۃ باب المنہی عنہا من البیوع)

اس حدیث کے علاوہ بھی اور بہت سی احادیث میں بیع مزابنہ سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ اس لیے امام ابو حنیفہ بھی منع فرماتے ہیں۔

قارئین آپ کے علم میں اب مسئلے کی صحیح صورت آ گئی ہوگی اس اجازت کا نام بیع عرایا ہے۔

عرایا کا مطلب:

عرایا عریہ کی جمع ہے کسی شخص کو کھجور کے درخت کے پھلوں کا عطیہ دیا جائے نہ کہ اس کے درخت کا تو اس کو عریہ کہتے ہیں عرب میں جب خشک سال ہوتا ہے تو جن کے پاس کھجوروں کے درخت ہوتے تو وہ خوشی سے ان لوگوں کو عاریۃ کھجوریں دیتے جن کے پاس کھجوریں نہیں ہوتی تھیں۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ اصل درختوں کا مالک نہیں بنایا گیا صرف درختوں پر جو کھجوریں ہیں وہ ان غریب لوگوں کو کھانے کے لیے کہا تھا کہ یہ دو یا تین درختوں کی کھجوریں

کھا سکتے ہیں۔ جن لوگوں کو یہ عاریۃ کھجوریں دیں۔ ان لوگوں کو اصحاب عرایا کہتے ہیں۔

ایک شخص نے اصحاب عرایا کو اجازت دے دی مگر بعد میں وہ شخص کسی وجہ سے تازہ کھجوریں خود رکھنا چاہتا ہے اور اسے خشک کھجوریں دینا چاہتا ہے تو اس کی آپ ﷺ نے صرف پانچ وسق سے کم میں اجازت دی ہے۔ مسئلے کی اس شکل کو غیر مقلد بیع کہتے ہیں۔ جب کہ احناف اس کو بیع نہیں کہتے۔ اگر اس کو بیع کہا جائے تو یہ مزابنہ کی صورت بنتی ہے جو منع ہے۔ البتہ اس کو ہبہ کہنا درست ہے اور ایسی شکل میں فقہائے احناف بیع العرایا کے جواز کے قائل ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ عریہ درحقیقت عطیہ ہے اور اس پر بیع کا اطلاق صورۃ کیا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۴۳۲)

اس اعتراض کے جواب میں امام ابو حنیفہ اور عمل بالحدیث میں لکھا ہے۔ البتہ اس معاملے میں خود حضور اکرم ﷺ نے ایک صورت یعنی عرایا کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جس کا ذکر اوپر اعتراض کے ضمن میں منقول حدیث میں ہے۔ عرایا کا معنی ہے۔ ہبہ کئے ہوئے درخت اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے باغ کے کچھ درخت کسی محتاج کو ہبہ کر دے۔ پھر بعد میں وہ کسی وجہ سے اسے درخت پر لگے ہوئے پھل دینے کے بجائے کٹے ہوئے پھل دینا چاہے تو اسے اجازت ہے کہ وہ درخت پر لگے ہوئے پھل کی مقدار کا اندازہ کر کے اس کے مطابق کٹے ہوئے پھل اس آدمی کو دے دے۔ اس صورت میں اگرچہ بظاہر مزابنہ کی صورت پائی جاتی ہے لیکن اس کو اس لیے جائز قرار دیا گیا ہے کہ درحقیقت اس میں وہ علت نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے مزابنہ کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ مزابنہ میں ممانعت کی علت یہ ہے کہ اس میں اندازے کے ساتھ ایک جنس کی اشیاء کا باہمی تبادلہ کیا جاتا ہے۔ اور اس میں کمی بیشی کا احتمال پایا جاتا ہے۔ جو کہ شریعت میں ممنوع ہے۔ جب کہ عرایا میں سرے سے تبادلہ ہی نہیں پایا جاتا یعنی یہاں صورت یہ نہیں ہے کہ موہوب لہ (جس آدمی کو ہبہ کیا گیا ہے) سے درخت پر لگے ہوئے پھل لے کر ان کے بدلے میں اسے کٹے ہوئے پھل دے جا رہے ہیں بلکہ صورت یہ ہے کہ ہبہ کرنے والے نے ایک چیز ہبہ کرنے کے بعد موہوب

قبضے میں جانے سے پہلے ہی واپس لے لی اور اس کی جگہ دوسری چیز ہبہ کردی۔ چونکہ پہلی چیز موہوب لہ کے قبضے میں نہیں گئی اس لیے اس پر اس کی ملکیت ثابت نہ ہوگی اس طرح ہبہ کرنے والے نے جب پہلی چیز واپس لی تو وہ اس کی اپنی ہی مملوکہ چیز تھی نہ کہ موہوب لہ کی۔ پس جب اس نے اپنی ہی چیز ایک چیز کی جگہ دوسری چیز دی ہے تو تبادلہ نہیں پایا گیا۔ اس لیے کمی بیشی بھی ناجائز نہ رہی۔ (امام ابوحنیفہ اور عمل بالحدیث ص ۲۰۰)

ہمارے نزدیک یہ شکل جس کو جونا گڑھی نے بیع عرایا کا نام دیا ہے جائز ہے۔ جونا گڑھی نے جو حدیث نقل کی ہے اس کی شرح میں نواب قطب الدین محدث دہلوی حنفی لکھتے ہیں۔ پانچ وسق سے کم کی قید اس لیے ہے کہ اس اجازت کا تعلق احتیاج اور مزارعت سے ہے اور احتیاج و مزارعت پانچ وسق سے کم ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ عرایا کے پھلوں کی مذکورہ بیع و تبادلہ پانچ وسق سے کم میں سب ہی علماء کے نزدیک جائز ہے۔

(مظاہر حق ج ۳ ص ۹۵)

اس بات میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اجازت کا تعلق صرف محتاجوں ہی سے ہے یا اغنیاء بھی اس اجازت کے دائرہ میں آتے ہیں چنانچہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ یہ اجازت دونوں کے لیے ہے۔ (مظاہر حق ص ۹۵ جلد سوم)

اعتراض نمبر ۱۵۴، ۱۵۵:

شراب و سور کی تجارت

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

دنیا جانتی ہے مسلمان بچے بچے کو علم ہے کہ اسلام نے شراب اور شراب کی تجارت حرام کردی ہے۔ مشکوٰۃ شریف جلد اول کتاب البیوع ص ۲۴ باب الکسب الخ میں ہے عن جابرٍ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ اِنَّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ الخ متفق عليه یعنی

رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے سال اپنے خطبے میں فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب کی مردار کی سور کی اور بتوں کی خرید وفروخت حرام فرمادی ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب کو اس حکم کے ٹالنے پر اصرار ہے وہ ذرا گھما کر پیچ دے کر اسے حلال کر لیتا ہے یعنی ہدایہ ج ۳ کتاب البیوع ص ۱۴۱ باب البیع الفاسد میں ہے وَاِذَا اَمَرَ الْمُسْلِمُ نَصْرَانِیًا بِبَیْعِ خَمْرٍ اَوْ بِشْرَابِهَا فَفَعَلَ ذَالِكَ جَازَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ یعنی اگر کسی مسلمان نے کسی نصرانی کو شراب بیچ ڈالنے یا خرید لینے کا حکم دے دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہے جو حکم شراب کا ہے وہی حکم خنزیر کا بھی ہے۔ چنانچہ اس سے آگے ہے وَعَلٰی هٰذَا الْخِلَافِ الْخِنْزِیْرُ یعنی اسی طرح خنزیر کی خرید وفروخت مسلمان نصرانی وکیل کے ذریعے کرسکتا ہے۔ کہو حنفی دوستو کیا ارادے ہیں؟ اس جواب کے ماتحت شراب کے ٹھیکے اور سور کی تجارت بواسطہ عیسائی وکیل شروع ہو جائے گی۔ یا زیر فرمان رسول اکرم ﷺ یہ دونوں تجارتیں حرمت کی حالت میں ہی رہ جائیں گی۔ اللہ ہمیں اپنے نبی کا تابعدار بنائے۔

(شمع محمدی ص ۱۶۰، ظفر المبین حصہ دوم ص ۱۸۸)

جواب:

حنفی مذہب اس حدیث کے مطابق ہے جو جونا گڑھی نے نقل کی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کی شرح میں لکھا ہے۔

پتلی نشہ آور چیز خواہ شراب، انگوری ہو یا کھجور وغیرہ کی یا تاڑی یا کوئی اور چیز مطلقاً حرام ہے۔ نشہ دے یا نہ دے اس پر فتویٰ ہے۔ ان سب کی تجارت بھی حرام ہے۔ خشک نشہ آور چیزیں جیسے بھنگ افیون وغیرہ کا استعمال نشہ کے لیے حرام ہے۔ اور دواؤں میں جب کہ یہ نشہ نہ دیں تو حلال، لہٰذا ان کی بیع حلال ہے کہ ان سے انتفاع بھی حلال ہے۔ مردار وہ مرا ہوا

جانور ہے جو بغیر ذبح کھایا نہیں جاتا لہٰذا مری مچھلی کی تجارت درست ہے، بتوں کی تجارت خواہ فوٹو کی شکل میں ہوں یا مجسم حرام ہے جیسے ہنومان، بھوانی، رام چندر وغیرہ کے مجسمے یا فوٹو کی تجارت حرام ہے۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

مردار کی چربی کا استعمال حرام ہے احناف کے ہاں مردار کی چربی صابن، چراغ یا چمڑوں میں استعمال کرنا حرام ہے۔ نیز لکھتے ہیں: نجس تیل کا چراغ مسجد میں جلانا منع ہے۔

(خلاصہ لمعات التنتفح شرح مشکوٰۃ المصابیح واشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ. یہ دونوں کتابیں شیخ عبدالحق محدث حنفی دہلوی کی ہیں)

نواب قطب الدین حنفی لکھتے ہیں:

عطاء نے لکھا ہے کہ شراب وغیرہ کے مذکورہ بالا حکم میں باجا بھی داخل ہے کہ اس کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں ہے۔ (مظاہر حق ج ۳ ص ۳۹)

جوناگڑھی نے ہدایہ کی عبارت پوری نقل نہیں کی کیوں کہ پتہ چل جاتا تھا کہ صاحبین منع کرتے ہیں اور فقہ حنفی میں فتویٰ بھی صاحبین کے قول پر ہی ہے۔ اور امام صاحب کی اجازت بھی سخت تر کراہت یعنی مکروہ تحریمی کے ساتھ گویا ان کے نزدیک بھی ناجائز ہی ہوا۔ ہدایہ کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

امام محمد نے ذکر فرمایا کہ اگر مسلمان نے کسی نصرانی کو شراب بیچنے یا شراب خریدنے کا وکیل کیا اور وکیل نے یہ کام کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ مسلمان پر نہیں جائز ہے اور سور کی خرید وفروخت کی وکالت میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ موکل خود یہ کام نہیں کرسکتا ہے تو بجائے اپنے دوسرے کو وکیل نہیں کرسکتا ہے اور اس لیے کہ جو حکم وکیل کے واسطے ثابت ہوتا ہے وہ موکل کی طرف منتقل ہوتا ہے تو ایسا ہوا کہ گویا موکل نے خود یہ کام کیا تو جائز نہ ہوگا اور ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل

اپنی لیاقت وولایت سے خود عقد کرنے والا ہے اور موکل کی طرف ملکیت کا منتقل ہونا ایک امر حکمی ہے تو اسلام لانے سے یہ ممتنع نہ ہوگا جیسے مسلمان نے شراب یا سور کو میراث پایا پس اگر شراب ہو تو اس کو سرکہ کرلے اور اگر سور ہو تو اس کو ذبح کردے۔

(عین الهدایه جلد سوم ص۱۰۱ مکتبه رحمانیه لاهور)

قارئین کرام! آپ نے ہدایہ کی پوری عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیا اس میں واضح طور پر موجود ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ایسا کرنا درست نہیں ہے اور حنفی مذہب میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے تو امام ابوحنیفہ کے ہاں بھی ایسا کرنے کا حکم نہیں ہے امام صاحب نے تو مسئلہ کا حل بتایا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے ایسا کام کرلیا تو وہ اب کیا کرے۔ اس کے متعلق امام صاحب نے وہ بات فرمائی جو جونا گڑھی نے نقل کی مگر آگے کی عبارت چھوڑ دی۔(غایۃ الاوطار اردو ترجمہ درمختار جلد۳ ص۹۵ ناشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی میں ہے)

یا جیسے امر کیا مسلم نے یعنی وکیل کیا مسلم نے ذمی کو شراب یا سور بیچنے یا خرید کرنے کے واسطے یا محرم نے غیر محرم سے کہا اپنے شکار کے بیچنے کے واسطے یعنی یہ توکیل اور بیع اور شرا امام کے نزدیک صحیح ہے نہایت کراہت کے ساتھ (عند الامام مع اشد کراہت) جیسے ضمانت سابقہ صحیح ہے اس واسطے کہ عاقد یعنی ذمی وکیل پہلی صورت میں اور غیر محرم وکیل دوسری صورت میں تصرف کرتا ہے بیع اور شراء میں اپنی اہلیت سے نہ موکل کی اہلیت سے اور انتقال ملک کا موکل کی طرف امر حکمی ہے۔

اس عبارت کے آگے لکھا ہے۔

اور صاحبین نے کہا کہ بیع مذکور صحیح نہیں یعنی باطل ہے اور یہی قول ظاہر تر ہے۔ کذا فی الشر نبلالیه عن البرهان۔

آگے مترجم کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

جب امام کے نزدیک جواز بیع اشد کراہت کے ساتھ ہوا تو مسلم کو واجب ہے کہ در صورت خرید شراب کو سرکہ بنادے یا اس کو زمین پر بہادے اور سور کو چھوڑ دے اور در صورت

بیع اس کے ثمن کو تصدق کرے (یعنی اس کی رقم کو صدقہ کر دے) کذا فی الطحاوی عن الحموی

(غاية الاوطار ج۲ ص۹۵)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حنفی مذہب کیا ہے جو نا گڑھی نے حنفی مذہب صحیح نقل نہیں کیا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۵۶:

وقف کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

بخاری مسلم میں حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زمین بنام ثمغ صدقہ کرنی چاہی تو حضور نے ان سے فرمایا **تَصَدَّقْ بِاَصْلِهَا لاَ تُبَاعُ وَلاَ تُوْهَبُ وَلاَ تُوْرَثُ** کہ اسے وقف کر دو اصل تو نہ بک سکے نہ بخشی جا سکے نہ وہ کسی کے ورثے میں آئے ہاں اس کی پیداوار سب راہ اللہ مستحقین میں جائے۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ جہاں کسی نے اپنی کوئی چیز وقف کی کہ وہ اللہ کی ملکیت ہو جائے گی۔ اب اس شخص کی ملکیت اس پر نہ رہے گی اور یہ کہ وقف کرنا شرعی امر ہے اور بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔

اعتراض:

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن ہدایہ جلد دوم ص ٦١٦ کتاب الوقف میں ہے **قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ لاَ يَزُوْلُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنِ الْوَقْفِ اِلاَّ اَنْ يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ الخ** یعنی وقف کرنے والے کے وقف کرنے سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوتی جب تک کہ حاکم کا حکم نہ ہو جائے اس کے معنی صاف یہ ہیں کہ وقف کرنا ہی امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں چنانچہ مبسوط کے الفاظ یہی ہیں کہ **لاَ يَجُوْزُ الْوَقْفُ اَصْلاً عِنْدَهٗ** یعنی امام صاحب کے نزدیک سرے سے وقف کرنا ہی جائز نہیں۔ کہو حنفی بھائیو! یہاں تو ناممکن ہے کہ تمہارے علماء امام صاحب کی تقلید کریں کیوں کہ اس صورت میں ہزار ہا کا وقف ہاتھوں سے نکل جائے گا اس لیے سب نے

مل کر یہاں امام صاحب کی تقلید چھوڑ رکھی ہے۔ (شمع محمدی ص ۱۶۱)

جواب:

اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ کے مسلک میں کچھ تفصیل ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں ہیں کہ کسی چیز کو وقف کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اصل چیز ہی کو وقف کر دے۔ مثلاً کوئی جگہ مسجد یا مدرسہ یا ہسپتال وغیرہ کے لیے وقف کر دے اس صورت میں ایک دفعہ وقف کر دینے کے بعد یہ چیز وقف کرنے والے کی ملکیت سے نقل کی جاتی ہے اور وقف لازم ہو جاتا ہے اب یہ شخص اس وقف شدہ چیز کو واپس نہیں لے سکتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی اصل چیز کو وقف نہ کرے بلکہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی مثلاً کسی باغ کا پھل یا کسی دکان کا کرایہ کسی کام کے لیے وقف کر دے اور اصل چیز اپنے قبضے ہی میں رکھے۔

اس صورت میں آدمی کو یہ وقف واپس کرنے کا اختیار ہے اور اگر وہ مر جائے تو اس کے ورثاء اس چیز کو واپس لے کر آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اس دوسری صورت میں وقف صرف اس شکل میں لازم ہوگا جب حکومت اسے لازم قرار دے یا وقف کرنے والا بطور وصیت یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ چیز وقف ہوگی یا وقف تو اپنی زندگی ہی میں کر دے لیکن اس وقف کو ہمیشہ کے لیے لازم قرار دے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کی دوسری صورت میں جس میں اصل چیز کے بجائے اس سے حاصل ہونے والی آمدنی وقف کی جاتی ہے۔ اصل چیز واقف کی ملکیت میں رہتی ہے۔ اس لیے اس کے انتظام و انصرام کا حق واقف کو ہوتا ہے اور اس کی آمدنی کو مختلف مدوں میں خرچ کرنے کی صوابدید اس کے پاس ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی چیز سے متعلق جتنے مالکانہ حقوق ہو سکتے ہیں وہ سب اس شخص کو حاصل رہتے ہیں۔ پس جب یہ چیز اس کی اپنی ملکیت میں ہے۔ اس کی آمدنی کو وہ بطور صدقہ خرچ کر رہا ہے تو بالکل بدیہی بات ہے

کہ اس کے وقف کو واپس لینے اور اسے بیچنے یا دیگر تصرفات کرنے کا حق بھی اس کو حاصل ہوگا۔
اسی طرح اگر واقف (وقف کرنے والا) مرجائے اور اس نے وقف شدہ چیز کو دائمی طور پر موقوف قرار نہ دیا ہو تو ظاہر ہے، اس کی ملک میں ہونے کی وجہ سے یہ چیز اس کے ورثاء کا حق ہوگی اور انہیں اختیار ہوگا کہ وہ اسے وقف کی صورت سے نکال کر آپس میں تقسیم کرلیں۔

امام صاحب کا یہ مسلک بالکل فقہی اور اصولی ہے اور احادیث میں اس کے خلاف کوئی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔ جونا گڑھی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقف کی جو روایت نقل کی ہے اس سے امام صاحب کے خلاف تو کیا استدلال ہوتا الٹا ان کے موقف کی تائید ہی ہوتی ہے۔

چنانچہ بخاری کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ:

یہ زمین اس طرح صدقہ کرو کہ اس کو نہ بیچا جاسکے نہ ہبہ کی جاسکے اور نہ وراثت میں تقسیم کی جاسکے۔ لیکن اس کا پھل خرچ کیا جائے۔ (فتح الباری شرح بخاری ج ۵ ص ۳۹۲)

جونا گڑھی کی نقل کردہ روایت میں صاف موجود ہے کہ انہوں نے وقف کرتے ہوئے یہ قید لگائی تھی کہ

اصل زمین نہ بیچی جاسکے گی نہ کسی کو ہبہ کی جاسکے گی اور نہ وراثت میں تقسیم ہوگی۔

یہ صراحت امام ابوحنیفہ کے مسلک کے بالکل مطابق ہے۔ کیوں کہ اگر واقف وقف شدہ چیز کے بارے میں خود ایسی صراحت کردے یا حاکم وقت اس کو ابدی قرار دے دے تو پھر امام صاحب کے نزدیک بھی اس کو بیچا یا وراثت میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا اس لیے امام صاحب کا مسلک حضرت عمر کے وقف کی روایت کے خلاف نہیں بلکہ اس کے عین مطابق ہے۔ (بحوالہ امام ابوحنیفہ اور عمل بالحدیث ترمیم واضافے کے ساتھ ص ۷۵ تا ۷۷)

تمت بالخیر

آج مورخہ ۲۱ ستمبر ۲۰۱۳ بمطابق ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ بروز ہفتہ رات کے ساڑھے نو بجے یہ کتاب اختتام کو پہنچی۔

فہرست کتب

	نام کتاب	قیمت
1	امام ابو حنیفہ پر اعتراضات کے جوابات	
2	فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات	
3	حقائق الفقہ بجواب حقیقت الفقہ	
4	آفتاب محمدی بجواب شمع محمدی (۲ جلدیں)	
5	اہل سنت کی تصنیفی خدمات کی ایک جھلک	
6	فتاویٰ عالمگیری پر اعتراضات کے جوابات	
7	ہم اہل سنت والجماعت کیوں ہیں	
8	دلائل احناف (مجموعہ احادیث) دو حصے	
9	بہشتی زیور پر اعتراضات کے جوابات	
10	تکبیرات العیدین مع قربانی کے تین دن	
11	ننگے سر نماز	
12	جرابوں پر مسح	
13	مسائل اربعہ (مرد و عورت کی نماز میں فرق)	
14	بیس تراویح کا ثبوت	
15	فرض نماز کے بعد دعا کا ثبوت	
16	رسائل پیر جی	
17	مجموعہ وظائف (پنج سورہ شریف)	
18	فیضان مصطفیٰ (مجموعہ درود شریف)	
19	خاص خاص سورتیں اور ان کے فضائل	
20	فضائل سادات مع تذکرہ اولیاء سادات	
21	مسائل قربانی قرآن وسنت کی روشنی میں	
22	ہدایہ پر اعتراضات کا علمی جائزہ	